ہفت روزہ غزوہ سے ماخوذ

سوال وجواب کا مجموعہ

تفہیم دین

تالیف

فضیلۃ الشیخ مولانا ابوالحسن مُبشّر احمد ربّانی حفظہ اللہ تعالیٰ





تفہیم دین



تالیف

ابوالحسن مبشر احمد ربانی



نام کتاب

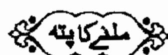
تفہیمِ دین

تالیف

ابوالحسن مُبشّر احمد ربّانی



ناشر ——— دارُالاَندلُس



مرکز القادسیہ 4۔ لیک روڈ چوبرجی، لاہور
Ph: 042-7230549 Fax: 7242639
www.dar-ul-andlus.com

تفہیم دین

فہرست مضامین

كِتَابُ الْعَقَائِدِ وَالتَّارِيْخِ

کِتَابُ الطَّھَارَۃِ

کِتَابُ الْوَضُوْءِ

كِتَابُ الْاَذَانِ

كِتَابُ الصَّلٰوةِ

كِتَابُ الْجُمُعَةِ

کِتَابُ الزَّکٰوۃِ

کِتَابُ الْمَسَاجِدِ

کِتَابُ الْجَنَائِزِ

كِتَابُ الْعِيدَيْنِ

كِتَابُ الصِّيَام

كِتَابُ الْحَجّ

كِتَابُ الْجِهَادِ

كِتَابُ النِّكَاحِ

كِتَابُ الطَّلَاقِ

كِتَابُ الْبُيُوْعِ

كِتَابُ الْحُدُوْدِ

کِتَابُ الْاِیْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

کِتَابُ الْاَدَبِ

كِتَابُ الْجَامِعِ



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمده و نصلي على رسوله الكريم اما بعد!

اسلامی احکامات میں افہام وتفہیم اور سوجھ بوجھ پیدا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ جس شخص کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے اپنے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول : ((من يرد الله به خيرا يفقه في الدين)) (صحیح البخاری کتاب العلم:۷۱)

''میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے: جس آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے اسے دین کا فہم عطا کرتا ہے۔ دین اسلام میں تمام اعتقادات و معاملات داخل ہیں۔ جس شخص کو عقائد اسلامیہ اور معاملات دینیہ کی تفہیم حاصل ہو جائے تو اس کو خیر و برکت کی بلندیاں مل گئیں۔''

اہل حدیث خوش نصیب افراد ہیں جن کے تمام مسائل کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے ان کے اصول وفروع اور قواعد وضوابط کی اساس و بنیاد محض قرآن وحدیث پر استوار ہے۔

قرآن وحدیث اہل حدیث کے ضمیر کی آواز دل کی دھڑکن اور روح کی غذا ہے۔ ہر صبح وشام اور لیل ونہار نے بے شمار انقلابات اور تبدیلیوں کے اپنے دامن میں سمیٹا لیکن کتاب وسنت کی ضیاؤں اور تابانیوں میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ ان کے

دلائل و براہین آج بھی اسی طرح چمک دمک رہے ہیں جیسا کہ ۱۴سو سال قبل جگمگا رہے تھے۔ لیکن بعض افراد ایسے بھی اس کرہ ارضی پر موجود ہیں جنہوں نے کتاب و سنت کے آفتاب و ماہتاب کے مدمقابل اقوال الرجال کو رکھ لیا اور امام الانبیاء امام اعظم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وسنت پر اپنے امام کے قول کو مقدم کر دیا اور اسلام کی حقیقی تصویر کو نمایاں کرنے کی بجائے مسخ کر دیا اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیمات کو تاویلات فاسدہ اور اقاویل کاسدہ کے ذریعے رد کر دیا۔ انہیں مقلدین پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف حنفی عالم اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

''اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کر لیں۔''

(تذکرۃ الرشید :۱/۱۳۱)

تھانوی صاحب کے اس قول کی صداقت پر کئی ایک دلائل موجود ہیں کہ مقلدین اپنے امام کے قول کے خلاف صحیح حدیث پا کر خوش نہیں ہوتے بلکہ اس صحیح حدیث کا یا تو انکار کر دیتے ہیں یا پھر اس کی بعید از عقل تاویلیں کرتے ہیں۔ بعض تاویلات اس قدر فاسدہ ہوتی ہیں کہ عامۃ الناس بھی اسے سن کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں مثال کے طور پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

((لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المحلل والمحلل له))

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے اس پر لعنت کی ہے۔ (یہ حدیث سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب

المحلل والمحلل لہ رقم الحدیث ۱۹۳۴)

علاوہ ازیں یہ حدیث کئی ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جامع ترمذی کتاب النکاح باب ماجاء فی المحلل والمحلل لہ۔ سنن ابن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی التحلیل، سنن النسائی ۶/ ۱۴۹، مسند احمد ۲/ ۳۲۳، بیہقی ۸/ ۲۰۸، مستدرک حاکم ۲/ ۱۹۸ وغیرھا میں موجود ہے۔ اس صحیح اور صریح حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس بے غیرت کے لیے حلالہ کیا جاتا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار پڑتی ہے۔ اور حلالہ کسے کہتے ہیں لغات حدیث کی معروف و مشہور کتاب ''النہایہ فی غریب الحدیث والأثر ۱/ ۴۳۱'' میں مرقوم ہے۔

"ھوان یطلق الرجل امرأتہ ثلاثا فیتزوجھا رجل آخر علی شریطۃ ان یطلقھا بعد وطئھا لتحل لزوجھا الاوّل"

حلالہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے پھر دوسرا آدمی اس عورت کے ساتھ اس شرط پر شادی کر لے کہ وہ اسے طلاق دے ڈالے گا۔ تاکہ یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے۔

حلالہ کی یہی تعریف احناف کی فقہی اصطلاحات پر مشتمل کتاب ''القاموس الفقہی ص: ۱۰۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، القاموس المحیط ۳/ ۳۷۱، المعجم الوسیط ص: ۱۹۴، کتاب الآثار مترجم ص: ۳۷۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی شرح السنۃ للبغوی ۹/ ۱۰۱، التلخیص الحبیر ۳/ ۱۷۱، تحفۃ الاحوذی ۲/ ۱۸۵ وغیرھا کتب لغات اور شروحات حدیث میں موجود ہے۔

لیکن مقلدین نے اس حلالہ جیسے مکروہ فعل کو جائز وروا رکھنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک حدیث کی یوں تاویل فاسد کی:

((وان کان بشرط التحلیل فیتحمل ان اراد باللعن الرحمۃ))

اگر یہ حدیث نکاح بشرط تحلیل کے متعلق ہے تو اس میں اس معنی کا احتمال ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت سے مراد رحمت لی ہے۔ ملاحظہ ہو کنز الدائق کی شرح

مستخلص الحقائق ص:۱۲۶۔ مقلدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح حدیث کو اپنی مرضی ومنشا کے خلاف پا کر لعنت کو رحمت سے بدل دیا یعنی حدیث کا مطلب یہ ہوا! کہ حلالہ کرنے والا اور کروانے والا لعنت کی بجائے رحمت کے مستحق ہیں۔ اور اس رحمت کے حصول کی خاطر آج مفتیان شرع متین اور ٹھیکیداران دین نے اپنے دارالافتاء میں جہاں حلالہ کے جواز کا فتویٰ دینا شروع کیا ہوا ہے وہاں ساتھ ہی حلالہ کا بندوبست بھی کر رکھا ہے۔ اللہ شاہد ہے ہمارے پاس ان علمائے سوء کے ستائے ہوئے کئی ایسے افراد آئے جنہیں باقاعدہ حلالہ کا مشورہ دیا گیا اور کہا گیا کہ تم اپنی بیوی کو لے آؤ ہمارے مدرسہ میں حلالہ کے لیے قاری صاحب موجود ہیں۔ بہرکیف مقلدین نے کتاب وسنت کی نصوص کو بالائے طاق رکھ کر اپنی آراء واھواء کی پوجا کی اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرامین کو تاویلات رکیکہ اور آرائے فاسدہ کے ذریعے پس پشت ڈال دیا اور دشمنان اسلام کو اسلام اور اہل اسلام کی تضحیک وتمسخر کا موقع فراہم کیا۔

روؤں دل کو کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

بہرکیف ہم نے اپنے فتاویٰ جات میں خالص کتاب وسنت کی تعلیمات کو فروغ دیا۔ اور لوگوں کے ارسال کردہ سوالات کو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ وحسنہ کی روشنی میں حل کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جماعۃ الدعوۃ سے منسلک وغیر منسلک افراد نے ملک کے طول وعرض سے بے شمار خطوط اپنے مسائل کے حل کے لیے ارسال کیے۔ اور ان خطوط کی اتنی کثرت ہے کہ راقم ان سب کا جواب دینا تو درکنار ان کا مطالعہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس وقت ہمارے دارالافتاء میں دو بوریوں کے لگ بھگ خطوط موجود ہیں۔ جہاں یہ خطوط جماعۃ الدعوۃ کی ملک میں مقبولیت پر دلالت کرتے ہیں وہاں اس حقیقت کی نقاب کشائی بھی کرتے ہیں کہ عوام میں صحیح اور خالص دین کے حصول کی تڑپ موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بے دلائل فتاویٰ جات سے اکتا چکے ہیں اور

اپنے مسائل کے حل کے لیے قرآن حکیم اور صحیح احادیث کے طالب ہیں۔

ہم اللہ کے فضل و کرم سے مسائل لکھتے ہیں پوری احتیاط سے کام لیتے ہیں کہ روایات کی اچھے طریقے سے جانچ پڑتال کر کے پھر انہیں اپنے فتاویٰ میں جگہ دیتے ہیں اور جن روایات کا ضعف معلوم ہو جائے انہیں معرض استدلال میں پیش نہیں کرتے کیونکہ ہمارے نزدیک ضعیف روایات احکامات شرعیہ میں حجت اور دلیل نہیں بن سکتیں۔ ہمارے فتاویٰ کی ایک سنہری کڑی ''ہفت روزہ غزوہ ٹائمز'' میں مسلسل شائع ہو رہی ہے۔

زیر نظر کتاب انہیں فتاویٰ جات پر مشتمل ہے جو''غزوہ ٹائمز'' میں شائع ہوئے آج انہیں کتابی صورت میں نظر ثانی کر کے منصۂ شہود پر لایا جا رہا ہے۔

اس کی تخریج ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' کی طرز پر تو نہیں کر سکے کیونکہ اخبار میں اختصار کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ مسائل کے حل میں اکثر آیت یا ایک دو احادیث پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور زبان عام فہم اور سادہ رکھی گئی ہے۔ بعض حضرات فتویٰ دیتے وقت دقیق عبارات اور مفتیانہ زبان استعمال کرتے ہیں جو اکثر قارئین کی سمجھ سے بالا ہوتی ہے۔ حالانکہ مقصود تو عوام الناس کو دین کی تفہیم کرانا ہے۔ اس لیے جتنی سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی جائے گی عوام الناس کو اتنا ہی زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ بہر کیف یہ کتاب ''تفہیم دین'' کے عنوان سے آپ کے ہاتھوں میں ہے اگر اس میں کوئی حسن اور خوبی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور انعام ہے اور اگر اس میں کوئی لغزش اور خطاء ہے تو وہ راقم کا قصور فہم ہے۔ جس پر متنبہ کرنے والے اہل علم کا مشکور ہوں گا۔

اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا میرے انتہائی عزیز اور قریبی آصف سعید جلالی حفظہ اللہ نے اٹھایا ہے اور کئی مہینوں کی مسلسل محنت سے ''غزوہ ٹائمز'' کے شماروں کو اکٹھا کر کے یہ معرکہ انہوں نے سر کیا ہے۔ اور کمپوزنگ کے فرائض بھی انہوں نے خود اور ان کے ہر دلعزیز ساتھی رشید سبحانی اور شہزاد سلیم نے مل کر سر انجام دیے اور اس

کتاب میں حسن وخوبی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کتاب کو اس کے مؤلف، کمپوزر، ناشر اور عوام الناس کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے۔

اور خصوصاً راقم کے دادا جان، والد محترم رحمہما اللہ کے لیے اخروی کامیابی کا زینہ بنائے کیونکہ میرے ان بزرگوں نے مجھے دینی تعلیم کے حصول کے لیے مواقع فراہم کیے اور گھر میں بھی دینی ماحول دیا۔ اور والد محترم رحمہ اللہ کی تو بہت بڑی خواہش تھی کہ میں دین کا علم سیکھ کر اس کی اشاعت کا کام کروں اور اسی غرض سے انہوں نے مجھے محترم المقام امیر جماعۃ الدعوۃ حافظ محمد سعید صاحب اور پروفیسر ظفر اقبال صاحب حفظہما اللہ کے حوالے کیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جماعۃ الدعوۃ کے قائدین میں اخلاص و استقامت عطا کیے رکھے اور ہمیں دن رات دین حنیف کے لیے مخلص ہو کر کام کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی عفا اللہ عنہ
۸/۸/۱۴۲۴ھ (۵/۱۰/۲۰۰۳ء)
خطیب وصدر مدرس: مرکز ام القریٰ اہل حدیث
اے/۲۶۶ جی بلاک سبزہ زار لاہور



كتاب العقائد
والتاريخ

عن العباس بن عبدالمطلب رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ((ذاق طعم الإيمان من رضى بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد رسولاً))

[صحيح مسلم كتاب الإيمان: ٥٦/٣٤۔ مشكوة: ٩]

''عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔''

تعظیماً کھڑے ہونا

س کیا کسی آدمی کے لئے تعظیماً کھڑا ہونا ٹھیک ہے کھڑا نہ ہونے پر قرآن و حدیث کا کیا حکم ہے۔ (عارف شہزاد۔ گجرات)

ج کسی بھی شخص کے لئے اپنی جگہ پر تعظیماً کھڑا ہونا درست نہیں ہے۔ ہاں آگے بڑھ کر اگر استقبال کریں تو اس کی اجازت ہے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (ابوداؤد ۵۲۲۹' ترمذی ۲۷۶۴)

ابومجلز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک گھر میں داخل ہوئے اس گھر میں ابن عامر اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے تو ابن عامر کھڑے ہو گئے اور ابن الزبیر بیٹھے رہے۔ ابن عامر کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ بندے اس کے لئے فرماں بردار ہو کر کھڑے ہو جائیں تو وہ اپنا گھر آگ میں بنا لے۔

(شرح السنۃ ۱۲/ ۲۹۵ مشکل الآثار ۲/ ۳۸' ۳۹)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب و پیارا نہ تھا اور جب صحابہ آپ کو دیکھ لیتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قیام کو برا سمجھتے ہیں۔

(ترمذی ۲۷۶۳' شرح السنۃ ۱۲/ ۲۹۴)

ان صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کے لئے قیام کرنا درست نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساری کائنات سے زیادہ محبوب تھے ان کے لئے بھی قیام نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے اور آپ نے اس کے لئے وعید بھی بیان کی ہے تو پھر کوئی ٹیچر' پروفیسر' وکیل' جج یا وزیر و بریگیڈیئر اور جرنیل کس طرح اس قیام کے مستحق ہو سکتے ہیں جو لوگ کسی کے لئے قیام

نہ کرنے والے کو برا کہتے ہیں انہیں رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات پر غور و خوض کرنا چاہئے اور شرع کی مخالفت سے باز رہنا چاہئے۔

زمانے کو ''برا'' کہنا

س: کیا زمانے کے بارے میں ''گیا گزرا'' یا ''برا بھلا'' کہنا چاہیے جیسا کہ کئی لوگ کہہ دیتے ہیں بہت برا وقت آ چکا ہے۔ ایسا کہنا جائز ہے؟

(عبدالوکیل کٹوی' تاندلیانوالہ)

ج: زمانہ جاہلیت میں جب مشرکین عرب کو کوئی دکھ یا غم پہنچتا تو وہ کہتے "یاخیبة الدھر" ہائے زمانے کی بربادی' امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ جاثیہ کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جاہلیت کہتے کہ ہمیں رات اور دن نے ہلاک کر دیا وہی ہمیں مارتا اور زندہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ''انہوں نے کہا کہ ہماری زندگی صرف اور صرف دنیاوی زندگی ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے دراصل انہیں اس کی خبر نہیں یہ محض اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں'' اس آیت کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ زمانے کو گالی دینا' برا کہنا مشرکین عرب اور دھریہ کا کام ہے صحیح البخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے زمانے کو گالیاں دے کر اور میں (صاحب زمانہ ہوں میرے ہاتھ میں امر ہے میں رات اور دن کو پلٹتا ہوں۔''

لہٰذا زمانے کو برا بھلا کہنا جیسا کہ عوام الناس میں رائج ہے کہ زمانہ برا آ گیا۔ گیا گزرا زمانہ' وقت کا ستیاناس وغیرہ' یہ دراصل اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے جس نے سارا نظام پیدا کیا ہے لہٰذا ایسے کلمات سے اجتناب کرنا چاہیے مزید تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' جلد دوم کی طرف مراجعت فرمائیں۔

نبی اکرم ﷺ کس مذہب پر تھے

س نبی کریم ﷺ دیوبندی، بریلوی، وہابی اور شیعہ میں سے کون سے مذہب پر تھے۔ (میاں عنایت محمد صوفی آباد شریف)

ج رسول اکرم ﷺ دین اسلام کی دعوت پیش کرنے والے سچے نبی و رسول تھے آپ ہر قسم کی فرقہ بندی سے منع کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں کئی ایک آیات اور رسول اکرم ﷺ کی کئی ایک احادیث صحیحہ فرقہ بندی کی ممانعت پر نص قطعی ہیں۔ اسلام اتحاد و اتفاق کی دعوت دیتا ہے۔ افتراق و تشتت سے منع کرتا ہے مذکورہ بالا تمام فرقے رسول اللہ ﷺ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ اللہ کے رسول کے بارے میں ایسا سوال کرنا نادانی و حماقت ہے۔ یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے جیسے یہود و نصاریٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دعویٰ کر دیا۔ یہود کہتے تھے ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا: اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل تو ان کے بعد میں نازل کی گئی ہے کیا تم سمجھتے نہیں۔ پھر آگے فرمایا:

''ابراہیم نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ مواحد مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔'' (آل عمران آیت نمبر ۶۵، ۶۷)

امام محمد بن اسحاق، امام ابن جریر اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نجران کے نصاریٰ اور علمائے یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس اکٹھے ہو گئے اور جھگڑنے لگے۔ علمائے یہود نے کہا کہ ابراہیم یہودی تھے اور نصاریٰ نے کہا وہ تو نصرانی تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کی تکذیب کی کہ تورات ابراہیم کے تقریباً ایک ہزار سال بعد نازل ہوئی اور انجیل تقریباً دو ہزار سال کے بعد تو ابراہیم یہودی یا نصرانی کیسے ہو گئے؟ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم خلیل اللہ کی طرف نسبت کے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے دین میں

ان کی اتباع کی محمد ﷺ اور ان کے مہاجرین و انصار صحابہ کرام اور دیگر مسلمان (تیسیر الرحمان لبیان القرآن ص ۱۸۵) اس توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی اور عیسائی تو ابراہیم علیہ السلام کے بعد وجود میں آئے تو ان کا یہ دعویٰ مردود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی تھے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ان کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس دارفانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ بالکل اسی طرح یہ بات بھی فضول اور باطل ہے کہ رسول اللہ ﷺ موجودہ فرقوں میں سے کسی ایک مذہب پر تھے کیونکہ یہ فرقے رسول اللہ ﷺ کے سینکڑوں سال بعد میں پیدا ہوئے۔ ان فرقوں میں سے اللہ کے رسول ﷺ کے زیادہ قریب وہ ہو گا جو اللہ کے نبی کے لائے ہوئے دین کی اتباع و اطاعت کرتا ہو گا۔ اللہ کے نبی نے اس دنیا سے جاتے ہوئے اپنی امت کے لئے کتاب و سنت دو چیزیں چھوڑی ہیں جس نے ان دونوں پر عمل کر لیا وہ راہ راست پر ہے اور حق پر قائم ہے جس نے قرآن و حدیث سے اعراض کر لیا۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی نہ کی وہ گمراہ ہے۔ صرط مستقیم سے ہٹا ہوا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ہر طرح کی فرقہ بندی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو جائیں اور گمراہی سے بچ جائیں۔ آمین۔

ابن حجر رحمہ اللہ اور امام زرقانی رحمہ اللہ کون ہیں

(س) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ یہ دونوں شخصیات کون ہیں میں نے سنا ہے کہ اہل حدیث علماء نے ان دونوں شخصیات پر کفر کا فتوی لگایا ہے کیا یہ بات درست ہے یا محض افتراء ہے اور جو شخص کسی پر جھوٹی تہمت لگائے اس کا انجام کیا ہو گا۔ (محمد اقبال حسن پورہ فیصل آباد)

(ج) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ محدث اور صحیح بخاری کے شارح ہیں اور علم حدیث میں انہوں نے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ حدیث کے اصول اور رجال پر ان کی لاجواب کتب آج اہل علم کی لائبریریوں کی زینت ہیں اور طلباء و

علماء ان کی کتب سے مستفید ہوتے ہیں اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ سیرت نگار اور شارح موطأ ہیں۔ اپنی جگہ پر ان کا مقام بھی ہے لیکن ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہماری نظر میں ان سے کہیں آگے ہیں اور اہل حدیث ان اکابر کا احترام کرتے ہیں۔ ان پر فتویٰ کفر کسی اہل حدیث عالم نے نہیں لگایا یہ محض افتراء ہے اور بہتان تراشی ہے جو کہ قرآن حکیم کی نظر میں بہت بڑا گناہ ہے لہٰذا ایسا پروپیگنڈہ کرنے والے حضرات کو باز آ جانا چاہیے۔ ائمہ دین' فقہاء محدثین' مفسرین و مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ادب واحترام ضروری ہے ان کی وجہ سے ہی ہمیں دین اسلام کی روشن شاہراہ نصیب ہوئی ہے جو شخص ائمہ دین کا ادب واحترام ملحوظ نہیں رکھتا وہ بڑا بدنصیب ہے اور اس کے اچھے انجام کی توقع نہیں ہے۔ اللہ ہمیں ائمہ دین کا ادب واحترام کرنا نصیب کرے۔ آمین

کیا شرعی احکام میں ترمیم کی ضرورت ہے

س ایسے شخص کا کیا حکم ہے جو کہتا ہے بعض شرعی احکام جدید تقاضوں کو پورا نہیں کرتے ان میں نظر ثانی اور ترمیم کی ضرورت ہے؟

ج وہ تمام احکامات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نازل فرمائے اور ان کی توضیح قرآن حکیم یا احادیث رسول میں کر دی گئی ہے۔ جیسے نماز' روزہ' حج زکوٰۃ' وراثت' ایلاء' طلاق' حدود وغیرھا' جن پر امت کا اجماع ہے ان پر کسی فرد کو اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ان میں ترمیم یا نظر ثانی کا مطالبہ کرنا حرام ہے یہ احکام محکم اور شرعی ہیں اور ہر دور میں اسی طرح ہی لاگو ہوں گے جیسے رسول اکرم ﷺ کے مبارک زمانے میں اور خلفائے راشدین کے دور میں جاری و ساری تھے جو شخص شرعی محکم احکامات میں ردوبدل اور ترمیم کرنا چاہتا ہے۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ایسے احکامات کی مخالفت کر کے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اعتراض کر رہا ہے جو کہ صریح کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی رو سے واجب القتل ہو جاتا

ہے۔آپ نے فرمایا:

((من بدل دینه فاقتلوه.)) (مسند احمد ٬بخاری وغیرہ)

''جو شخص اپنا دین تبدیل کر لے اس کو قتل کر دو۔''

لہٰذا تجدد پسند نیو جنریشن کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو اسلام کے دائرہ میں محدود رکھیں۔مغرب زدہ ہو کر اپنے آپ کو جہنم میں نہ جھونکیں۔مسلمان والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی تربیت اسلامی اصولوں پر کریں تاکہ وہ اسلام پر اعتراض کرنے والے نہ ہوں بلکہ اسلام پر عمل کرنے والے سچے مسلمان ہوں۔

حدیث کی وضاحت

س عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ والدین کی طرف نظر رحمت سے دیکھنے سے ثواب حج حاصل ہوتا ہے مشکوۃ ۴۹۴۴ کیا یہ حدیث اور اس میں ذکر کردہ فضیلت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔(محمد صدیق ایبٹ آباد)

ج عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نہیں ہے کوئی نیک اولاد جو اپنے والدین کی طرف نظر رحمت سے دیکھے مگر اللہ ہر نظر کے بدلے اس کے لئے ایک حج مبرور لکھ دیتا ہے صحابہ کرام نے کہا اگر ہر روز سو مرتبہ دیکھے'' آپ نے فرمایا ہاں اللہ اکبر واطیب'' اللہ سب سے بڑا اور سب سے پاکیزہ ہے۔یہ روایت موضوع و من گھڑت ہے اس کی سند میں نہشل بن سعید ہے۔

نہشل متروک ہے امام اسحاق بن راہویہ نے اسے کذاب قرار دیا ہے (تقریب مع تحریر ۴/ ۲۵۔علامہ البانی رحمۃ اللہ نے بھی اسے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ ۶۲۷۳) میں موضوع قرار دیا ہے جیسا کہ ہدایۃ الرواۃ کی تعلیق میں مذکور ہے لہٰذا یہ روایت جعلی اور بناوٹی ہے۔حدیث رسول نہیں ہے۔

کیا شرک معاف ہو سکتا ہے........؟

س کیا شرک نا قابل معافی جرم ہے یا قابل معافی ،اللہ تعالیٰ نے کفار کے جن کاموں کو شرک کہا ہے کیا وہ ہمارے لئے بھی شرک ہیں۔اگر وہ کام ہمارے لئے بھی شرک ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کفار کے کن کاموں کو شرک کہا ہے۔

(عباس علی،لاہور)

ج شرک سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔''بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔'' اور صحیح البخاری میں شرک کو اکبر الکبائر کہا گیا ہے یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک مقام پر فرمایا ہے:

''جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔'' (المائدہ ۵۲)

لہٰذا جو شخص توبہ کئے بغیر شرک پر مرگیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا۔ اس کے لئے بخشش ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اسے نصیب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

نبی اور ایمان والوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے بخشش کی دعا کریں اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اس کے بعد کہ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ جہنمی ہیں۔ (توبہ:۱۱۳)

"من بعد ماتبین لھم" کا مطلب امام ابن جریر طبری نے یہ بیان کیا ہے کہ "من بعد ما ماتوا علی شرکھم" (تفسیر طبری ۶-۴۸۵)

ان کے شرک پر مرجانے کے بعد یعنی جو شخص شرک پر مرجائے اس کے لئے بخشش کی دعا مانگنے کی بھی اجازت نہیں۔مذکورہ توضیح سے معلوم ہوا کہ شرک اکبر الکبائر ہے اور اس پر مرنے والے جہنمی ہیں ان کی بخشش نہیں ہوگی جنت ان پر حرام ہے۔

لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق دے دے اور موت سے پہلے وہ شرک چھوڑ کر توحید پر گامزن ہو جائے تو شرک کا گناہ معاف ہو جائے گا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ شرکیہ عقائد و اعمال سب کے لئے شرک ہوتے ہیں۔ کافروں کے لئے بھی اور مسلمانوں کے لئے بھی، مسلمان ہو کر بھی اگر شرکیہ عقائد و اعمال اختیار کر لے تو مشرک ہو جائے گا اور شرک یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ذات، صفات اور عبادت میں کسی بھی مخلوق کو حصہ دار بنا دے۔ جیسے اللہ کی صفت عالم الغیب والشہادۃ ہے یہ صفت اس کی مخلوق میں سے کسی میں تسلیم کر لے تو مشرک ہو جائے گا۔ اس بات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (کتاب التوحید، توحید خالص اور ہدایۃ المستفید وغیرھا)

رجب کے کونڈوں کی شرعی حیثیت

س کیا ماہ رجب کی ۲۲ تاریخ کو جو کونڈے امام جعفر صادق کے نام پر پکائے جاتے ہیں ان کی کوئی شرعی دلیل موجود ہے؟ (عبدالستار گوجر۔ مکہ کالونی لاہور)

ج رجب کے مہینے میں جو ۲۲ تاریخ کو کونڈے پکائے جاتے ہیں اس کا شرعی طور پر کوئی ثبوت نہیں یہ رسوم و بدعات کے قبیل سے ہے اور ان کی ایجاد لکھنو میں ہوئی ہے۔ محمد حسین نجفی شیعہ مجتہد صاحب اپنی کتاب "اصلاح الرسوم الظاھرۃ بکلام العترۃ الطاھرہ" کے ص ۲۸۳ پر آٹھویں باب میں (۲۲ رجب کے کونڈے) کے ضمن میں رقمطراز ہیں۔

"منجملہ ان غلط رسوم کے ایک ۲۲ رجب کے کونڈے بھی ہیں یہ رسم پہلے پہل ہندوستان سے نکلی اور پھر رفتہ رفتہ مختلف ممالک میں پھیل گئی اور روز بروز پھیل رہی ہے مرزا صاحب (شیعہ مجتہد) نے اپنے انٹرویو میں تسلیم کیا ہے کہ وہ اس ایجاد کے عینی گواہ ہیں کہ ان کے سامنے لکھنو میں ایجاد ہوئی ان کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔"

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ محدثین رحمہم اللہ اجمعین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا صحیح البخاری وغیرہ میں ارشاد ہے:

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی جو اس دین میں سے نہیں ہے وہ مردود ہے۔''

لہٰذا ایسی رسوم اور بدعات سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

رجب میں زکوٰۃ دینا اور روزے رکھنا

س کیا رجب کے مہینے میں بالخصوص روزے رکھنے کسی صحیح حدیث سے ثابت ہیں اسی طرح اس مہینے میں التزام کے ساتھ زکوٰۃ نکالنا صحیح ہے؟ کیونکہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ رجب کا مہینہ زکوٰۃ کا مہینہ ہے۔ (ابوعبداللہ' لاہور)

ج رجب ایک ایسا مہینہ ہے جسے عامۃ الناس نے عید و میلہ کا مہینہ سمجھ رکھا ہے خصوصاً ۲۷ رجب کی رات کو اور جتنا اس مہینہ کو لوگ بعض علاقوں میں صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ روزے رکھتے ہیں اور عمرے کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے شاید یہ اہتمام عام مہینوں میں نہیں کیا جاتا جبکہ اس ماہ کی خصوصیت کے ساتھ روزے رکھنے اور زکوٰۃ نکالنے کے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ سلف صالحین سے اس کی مخصوص فضیلت میں کوئی روایت ثابت نہیں۔ عام حالت میں جس طرح ہر ہفتہ میں سوموار' جمعرات کا روزہ رکھا جاتا ہے یا چاندی کی ۱۳' ۱۴' ۱۵ کے روزے یا ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزے رکھے جاتے ہیں وہ اس ماہ میں بھی اسی طرح رکھ سکتے ہیں لیکن اگر کوئی یہ سمجھے کہ رجب کے مہینے کے کوئی خاص روزے ہیں تو اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ اس ماہ کا خاص طور پر احترام زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے۔ جیسا کہ المصنف لابن ابی شیبہ ۱۰۲/۳ میں روایت ہے کہ اہل جاہلیت اس کی تعظیم کرتے تھے اور عاصم بن محمد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں اور ان کی رجب کے لیے تیار کردہ چیزوں کو دیکھتے تو ناپسند کرتے۔'' (ابن ابی شیبہ) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''تبیین العجب عما ورد فی فضل رجب'' ص ۲۱ پر رقمطراز ہیں'' ۔ ''ماہ رجب کی فضیلت' اس ماہ کے روزوں اور خصوصی

طور پر اس کی راتوں کے قیام کے بارے کوئی صحیح حدیث جو قابل حجت ہو مروی نہیں اور مجھ سے پہلے اس بات پر امام ابو اسماعیل المروزی الحافظ نے جزم کیا ہے۔ اور حافظ ابن رجب اس ماہ میں خصوصاً زکوٰۃ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اس شہر کے لوگوں نے رجب میں زکوٰۃ نکالنے کو عادت بنالیا ہے اس کی سنت میں کوئی اصل نہیں اور نہ ہی سلف میں سے کسی ایک سے یہ بات معروف ہے۔'' (لطائف المعارف ص ۱۲۵ بحوالہ السنن والمبتدعات لعبد عبد سلیم)

زکوٰۃ کے لئے قاعدہ شرعیہ یہ ہے کہ جس ماہ میں آدمی کے پاس اتنا مال آ جائے جس پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے تو وہاں سے حساب کر کے ایک سال گزرنے پر زکوٰۃ دی جائے تو سال کے بعد جو بھی مہینہ آئے اس میں زکوٰۃ دی جائے ہر شخص کے لیے رجب کے مہینہ کی زکوٰۃ کے لیے مختص نہ کیا جائے۔ بہرکیف رجب کے مہینہ میں مخصوص نماز، روزہ اور زکوٰۃ نکالنے کے متعلق کوئی صحیح بات موجود نہیں۔

روایت کی وضاحت

س میں نے ایک مسجد میں وضو کی دعا ''بسم اللہ والحمد للہ'' لکھی ہوئی دیکھی ہے اور اس پر مجمع الزوائد کا حوالہ تھا کیا یہ روایت صحیح ہے؟

(ایک سائل ۳۹۸ جہانزیب بلاک اقبال ٹاؤن لاہور)

ج مجمع الزوائد میں یہ روایت طبرانی کے حوالہ سے علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے درج کی ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ طبرانی ۱/۲۷ میں مروی اس روایت کی سند میں ابراہیم بن محمد البصری منکر الحدیث ہے دیکھیں میزان ۱/۵۶ المغنی فی الضعفاء ۱۶۱ دیوان الضعفاء ۲۴۷ للذہبی، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نتائج الافکار ۱/۲۲۷ میں اسے ضعیف قرار دیا ہے اور لسان المیزان ۱/۹۸ میں اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ اسی طرح علامہ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الموضوعات ص ۳۱ میں اس روایت کو منکر ہی قرار دیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیں

کتاب الموضوعات لابن الجوزی ۱۶۸۰ اور تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعه الموضوعه ۲/۳۴۰)

بعض ائمہ نے ابراہیم بن محمد کے استاد علی بن ثابت کو مجہول قرار دیا ہے۔ (نتائج الافکار اور ترتیب الموضوعات) لیکن اسے امام احمد نے ثقہ اور ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لا باس بہ قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۶/۱۷۷) لہٰذا اس کی سند میں اصل علت ابراہیم بن محمد البصری ہے جس کی یہ منکر روایت ہے۔

''یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا'' حدیث کی وضاحت

س کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ ''جو آدمی کسی یتیم کے سر پر اللہ کی رضا کے لیے ہاتھ رکھتا ہے اس کے ہاتھ کے نیچے جتنے بال آتے ہیں اللہ ہر بال کے بدلے ایک نیکی عطا کرتا ہے۔''

ج یتیم بچوں کے سر پر دست شفقت رکھنا اجر کا باعث ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی طرف شقاوت قلبی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا

''مسکین کو کھانا کھلا اور یتیم کے سر پر ہاتھ رکھ'' (مسند احمد بحوالہ فتح الباری ۱۱/۱۵۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے البتہ مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ یہ روایت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے احمد، طبرانی، حلیۃ الاولیاء اور شرح السنۃ میں موجود ہے لیکن اس کی سند میں علی بن یزید الھانی منکر الحدیث ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فتح الباری ۱۱/۱۵۱ میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عورتوں کا مساجد میں تبلیغی پروگرام منعقد کرنا

س کیا عورتیں مساجد میں دینی و تبلیغی اجتماعات منعقد کر کے ایک دوسرے کو وعظ و نصیحت کر سکتی ہیں، جس طرح مرد مساجد میں جلسے اور کانفرنسیں کرتے ہیں؟ کتاب و

سنت کی رو سے مسئلے کی صحیح نوعیت واضح کریں۔ (ایک سائلہ لاہور)

ج دعوت وتبلیغ ہر مسلمان کا حق ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت' اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جس طرح مردوں کا وظیفہ ذکر کیا ہے اسی طرح عورتوں کے بارے میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اچھی بات کا حکم کرتے ہیں اور بری بات سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا' بے شک اللہ تعالیٰ غلبے والا اور حکمت والا ہے۔'' (التوبہ:۹/۷۱)

اس آیت کریمہ میں یہ بات واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ مومن مرد اور مومنہ عورت کی صفات وخوبیوں سے ایک خوبی وصفت امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔ جس طرح مرد کو اچھی بات کہنے اور بری بات سے روکنے کا حکم ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق ہے کہ وہ اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کرے۔ یاد رہے صدر اول میں مردوں کے اجتماعات شکل وصورت کے اعتبار سے ہمارے آج کے جلسوں اور کانفرنسوں کی طرح منعقد نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کا جواز دعوت وتبلیغ کی عمومی آیات و احادیث سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح عورتوں کا معاملہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے لیے بھی دعوت وتبلیغ کا ہر وہ طریقہ درست ہوگا جس میں شرعی حدود کا خیال رکھتے ہوئے اپنے گھر سے نکلیں گی مثلاً عورت باپردہ ہو' مہکنے والی خوشبو لگا کر نہ نکلے' فیشن ایبل ہو کر نہ نکلے' مردوں سے اختلاط نہ ہو۔ اس طرح اجتماعات میں شریک نہ ہوں جیسے آج کل گلوکارائیں اور اداکارائیں فیشن ایبل ہو کر سٹیج پر نمودار ہوتی ہیں۔ یوں معلوم نہ ہو کہ وہ کسی فیشن شو یا حسن وآرائش کے مقابلہ کے لیے آئی ہیں بلکہ مکمل طور پر شرعی لباسوں میں ملبوس اور آرائش ونمائش سے مبرا ہو کر دعوت وتبلیغ کے اجتماعات میں آئیں اور اگر تبلیغی اجتماع گھر سے دور ہو تو ایسے سفر پر نکلنے کے لیے اپنے محرم کو ساتھ لے کر جائیں

محرم کے بغیر بالکل سفر نہ کریں۔ ان تمام شرعی حدود کو مدنظر رکھ کر عورتیں مساجد میں اپنا دعوتی وتبلیغی پروگرام منعقد کرسکتی ہیں۔ مساجد دین اسلام کا شعائر ہیں اور ان کا مقصد انہیں آباد کرنا ہے اور مساجد کی آبادی نماز' روزہ' تلاوت' ذکر واذکار' قرآن وسنت کی تعلیم وتبلیغ اور عبادات سے ہی ممکن ہے۔ جس طرح مسجد کو آباد کرنے کا مرد کو حق ہے' بالکل اسی طرح عورت کو بھی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب عورتیں تم سے اجازت طلب کریں تو ان کو مسجد کے حصہ سے منع نہ کرو۔'' (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد ۱۴۰،۴۴۲)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مساجد میں عورتوں کا بھی حصہ ہے اور اس عموم میں تبلیغی واصلاحی اور اسلامی اجتماعات بھی شامل ہیں۔ اسی طرح عورتوں کا مسجد میں اعتکاف بیٹھنا اور مردوں کے پیچھے آ کر نماز پڑھنا اور عیدگاہ جو مسجد کے حکم میں ہے وہاں پر عورتوں کو حاضر ہونے کی تاکید کرنا اور بعض بے سہارا خواتین کا مسجد نبوی میں قیام کرنا وغیرہ امور اس بات کے مؤید ہیں کہ عورت کو بھی مسجد میں قیام کی اجازت ہے اور مسجد میں قیام کا مقصد مسجد میں ذکر اللہ' عبادات اور وعظ ونصیحت ہے لہٰذا عورتیں شرعی حدود میں رہتے ہوئے مرد وزن کے اختلاط سے اجتناب کرتے ہوئے مسجد میں تبلیغی اجتماع' دعوتی واصلاحی پروگرام منعقد کرسکتی ہیں۔ اس میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں۔

وفات کے بعد میت کی طرف سے سود کے مال سے صدقہ کرنا

سوال اگر مسلمان والدین اپنی وراثت میں غفلت دنیا اور معاشرے کی مجبوری کی بنا پر اپنے بال بچوں کی دینی تربیت نہ کرسکیں گھر میں بے پردگی کا آزادانہ ماحول رکھا اور سود کو نفع سمجھتے ہوئے اس سے اولاد کے لیے جائیداد بھی چھوڑ گئے اور گھر کے آزادانہ ماحول میں ڈش' ویڈیو' کیبل بچوں کے شوق پورا کرنے کے لیے لگا گئے ہوں کیا اب ان کی وفات کے بعد ان کے ورثہ سے ان کے لیے صدقہ وخیرات کرسکتے ہیں۔

ج ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان الله طيب لا يقبل الا طيبا)). (صحیح مسلم ۱/۳۲۶)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول کرتا ہے۔

چونکہ متوفی کا مال سودی ہے اور سود نص قرآنی کے ساتھ حرام و ناپاک ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ ہے ایسے مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا اور کفارہ گناہ نہیں بن سکتا۔ ہاں پسماندگان کی دعاؤں سے میت کو فائدہ ہوسکتا ہے اگر اس کے پسماندگان اولاد وغیرہ ان غیر شرعی تکلفات و آلات وغیرہ کو ختم کر دیں اور توبہ و استغفار کی پابندی کر کے اپنی حالت شریعت کے مطابق بنالیں اور رزق حلال کھانے کی کوشش کریں تو پھر مخلصانہ دعائیں آپ کے والدین کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہیں کیونکہ جس جسم کو حرام سے غذا دی گئی ہو یا لباس حرام پہنایا گیا تو ایسے شخص کی دعا قبولیت کے شرف سے محروم رہتی ہے۔ اگر آپ کے والدین سود کو حلال سمجھتے ہوں اور کفر یا شرک کی حالت میں اس دار فانی سے رخصت ہوئے ہوں تو پھر آپ کے صدقات و خیرات اور مخلصانہ دعائیں بھی بے سود اور غیر مفید ہیں یہ بھی یاد رہے کہ معاشرے کی مجبوری کوئی شرعی مجبوری نہیں کیونکہ مسلمان معاشرے کا پابند نہیں ہوتا بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات اور اسلامی تعلیمات کا پابند ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اطيعوا الله واطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالكم ﴾

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال باطل نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صحیح عقیدہ، عمل صالح، رزق حلال، صدق مقال اور دین حنیف کی پابندی نصیب کرے۔ آمین۔

تقریبات میں طبلے بجانا اور ترانے پڑھنا

س تقریبات وغیرہ کے موقعوں پر ہم ترانوں کے ساتھ طبلے استعمال کرتے ہیں

اس میں کئی کئی راتیں صرف ہو جاتی ہیں، ایک دن کسی شخص نے ہمیں منع کیا' کیا ہمارا یہ عمل قابل انکار ہے' یعنی طبلے بجانا اور ترانے پڑھنا واضح رہے کہ ہم لوگ ترانے پڑھتے ہیں ان میں فحش گوئی نہیں ہوتی جواب سے نوازیئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

ج ہمیں کسی ایسی دلیل کی خبر نہیں جو طبلوں کے استعمال کو مباح کرتی ہو' اس کے برخلاف صحیح حدیثوں کے ظاہری مفہوم سے اس کی حرمت ثابت ہوتی ہے' بالکل ویسے ہی جیسے عام آلات طرب' بانسری و سارنگی وغیرہ حرام ہیں' اس قسم کی حدیثوں میں سے رسول اللہ کی یہ حدیث بھی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا' ریشم' شراب اور گانے بجانے کو حلال بنالیں گے۔'' (صحیح البخاری)

لفظ ''معازف'' ہر قسم کے گانوں اور تمام آلات طرب کو شامل ہے۔

خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں

س اگر کوئی اس طرح کے کام میں اپنی ماں کے حکم کی نافرمانی کرے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ جیسے کہ میری ماں مجھے زیب و زینت اختیار کرنے اور بے پردہ رہنے کو کہتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ ''حجاب'' بے ہودہ چیز ہے دین میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے وہ مجھ سے محفلوں میں جانے اور ایسے کپڑے پہننے کو کہتی ہیں جن سے ہر وہ عضو جھانکتا نظر آتا ہے جس کی نمائش کو اللہ تعالیٰ نے عورت کے لئے حرام قرار دیا ہے نیز جب وہ مجھے پردہ میں دیکھتی ہیں تو آپے سے باہر ہو جاتی ہیں؟

ج اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں' چاہے ماں ہو یا باپ یا کوئی اور ہو' نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''صرف معروف میں ہی اطاعت کی جائے گی۔'' (مشکوۃ)

دوسری جگہ فرمایا:

''خالق کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔''

اور وہ تمام کام جنہیں کرنے کی آپ کی ماں آپ کو دعوت دیتی ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والے ہیں۔ ان میں اپنی ماں کی اطاعت کرنا آپ کے لئے جائز نہیں ہے ہم اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت اور شیطان کی اطاعت سے محفوظ رکھنے کی دعا کرتے ہیں۔

ندائے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم والی روایت کیسی ہے؟

(س) ادب المفرد میں ایک روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو ایک آدمی نے انہیں کہا اس انسان کو یاد کیجئے جس کے ساتھ آپ کو سب سے زیادہ محبت ہے تو انہوں نے پکارا ''یا محمد'' تو ان کی تکلیف دور ہوگئی۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا مذکورہ روایت درست ہے؟

(ج) مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے درست نہیں ہے اس میں ابواسحاق مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن کے لفظ کے ساتھ روایت کرے تو اس کی روایت درست نہیں ہوتی۔ تاوقتیکہ وہ اپنے استاد سے وہ روایت سننے کی مکمل صراحت کردے۔

دوسری بات یہ بھی یاد رہے کہ اس روایت میں فوت شدگان کو مدد کے لئے پکارا نہیں گیا بلکہ جسمانی تکلیف کا ایک نفسیاتی علاج بتایا گیا ہے اس کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ محبوب کے ذکر سے انسان کے دل میں حرارت اور نشاط کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے منجمد خون رواں ہو کر رگوں میں دوڑنا شروع کر دیتا ہے اور یوں سن والی کیفیت ختم ہو جاتی ہے ملاحظہ ہو (الفتوحات الربانیہ ۴/ ۲۰۰ فضل اللہ الصمد ۲/ ۴۴۱) بحوالہ توحید اور شرک کی حقیقت از حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ۔

بہر کیف جو بھی ہو روایت کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔

قرآن پاک کے شہید اوراق کی تلفی

س: کچھ لوگ قرآن پاک کے شہید اوراق دفن کر دیتے ہیں یا کنویں' دریاؤں میں ڈال دیتے ہیں کیا یہ جائز ہے۔قرآن وحدیث کی رو سے تحریر کریں۔

(عبدالجبار' پونچھ شیر' ابوساریہ)

ج: قرآن حکیم کے شہید اوراق ہوں یا کسی اور دینی کتاب کے انہیں جس طرح بھی مناسب ہو محفوظ کر دینا چاہئے تاکہ ان کی توہین نہ ہو۔اسے دفن کر کے بھی محفوظ کیا جا سکتا ہے اس طرح جلا کر راکھ بھی بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ صحیح البخاری میں عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے۔الغرض ایسی ممکنہ صورت اختیار کی جائے جس سے ان اوراق کا تحفظ ہو جائے۔آج کل کئی لوگ دریاؤں میں ڈال دیتے ہیں اس میں کچھ قباحتیں بھی ہیں۔دریائے راوی میں گندے گٹروں کا پانی گرتا ہے اور اکثر یہ خشک رہتا ہے اب جس پانی میں پاخانے اور پیشاب والا پانی ملا ہو اس میں ان اوراق کو ڈالنے سے توہین ہے اس سے بچا جائے کئی علاقوں کو دریا سے نہریں نکال کر سیراب کیا جاتا ہے اور ایسے اوراق اس پانی میں بہہ کر کھیتوں میں چلے جاتے ہیں جہاں لوگوں کے پاؤں تلے روندے جانے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔اس لئے بہتر طریقہ یا تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گہرا گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا جائے۔یا جلا کر ان کی حیثیت ختم کی جائے۔

شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت

س: کیا شعبان کی ۱۵ ویں رات کے بارے کوئی صحیح روایت فضیلت میں موجود ہے جسے شب برات کا نام دیا جاتا ہے۔بعض لوگ سورۃ دخان کی ابتدائی آیات شب برات کے بارے میں بتاتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے۔(علی رضا خان لاہور)

ج: اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ دخان کے ابتداء میں جو فرمایا ہے''بے شک ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں نازل کیا کیونکہ ہم لوگوں کو ڈرانے والے ہیں

یہ وہ رات ہے جس میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔

اس آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے جس کی تفسیر خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کر دی ہے' ارشاد باری ہے:

''بلاشبہ ہم نے اس قرآن کو قدر والی رات میں نازل کیا''۔

سورۃ دخان میں جس رات کو مبارک قرار دیا ہے اسے ہی سورۃ القدر میں لیلۃ القدر فرمایا ہے۔ رمضان المبارک کے بارے میں ہے ارشاد باری ہے

''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا''

قرآنی آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کا نزول رمضان کے مہینہ میں ہوا اور اس ماہ مبارک کی بابرکت اور قدر والی رات میں جن لوگوں نے لیلۃ مبارکہ کو شعبان کی نصف رات قرار دیا ہے ان کی بات درست نہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ۱۴۵/۴ رہا اس رات کی تخصیص کے بارے میں روایات تو یاد رہے کہ اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔

امام عقیلی فرماتے ہیں: (الضعفاء ۲۹/۳) نصب شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ کے نزول کے بارے میں جتنی روایات مروی ہیں سب کمزور ہیں اور یہی بات حافظ ابوالخطاب ابن دحیہ نے کہی ہے ملاحظہ ہو: ''الباعث علی انکار البدع والحوادث ص ۵۲'' البتہ عمومی طور پر ہر رات آسمان دنیا پر نزول باری تعالیٰ کے متعلق صحیح احادیث موجود ہیں۔ شعبان کی تخصیص کے ساتھ نہیں۔ ''البدع والنہی عنہا'' میں لکھا ہے کہ میں نے مشائخ اور فقہاء میں سے کسی کو بھی نصف شعبان کی رات کی طرف التفات کرتے ہوئے نہیں پایا اور مکحول کی روایت ذکر کرتے ہوئے بھی کسی کو نہیں پایا اور دیگر راتوں کے علاوہ اس کی فضیلت کا بھی قائل کوئی نہیں اسی طرح (البدع والنہی ۱۱۳) میں صحیح سند کے ساتھ ابی ملیکہ النمیری سے نقل کرتے ہیں کہ انہیں کہا گیا قاضی زیاد النمیری کہتا ہے ''نصف شعبان کی رات کا اجر شب قدر کے اجر کی طرح ہے تو فرمانے لگے اگر یہ بات میں اس سے سن لیتا اور میرے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی تو اس سے اس کی

پٹائی کر دیتا' ابن رجب فرماتے ہیں ''اکثر علمائے حجاز نے اس کا انکار کیا ہے جن میں سے عطاء بن ابی رباح اور ابن ابی ملیکہ ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے فقہائے مدینہ سے یہ بات نقل کی ہے اور اصحاب مالک وغیرہ کا یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ "ذلك كله بدعة" یہ سارا عمل بدعت ہے۔''

مذکورہ توضیح سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین ائمہ حجاز کے ہاں شب برات کا کوئی تصور نہ تھا اصل میں قدر و برکت والی رات لیلۃ القدر ہے جس میں قرآن حکیم کا نزول ہوا اور شب قدر کو خود رسول اللہ ﷺ بیدار ہوتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کرتے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں موجود ہے شعبان کے مہینہ میں ۱۵ ویں رات کی خاص فضیلت کسی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہوئی اس کے متعلق جتنی روایات مروی ہیں بعض موضوع و من گھڑت قصے ہیں اور بعض ضعیف اور نا قابل احتجاج ہیں۔ ان روایات کی مفصل تحقیق راقم کے قلم سے مجلۃ الدعوۃ میں پہلے چھپ چکی ہے۔

شعبان کی نصف رات کے اعمال کی حیثیت

س شعبان کی نصف رات کو بعض لوگ صلاۃ البراۃ یا صلاۃ الالفیہ ادا کرتے ہیں بعض ۱۰۰۰ ارکعات نماز اور ہر رکعت میں ۱۰ بار قل ھو اللہ پڑھتے ہیں اس طرح ایک ہزار مرتبہ قل ھو اللہ پڑھی جاتی ہے کیا ایسا عمل کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

ج صلاۃ البراۃ یا صلاۃ الالفیہ بدعت ہے اس کا ثبوت کسی بھی صحیح روایت میں موجود نہیں علامہ طاہر پٹنی ہندی رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں کہ شعبان کی نصف رات کو جو نماز الفیہ ادا کی جاتی ہے یہ بدعات میں سے ہے جس میں سو رکعات میں سے ہر رکعت میں ۱۰ بار قل ھو اللہ پڑھی جاتی ہے اور لوگوں نے عیدوں سے زیادہ اس کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے متعلق اخبار و آثار ضعیف یا موضوع ہیں امام غزالی نے اور احیاء العلوم وغیرہ میں جو اس کا ذکر کیا ہے اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے اور نہ ہی تفسیر ثعلبی سے دھوکہ کھایا جائے کہ شب قدر لیلۃ القدر ہے۔ اس نماز کی وجہ سے عوام ایک عظیم

فتنے میں مبتلا ہوئی ہے۔حتیٰ کہ اس کے سبب وہ چراغاں کثرت سے کرتے ہیں اور اس پر فسق و فجور اور عفت و عصمت دری کا ترتب ہوتا ہے جس کا ذکر نا قابل بیان ہے۔ یہ نماز سب سے پہلے بیت المقدس میں ۴۴۸ ھ میں ایجاد کی گئی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الموضوعات ص ۴۵'۴۶ لہٰذا ایسی کوئی نماز شریعت سے ثابت نہیں جس میں ۱۰۰۰ بار سورۃ اخلاص تلاوت کی جائے اور اسے صلاۃ البرأۃ کا نام دیا جائے۔

پندرہ شعبان کا قیام اور روزہ

س: کیا شعبان کی پندرھویں رات کا قیام اور روزہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے؟

ج: اس سلسلہ میں علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے ''جب نصف شعبان کی رات ہو تو قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو'' یہ روایت موضوع ہے اس کی سند میں ابن ابی سبرۃ ہے جس کے بارے امام احمد بن حنبل اور امام یحیٰی بن معین نے کہا ہے کہ یہ روایات گھڑتا ہے۔

لہٰذا روایت موضوع ہے اس لئے شب براۃ کا قیام اور صبح روزہ رکھنا خاص اہتمام کے ساتھ یہ درست نہیں ہے۔ البتہ جن لوگوں کا معمول ہے کہ وہ سوموار' جمعرات یا چاند کی ۱۳' ۱۴ اور ۱۵ کا روزہ رکھتے ہیں جنہیں ایام بیض کہا جاتا ہے یا ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھتے ہیں ان کے معمول میں آ جائے تو کوئی حرج نہیں' لیکن خصوصاً اس رات کو جاگنا اور صبح روزے کا اہتمام کرنا یہ درست نہیں ہے۔

ضعیف روایات کی احکام شرعیہ میں حجت

س: کیا ضعیف روایات احکام شرعیہ میں حجت و دلیل ہیں۔ وضاحت فرمائیں۔
(یاسر کبیر گجرات)

ج: ضعیف روایات سے شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا اگرچہ بعض علماء ترغیب و ترہیب

اور فضائل اعمال میں ضعیف روایات ذکر کرتے ہیں لیکن کبار محدثین و اصولین رحمۃ اللہ علیہم ضعیف حدیث پر عمل کرنے کو نہ تو احکام میں جائز سمجھتے ہیں اور نہ ہی فضائل اعمال وغیرہ میں۔ ان محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے گروہ میں امام یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام مسلم، امام ابن حبان البستی، امام ابن حزم، امام ابن العربی المالکی، امام ابو شامہ المقدسی، امام ابن تیمیہ، امام شاطبی، امام خطیب بغدادی اور علامہ شوکانی جیسی عظیم الشان ہستیاں شامل ہیں۔ علامہ محمد جمال الدین القاسمی رقمطراز ہیں ضعیف روایت کے بارے میں تین مذاہب ہیں۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل مطلقاً جائز نہیں نہ احکام میں اور نہ فضائل میں۔ ابن سید الناس نے عیون الأثر میں امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اور علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں امام ابوبکر ابن العربی کی طرف یہ مذہب منسوب کیا ہے بظاہر امام بخاری اور امام مسلم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بخاری کا اپنی صحیح میں شرط اور امام مسلم کا ضعیف راویوں پر تشنیع کرنا اور صحیحین میں ان سے کسی روایت کی تخریج نہ کرنا بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے ہاں ضعیف روایت پر عمل مطلق طور پر جائز نہیں۔ یہی مذہب امام ابن حزم کا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب الملل والنحل میں فرمایا ہے کہ (پانچویں چیز وہ ہے کہ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ) وہ روایت جس کو اہل مشرق و مغرب نے یا گروہ نے گروہ سے یا ثقہ نے ثقہ سے نقل کیا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی لیکن اگر کسی طریق میں کوئی ایسا راوی ہے جو کذب یا غفلت یا مجہول الحال ہونے کے ساتھ مجروح ہے یہ بھی وہ بات ہے جس کو بعض مسلمانوں نے بیان کرنا جائز رکھا ہے لیکن ہمارے نزدیک، اس کا بیان کرنا اس کی تصدیق کرنا اور اس سے کچھ اخذ کرنا حلال نہیں ہے۔

(قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ص ۱۱۳)

دوسرا مذہب علامہ قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا نقل کیا ہے جن کے نزدیک ضعیف روایت پر عمل کرنا مطلقاً جائز ہے تیسرا مذہب فضائل اعمال میں ضعیف روایات کو چند شرطوں کے ساتھ قبول کیا گیا ہے لیکن ہمارے نزدیک

پہلا مذہب ہی راجح وقوی ہے کیونکہ کسی امر کا مستحب ہونا بھی ایک شرعی امر ہے اور شرعی امور کے لئے صحیح احادیث ہی درکار ہوتی ہیں۔ (قواعدالتحدیث من فنون مصطلح الحدیث ص۱۱۳) مشہور حنفی عالم محمد زاہد کوثری نے ضعیف روایت کو مطلق طور پر نہ لینے کے بارے میں اپنی کتاب (مقالات کوثری ص۴۵، ۴۶)

علامہ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ نے (الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث ص۸۶،۸۷)

علامہ شوکانی نے (الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص۲۸۳)

امام ابن تیمیہ نے (قاعدہ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ ص۱۱۲، ۱۱۳) میں

علامہ ناصر الدین البانی نے (صحیح الجامع الصغیر ص۵۱) میں رقم کیا ہے۔

اللہ کہاں ہے؟

س کیا اللہ ہر جگہ موجود ہے یا عرش پر؟ وضاحت فرمائیں۔

(اسد ندیم دولت نگر)

ج اللہ تعالیٰ کے بارے میں محدثین وسلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (رحمٰن عرش پر مستوی ہے) مستوی ہونے کا مفہوم بلند ہونا اور مرتفع ہونا ہے جیسا کہ بخاری شریف میں آیا ہے (بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھی جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے) متفق علیہ۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث سے اس مسئلہ کی وضاحت ہوتی ہے۔

معاویہ بن حکم روایت کرتے ہیں میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا پس میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ بے شک میری ایک لونڈی ہے جو میری بکریاں چراتی ہے۔ میں اس لونڈی کے پاس آیا اور تحقیق میں نے ایک بکری گم پائی پھر میں نے اس (لونڈی) سے اس بکری کے متعلق پوچھا اس نے کہہ دیا اس کو تو بھیڑیا کھا گیا۔ مجھ کو اس پر افسوس ہوا اور میں بنی آدم میں سے ہوں' سو میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا اور مجھ پر ایک گردن کا آزاد کرنا ہے کیا میں اس کو آزاد کر دوں؟ اللہ کے رسول ﷺ

نے اس لونڈی کو کہا این اللہ؟ اللہ کہاں ہے' اس نے کہا آسمانوں میں ہے اللہ کے رسول ﷺ نے کہا میں کون ہوں' اس عورت نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا اس کو آزاد کر دو۔ یہ ایمان والی ہے۔

(مالک فی الموطا (۲/۷۷۶'۷۷۷' مسلم فی الصحیح ۱/۳۸۱'۳۸۲)

ان نصوص سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے لیکن اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں جس طرح اللہ کی شان کے لائق ہے اس طرح وہ عرش پر مستوی ہے ہماری عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور اللہ کے بارے میں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ وہ ہر جگہ میں موجود ہے کیونکہ وہ مکان سے پاک اور مبرا ہے البتہ اس کا علم اور اس کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے اس کی معیت ہر چیز کو حاصل ہے جیسا کہ کتب عقائد میں وضاحت سے موجود ہے۔

قبروں پر اعمال پیش ہونا

س مسند ابوداؤد طیالسی مترجم ۱/۱۸۵ میں جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں اور قرابت داروں پر ان کی قبروں میں پیش کیے جاتے ہیں پس اگر نیکیاں ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر کچھ غیر صالح اعمال ہوں تو وہ کہتے ہیں اے اللہ اگر یہ تیری اطاعت کرتے تو بہتر ہوتا۔ کیا یہ روایت صحیح ہے اور ہمارے اعمال واقعتاً ہمارے رشتہ داروں پر ان کی قبروں میں پیش کیے جاتے ہیں؟

ج مذکورہ بالا روایت صحیح نہیں ہے انتہائی کمزور ہے اس کی سند میں صلت بن دینار راوی کو امام احمد' امام یحییٰ بن معین' امام عبدالرحمٰن بن مہدی' امام بخاری' امام جوز جانی' امام دارقطنی' امام نسائی وغیرہم نے ضعیف و متروک قرار دیا ہے کسی بھی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی۔ (میزان الاعتدال ۱/۳۱۸) اسی طرح اس کی سند میں حسن راوی کی تدلیس بھی ہے لہٰذا یہ روایت کسی طرح بھی درست نہیں۔ ہمارے تمام اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ تفصیل

کے لئے راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' جلد اول ملاحظہ ہو۔

تعویذ کے متعلق دین کا موقف

س تعویذ کے متعلق کیا شرعی حکم ہے۔ (محمد رفیع ناصر، منڈی بہاؤ الدین)

ج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''مَنْ عَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ''جس نے کوئی بھی چیز لٹکائی اسے اس کے سپرد کیا جائے گا۔ (ترمذی ۲۰۵۳ مسند احمد ۴/ ۳۱۱ حاکم ۴/ ۲۱۶) اس مفہوم کی اور بھی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری سے بچنے کے لیے کوئی چیز نہیں لٹکانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے شفاء کی درخواست کرتے رہنا چاہیے۔ شرکیہ دم اور تعویذات لٹکانے تمام شرک ہیں۔ فتح المجید شرح کتاب التوحید میں ہے کہ تمیمہ وہ منکے یا ہڈیاں ہیں جو نظر بد سے دور رکھنے کے لیے بچوں کے گلے میں لٹکائی جاتی ہے۔ بیماری سے بچاؤ کے لیے ڈالے جانے والے کڑے' دھاگے' چھلے' درختوں کے پتے وغیرہ سب ناجائز ہیں کیونکہ یہ اشیاء کسی کے نفع نقصان کی مالک نہیں۔ قرآن حکیم یا دیگر آیات کو لکھ کر گلے یا بازو وغیرہ پر باندھ لینا درست نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا کوئی صحیح ثبوت موجود نہیں لہٰذا ایسے امور سے کلی اجتناب کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اور دیگر مسلمان مریضوں کو شفائے کاملہ عاجلہ نصیب کرے۔ ذکر واذکار اور شرعی دم سے کام لیں۔ اللہ پر توکل کر کے یقین کے ساتھ اگر دعا مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ نے چاہا تو شفا نصیب ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ

س کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ تھا تفصیل سے دلائل بحوالہ تحریر کریں۔

(ابو مجاہد محمد شمعون ڈاکخانہ احمد آباد د یپالپور)

ج اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات کا سایہ پیدا کیا ہے جیسا کہ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۴۸ سے معلوم ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بہترین مخلوق میں سے ہیں لہٰذا

آپ کے سایہ میں کیا اشکال ہوسکتا ہے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہ نے آپ کا سایہ دیکھا جیسا کہ (مسند احمد ۶/۱۳۲۔ مجمع الزوائد ۴/۳۲۳ وغیرہ) میں موجود ہے اسی طرح آپ ﷺ نے خود اپنے سایہ کا ذکر کیا جیسا کہ مستدرک حاکم ۴/۴۰۶ میں حدیث ہے۔

لہٰذا آپ کے سائے کا انکار نہیں کیا جاسکتا احادیث صحیحہ اس پر دلالت کرتی ہیں بعض لوگ حکیم ترمذی کی نوادر الاصول سے یہ بات ذکر کرتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا تھا اور نہ چاندنی میں۔

تو گزارش یہ ہے کہ یہ کتاب غیر معتبر ہے اور بات بھی صحیح روایات کے خلاف ہے بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ سایہ اس لئے نہ تھا کہ کسی کا آپ کے سایہ پر پاؤں آجاتا تو آپ کی توہین ہوتی تھی یہ بات بھی انتہائی مضحکہ خیز ہے سایہ کبھی بھی پاؤں کے نیچے نہیں آتا جب کوئی پاؤں رکھے گا تو سایہ اوپر ہوگا نہ کہ نیچے ہوگا اگر اس میں توہین ہے تو پھر جس جگہ آپ کا پاؤں مبارک لگا اس جگہ قدم رکھنا بھی توہین ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' جلد اول دیکھیں۔

میرے لئے اللہ ہی کافی ہے!

س: آج کل مختلف جگہوں پر اسٹیکرز نظر آرہے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے لئے اللہ اور اس کا رسول ہی کافی ہے؟ وضاحت کریں کہ یہ کون سی روایت ہے اور اگر ہے تو کس موقع پر کہا گیا۔

(ڈاکٹر حق نواز قریشی راولپنڈی)

ج: قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات کئی جگہ سمجھائی کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا

﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴾ (سورۃ توبہ:۱۲۹)

''اگر یہ سب لوگ منہ موڑ جائیں تو آپ کہہ دیں مجھے اللہ کافی ہے جس کے

سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں نے اس پر توکل کیا اور وہ عرش عظیم کا رب ہے۔''

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ﴾

''جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اسے کافی ہو جاتا ہے۔''

ایک مقام پر فرمایا:

﴿ الیس اللہ بکاف عبدہ ﴾

''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔''

الغرض اللہ تعالیٰ پر ایمان' توکل' اسے اپنے تمام امور میں کافی سمجھنا اسلامی عقیدہ ہے بعض لوگ اس سے منحرف ہو جاتے ہیں اور قرآن وسنت کے دلائل میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں جس کی ایک مثال یہ ہے جس کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے اصل روایت یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا اس دوران میرے پاس کچھ مال آ گیا۔ میں نے سوچا کہ آج کے دن میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اگر سبقت لے لی تو سبقت لے سکتا ہوں' کہتے ہیں میں اپنا آدھا مال لے کر آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے کہا تو نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا' میں نے کہا اسی کی مثل اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ تھا لے آئے آپ ﷺ نے کہا اے ابوبکر تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا تو انہوں نے کہا: "أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ" میں نے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول (کی رضا مندی) کو باقی رکھا میں نے سوچا میں کسی چیز میں بھی ان سے آگے کبھی نہیں نکل سکتا (ترمذی ۳۶۷۵' ابوداؤد ۱۶۷۸ حاکم ۱/۴۱۴) شارحین حدیث نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جملے "أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ" کی شرح "رضاھما" سے کی ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی رضا مندی جیسا کہ ملا علی قاری حنفی نے مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ ۱۰/۳۷۹ اور علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ۱۰/۱۵۴

میں ذکر کیا ہے لہٰذا اسے غلط رنگ دے کر بیان کرنا درست نہیں ہے ہر مسلمان اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور وہی کام کرنا پسند کرتا ہے جسے اللہ نے پسند کیا یا اس کے رسول اللہ ﷺ نے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو مقام صدیقیت پر فائز تھے انہوں نے بھی صدقہ کرتے وقت جب سب کچھ دے دیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں ہی دیا اسی طرح کہا کہ گھر میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہی چھوڑی ہے واللہ اعلم۔

گھر سے نکلنے کی دعاء کی وضاحت

س آپ کے مرکز کی ڈائری میں گھر سے نکلنے کی اور داخل ہونے کی دو دعائیں لکھی ہیں۔

(۱) بسم الله توکلت على الله لا حول ولا قوة الا بالله.

(۲) اللهم انی اسئلك خير المولج وخير المخرج بسم الله ولجنا وعلى الله ربنا توكلنا.

جبکہ صلوۃ الرسول کی تخریج تسہیل الوصول صفحہ ۴۹۵، ۴۹۴ میں لکھا ہے کہ یہ دونوں روایات ضعیف ہیں برائے مہربانی اس کے بارے میں رہنمائی فرمائیں۔

(محمد طاہر ڈوگر سینٹر ۱۵۳ شاہ جمال کالونی لاہور)

ج گھر سے نکلنے کی یہ دعا ابوداؤد، ترمذی، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، التوکل لابن ابی الدنیا، کتاب الدعاء للطبرانی اور ابن حبان وغیرہا میں مروی ہے اس کے متعلق میری تحقیق یہی ہے کہ یہ روایت درست نہیں اس کی سند میں اسحاق بن عبداللہ ابی طلحہ سے بیان کرنے والے راوی ابن جریج ہیں اور یہ مدلس ہیں اور اپنی روایت میں انہوں نے اپنے استاد اسحاق سے حدیث سننے کی وضاحت نہیں کی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ابن جریج کی اسحاق سے مجھے ملاقات معلوم نہیں۔

(الفتوحات الربانیۃ ۱/۳۳۵)

لہٰذا یہ روایت اس علت کی وجہ سے درست نہیں اور گھر میں داخل ہونے والی یہ روایت بھی درست نہیں اس لئے کہ اس کی سند میں شریح بن عبید حضرمی ہیں جن کی ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے۔ جیسا کہ امام ابو حاتم رازی نے اپنی کتاب مراسیلؒ میں صفحہ ۹۰ پر ذکر کیا ہے اور مرسل محدثین کے ہاں ضعیف کی اقسام میں سے ہے لہٰذا یہ دونوں روایتیں ہمارے نزدیک اسنادی اعتبار سے صحیح نہیں، ڈائری مرتب کرنے والے بھائی کو ان شاء اللہ متنبہ کر دیں گے۔

مسلمانوں کی میلوں ٹھیلوں میں شرکت

س میلوں ٹھیلوں کی زینت بننا اسلام میں کیسا ہے؟ اور ایسے مقامات پر چلتے چلتے تقسیم ہونے والی کوئی چیز کھالے تو کیسا ہے؟ (کارکنان لشکر طیبہ ضلع قصور)

ج اسلام میں میلوں ٹھیلوں کا کوئی تصور نہیں ہے موجودہ دور میں جو عرس میلے قائم کئے جاتے ہیں ان کی قباحتیں کسی بھی ذی شعور پر مخفی نہیں، ڈھول، باجے، سرنگیاں، بھنگڑے، جوئے، شراب وافیون وغیرہ جیسی حرام چیزوں کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے ایسی محفلوں میں شرکت کرنا گناہ ہے زمانہ جاہلیت میں لوگ میلوں کا بندوبست کیا کرتے تھے جسے آج کے مسلمان کہلانے والے افراد نے کثرت سے اپنا لیا ہے اور میلوں میں اللہ کے علاوہ صاحب قبر کو سجدہ کرنے والے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کہ صریح شرک ہے سجدہ صرف اللہ کی ذات کے لئے ہے، ایسے مقامات پر اللہ کے نام پر بھی کوئی چیز نہیں دینی چاہیے۔ ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے بوانہ جگہ پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا وہاں ان کے میلوں میں سے کوئی میلہ تو نہیں، صحابہ کرام نے کہا نہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی نذر پوری کر لے اس لئے کہ اللہ کی نافرمانی میں نذر نہیں ہے اور نہ ہی اس چیز میں نذر ہے جس کا ابن آدم مالک نہیں۔ (سنن ابوداؤد کتاب الأیمان والنذور ۳۳۱۳، بیہقی ۱۰/۸۳) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ میلوں کا اسلام میں کوئی

تصور نہیں اور جہاں پر اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت ہو وہاں اللہ کے نام پر نذر چڑھانا جائز نہیں' جب نذر چڑھانا جائز نہیں تو اس کا کھانا کیسے درست ہوسکتا ہے نبی کریم ﷺ نے بھی اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ میری قبر کو وثن (بت) نہ بنانا' اللہ کی لعنت ہو ایسی قوم پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (مسند حمیدی ۲/ ۴۴۵' مسند احمد ۲/ ۲۴۶) اسی طرح آپ نے فرمایا میری قبر کو عید میلہ نہ بنانا (ابوداؤد ۲۰۴۲) وغیرہ لہٰذا ایسے میلوں میں شرکت نہ کریں اور نہ ہی وہاں سے کوئی نذر وغیرہ استعمال کریں۔

غزوۃ فی البحر کی روایت کی تحقیق

س غزوۃ فی البحر خیر من عشر غزوات فی البر (یعنی سمندر میں ایک غزوہ لڑنا خشکی میں دس غزوات سے بہتر ہے) کیسی روایت ہے۔ (کارکنان لشکر طیبہ)

ج یہ روایت درست نہیں اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم' معاویہ بن یحییٰ وغیرہما کمزور راوی ہیں تفصیل کے لئے دیکھیں سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۱۲۳۰' للشیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ۔

نوٹ ☆ جہاد ٹائمز جلد دوم شمارنمبر ۲۲ میں ایک روایت کا انتساب غلطی سے صحیح البخاری کی کتاب الجمعہ کی طرف ہوا جس پر محترم المقام حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ نے توجہ دلائی اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے' جبکہ صحیح یہ ہے کہ صحیح البخاری ۱۱۶۶ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو یا نکل چکا ہو تو دو رکعتیں پڑھے۔ البتہ جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں یوں ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہوں تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ۱۸۳۱)

تقریب البغیۃ ۱۹۳۴ اور دار قطنی ۱۵۹۵ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ والے دن آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ ہلکی رکعتیں پڑھے پھر بیٹھے اسی مفہوم کی روایت کتاب المعجم لابن الاعرابی ۲۰۰ میں بھی موجود ہے۔ واللہ اعلم

لفظ عشق کا استعمال

س میرا سوال یہ ہے کہ عشق کا لفظ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں قرآن و حدیث سے واضح کریں اور ساتھ ہی عشق لفظ کی لفظی تشریح مستند کتب سے درج کریں۔ (محمد شاہ رخ، میانوالی)

ج قرآن حکیم اور حدیث رسول میں اللہ کے لئے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے جو لفظ کثرت سے آیا ہے وہ محبت ہے جیسے اللہ کا ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا (یاد رکھے) عنقریب اللہ ایسی قوم لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

''اے معاذ یقیناً میں تیرے ساتھ محبت کرتا ہوں''۔ تو معاذ رضی اللہ عنہ رسول ﷺ سے کہنے لگے ''اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں بھی آپ کے ساتھ محبت کرتا ہوں''۔ (مسند احمد ۵/۲۴۰، ۲۴۴ رقم ۲۲۱۱۹، ابوداؤد ۱۵۲۲، صحیح ابن خزیمہ ۷۵۱، صحیح ابن حبان ۲۰۲۰)

قرآن حکیم میں محبت کے الفاظ والی کئی ایک آیات ہیں اور اسی طرح احادیث صحیحہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کے لئے محبت کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا ہمیں اللہ اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے لئے یہ لفظ استعمال کرنا چاہئے اور یہ بھی یاد رہے کہ قرآن حکیم اور رسول اللہ ﷺ کی کسی بھی صحیح حدیث میں عشق کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ البتہ ایک مصنوع، بناوٹی اور جعلی روایت میں لفظ عشق استعمال ہوا ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر کے یوں بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے عشق کیا اور چھپایا اور پاکباز رہا اور مر گیا وہ شہید ہے۔''

یہ روایت تاریخ بغداد ۵/۱۶۶، ۲۶۲، ۶/۵۰، ۵۱، ۱۱/۲۹۸، ۱۳/۱۸۴ تاریخ دمشق، العلل المتناہیہ وغیرھا کتب میں وارد ہوئی ہے۔

علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ میں اسے موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے۔ (رقم ۴۰۹) معلوم ہوتا ہے کہ جہاد سے باغی اور کسی عشق کے مریض نے یہ روایت بنائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے میدان کارزار میں قتل ہونے والوں کے علاوہ، جل کر، غرق ہو کر، پیٹ کے مرض سے، ذات الجنب والے اور ایسی عورت کو شہید قرار دیا ہے جو نفاس میں بچے کی ولادت پر فوت ہو جائے۔

قتیل عشق کو کہیں بھی شہید قرار نہیں دیا۔ کسی قتیل لیلیٰ کی یہ کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زاد المعاد ۳/۳۰۶، ۳۰۷ میں اس پر بڑی نفیس بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس موضوع روایت سے دھوکا مت کھائیں یہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت نہیں ہے اور اس کا آپ کے کلام میں سے ہونا جائز نہیں اس لئے کہ اللہ کے ہاں شہادت ایک بلند درجہ ہے جو صدیقیت کے رتبہ کے ساتھ ملایا گیا ہے اس کے لئے اعمال اور احوال ہیں جو اس کے حصول کی شروط ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک عام اور دوسری خاص اور خاص تو شہادت فی سبیل اللہ ہے اور عام شہادتیں پانچ ہیں جو صحیح حدیث میں بیان ہوئی ہیں اور عشق ان میں سے ایک بھی نہیں ہے اور عشق ان میں سے کیسے ہو سکتا ہے یہ تو محبت میں اللہ کے ساتھ شرک ہے یہ دل اور روح پر کنٹرول کرتا ہے اور غیر کے لئے محبت پیدا کرتا ہے اس کے ذریعے شہادت کیسے پائی جا سکتی ہے۔ یہ محال ہے، عشق کا فساد ہر فساد سے بڑھ کر ہے بلکہ یہ روح کی خمر (شراب) ہے جو اس کو مست کر دیتی ہے اور اللہ کے ذکر اور اس کی محبت اور اس کی مناجات سے لذت اور انس حاصل کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے اور دل کی عبودیت کو غیر اللہ کے لئے واجب کر دیتی ہے۔ عاشق کا دل معشوق کی عبادت کرتا ہے۔ بتاؤ جو کسی دوسرے آدمی کی عورت کے ساتھ عشق کرتا ہے یا امرد لڑکوں اور زانیہ و بدکار عورت سے عشق کرتا ہے وہ اس عشق کی وجہ سے شہادت کا درجہ پالے گا۔ یہ تو صریح

رسول اللہ ﷺ کے دین کے خلاف ہے اور پھر عشق تو ان بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے جن کے لئے اللہ نے شرعی اور قدرتی علاج مقرر کیا ہے جبکہ جو شہادت حدیث میں بیان کی گئی ہے اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ الغرض لفظ عشق قرآن و حدیث میں کہیں وارد نہیں ہوا اور عشق ایک بیماری ہے جس کا علاج کیا جانا چاہئے اور پھر یہ ہمارے عرف میں اچھے اور برے دونوں معنوں میں مستعمل ہے اس لئے ایسے لفظ کا استعمال اللہ اور اس کے رسول کے لئے نہیں کرنا چاہئے کوئی شخص بھی یہ لفظ اپنی ماں، بہن اور بیٹی کے لئے استعمال کرنا پسند نہیں تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے کیسے پسند کر لیتا ہے۔ عشق کے معنی کے لئے مجلّہ الدعوۃ کے دعوت و اصلاح والے کالم میں تفصیل طبع ہو چکی ہے۔

کلمہ طیبہ

س: کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کسی ایک حدیث سے ثابت ہے یا نہیں اگر نہیں تو پھر ہم تک یہ کیسے پہنچا؟ نیز کسی غیر مسلم آدمی کو مسلمان ہونے کے لئے انہیں الفاظ میں توحید و رسالت کا اقرار کرنا ہوگا یا اس کے لئے کوئی اور الفاظ بھی قرآن و سنت میں موجود ہیں۔ (الطاف حسین، دیپالپور)

ج: اسلام میں داخل ہونے کے لئے جو کلمات پڑھائے جاتے ہیں وہ دو شہادتوں کا اقرار ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی اور یہ بات کتب احادیث سے ثابت ہے۔ صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار باب اسلام ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ میں ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ مفصل مذکور ہے۔ انہوں نے بیت اللہ میں جا کر بلند آواز سے کہا

((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ)) (الحدیث)

کہ میں تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت و گواہی دیتا ہوں۔

(ملاحظہ ہو۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان الایمان والاسلام والاحسان)

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ حدیث کتب احادیث میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ)). (الحدیث)

''مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیں''۔ (متفق علیہ)

اسی طرح ملاحظہ ہو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے وفد عبدالقیس والی حدیث جس میں آپ نے ایمان باللہ وحدہ کے بارے فرمایا:

((شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه)).

(مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان الفصل الاول)

کتب احادیث کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے سب سے پہلے دو باتوں کی گواہی دینی ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید' اور محمد ﷺ کی رسالت اور عرف عام میں اسے کلمہ طیبہ سے تعبیر کیا گیا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں اسلام قبول کرتے وقت لوگ انہیں دو باتوں کی گواہی دیتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اور قرآن حکیم میں بھی اپنے اپنے مقام پر لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کا ذکر موجود ہے اور اس بات پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔

لا الہ الا اللہ کی فضیلت

﴿س﴾ سنا ہے کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے گی کیا یہ بات صحیح ہے؟ (الطاف حسن' دیپالپور)

﴿ج﴾ لا الہ الا اللہ کی اس تعداد کے متعلق تو کسی صحیح حدیث کے بارے مجھے علم نہیں البتہ صحیح احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ جس شخص نے صدق دل سے لا الہ الا اللہ کہا

اور اس پر اس کی موت آ گئی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جو آدمی اس کو دل کی سچائی کے ساتھ کہتا ہے پھر اس پر اس کی موت آ جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ حرام کر دی ہے اور وہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' ہے۔

(صحیح ابن حبان' مسند احمد ۲۳/۱ مستدرک حاکم ۷۶/۱)

لہٰذا لا الہ الا اللہ کو جاننا چاہئے اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر ایمان رکھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی چاہئے کہ اسی پر ہماری موت آ جائے۔ آمین اور اس کلمے کو احادیث میں افضل الذکر قرار دیا گیا ہے لہٰذا اس کا ذکر بھی کرتے رہیں البتہ ذکر کے مصنوعی اور نو ایجاد طریقوں سے اجتناب کریں۔

بچوں کے پاس چھری یا لوہے کی چیز کا رکھنا

س بعض لوگ اپنے بچوں کو جنوں وغیرہ سے بچانے کے لیے ان کے پاس چھری یا لوہے کی کوئی چیز رکھ دیتے ہیں کیا ایسا کرنا درست ہے؟

ج یہ عمل درست نہیں اور شرعی طور پر اس کی کوئی صحیح بنیاد موجود نہیں' شرعی طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو شیطان کے شر سے بچانے کے لیے دم کیا جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو دم کیا کرتے تھے' صحیح البخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دم کے لیے یہ کلمات کہتے ''أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَةٍ'' میں ہر شیطان' ہر زہریلے کیڑے اور ہر نظر بد سے اللہ کے تمام کلمات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں۔ یا بچوں کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔ بچوں کے پاس چھری' چاقو یا لوہا وغیرہ کی کوئی چیز اس اعتقاد سے رکھنا کہ یہ انہیں شیطانی چالوں سے محفوظ رکھے گی تو یہ ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

دم کر کے پانی پر پھونک مارنا

س دم کر کے پانی پر پھونک مارنا کیسا ہے؟

ج پینے والی اشیاء میں پھونک مارنا منع ہے۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پینے والی چیز میں پھونک مارنے سے منع کیا' ایک آدمی نے کہا اگر برتن میں تنکا دیکھوں تو؟ آپ نے فرمایا اس کو بہا دے (الحدیث ترمذی مع تحفة الاحوذی كتاب الاشربة باب ما جاء في كراهية النفخ فی الشراب ١٨٨٧ موطا مالك مسند احمد ٢٦/٣)

معلوم ہوا کہ پینے والے پانی وغیرہ میں پھونک مارنا منع ہے۔

تاج کمپنی کی کتاب اعمال قرآنی

س تاج کمپنی کی مطبوعہ کتاب ''اعمال قرآنی'' میں لکھا ہے کہ فلاں فلاں آیات کو اس طرح دم کر کے کھایا پیا جائے تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ سورۃ نور کی آیت نمبر ۳۹'۴۰ کے بارے لکھا ہے کہ ''ان آیات کو لونگ کے چالیس دانوں پر دم کر کے کھایا جائے ہر رات کو ایک دانہ' تو اولاد ہو جائے گی۔ کیا یہ درست ہے۔''

(تنویر احمد' حویلیاں)

ج قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث میں ایسی بات مروی نہیں ہے کہ قرآن کی یہ آیات لونگ کے چالیس دانوں پر دم کر کے کھائیں تو اولاد ہو گی یہ صاحب کتاب کی اپنی ایجاد ہو گی یا کسی اور بزرگ کا قول البتہ قرآنی آیات پڑھ کر دم کیا جا سکتا ہے اسی طرح مسنون اور صحیح اذکار سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ مختلف مصیبتوں اور پریشانیوں سے بچنے کے اذکار و وظائف کے بارے راقم کی کتاب ''پریشانیوں سے نجات'' ملاحظہ کرلیں جس میں صرف صحیح احادیث اور آیات قرآنیہ درج کی گئی ہیں۔

حدیث کی وضاحت

س: کیا ترمذی میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے خطبہ دیا اور کہا "مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَعْصِهِمَافَقَدْ غَوٰی" جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بِئْسَ الْخَطِیْبُ أَنْتَ قُلْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلِهٖ" تو کتنا برا خطیب ہے کہہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ نیز اس ممانعت کی وجہ کیا ہے۔ (ایک سائل، ضلع گجرات)

ج: یہ حدیث (صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفی الصلاة والخطبه ٨٥٠۔ نسائی کتاب النکاح باب ما یکره من الخطبه ٣٢٥٩۔ ابوداؤد کتاب الصلاة باب الرجل یخطب علی قوس ١٠٩٩۔ کتاب الادب ٤٩٨١۔ مسند احمد ٢٥١/٤، ٣٥٩۔ بیهقی ٨٦/١، ٢١٢/٣۔ مستدرك حاکم ٢٨٩/١ وغیرها) میں مطول ومختصر مروی ہے۔ ترمذی شریف میں مجھے یہ روایت نہیں ملی اس روایت میں جو "من یعصهما فقد غوی" جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا کے الفاظ پر آپ نے کہنے والے کو جو کہا تو برا خطیب ہے۔ اس کی شارحین حدیث کئی وجوہات بیان کرتے ہیں بعض نے کہا کہ اس لئے آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کر دیا۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں خطبہ سکھایا اس میں مذکور ہے کہ "مَنْ یُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِهِمَا فَإِنَّهٗ لَا یَضُرُّ إِلَّا نَفْسَهٗ۔" (ابوداؤد کتاب النکاح ٢١١٩)

اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے "من یعصهما فقد غوی" اس طرح قرآن حکیم میں بھی ہے کہ

﴿ان الله وملائکته یصلون علی النبی﴾

اس آیت میں یصلون کی ضمیر میں اللہ اور ملائکہ کو جمع کیا گیا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ منع اس لئے کیا گیا ہے کہ خطبوں کی شان یہ ہے کہ ان میں تفصیل اور وضاحت ہو اور اشارات و رموز سے اجتناب ہو اسی لئے صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بات کرتے تو اسے تین بار دہراتے تا کہ اسے سمجھا جا سکے۔ (شرح النووی ۱۳۹/۶ ط بیروت)

مزید تفصیل کے لئے حاشیہ سیوطی علی النسائی وغیرہ ملاحظہ کریں۔

خطیب کو چاہئے کہ وہ اشارات و رموز سے کام نہ لے سامعین کو کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ ایک ضمیر میں اللہ اور اس کے رسول کو جمع کرنے سے عامۃ الناس میں شبہ ہو سکتا ہے کہ کہیں اللہ کے ساتھ رسول بھی شریک ہیں۔ اس لئے بات کھول کر تفصیل سے عوام الناس کے سامنے بیان کر دینی چاہئے۔

تنزانیہ کے ''حافظ قرآن'' بچے شرف الدین کی اصل حقیقت

س تنزانیہ کے ایک بچے شرف الدین کے بارے میں آج کل اخبارات وغیرہ میں تشہیر کی جا رہی ہے کہ وہ پیدائشی طور پر حافظ قرآن ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

(کئی سائلین)

ج یہ بات بالکل درست نہیں غیر مسلم اقوام کا پروپیگنڈہ ہے اور یہ کسی سازش کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تقریر ہم نے سنی ہے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے عربی کے چند جملے' آیات اور کچھ دعائیں یاد کروائی گئی ہیں اور شیخ سدیس حفظہ اللہ امام کعبہ کی طرز پر تقریر اور دعا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی تقریر میں عربی عبارت کی بھی کئی ایک اغلاط موجود ہیں۔ یہود و نصاریٰ اہل اسلام کے لئے کوئی نہ کوئی شعبدہ اور شوشہ چھوڑے رہتے ہیں۔ بچے کی عمر چھ سات سال کے قریب معلوم ہوتی ہے اتنی عمر کے بچے آج بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جو عربی میں اچھی طرح تقریر کر سکتے ہیں۔ ہمارے الدعوۃ ماڈل سکولز کے کئی ایک بچے ایسے موجود ہیں جو عربی' انگلش' اردو میں

تقریر کرتے ہیں یہ کوئی معجزہ یا کرامت نہیں ہے۔ یہ بھی یادرہے کہ تاریخ اسلام میں چار پانچ سال کی عمر کے کئی ایک ایسے بچوں کا تذکرہ ملتا ہے جنہوں نے قرآن حکیم حفظ کیا ہوا تھا۔ اصول حدیث کی اہم ترین درسی کتاب مقدمہ ابن الصلاح کی چوبیسویں نوع میں موجود ہے کہ ابراہیم بن سعید الجوہری فرماتے ہیں میں نے چار سال کا ایک بچہ دیکھا جسے مامون کی طرف لایا گیا تھا وہ قرآن بھی پڑھتا تھا اور رائے اور نظر بھی رکھتا تھا مگر جب اسے بھوک لگتی تو رو پڑتا تھا۔

اسی طرح قاضی ابو محمد عبداللہ بن محمد الاصبہانی کہتے ہیں میں نے پانچ برس کی عمر میں قرآن یاد کیا ہوا تھا مجھے ابوبکر بن المقری کی طرف جب سماع کے لئے لایا گیا تھا تو اس وقت میں چار سال کا تھا بعض حاضرین مجلس نے کہا اس کی قرأت نہ سنو اس لئے کہ چھوٹا بچہ ہے مجھے ابن المقری نے کہا سورۃ کافرون پڑھو میں نے اسے پڑھا پھر انہوں نے کہا سورۃ تکویر پڑھو میں نے اسے بھی پڑھا۔ ابن المقری کے علاوہ کسی دوسرے نے کہا سورۃ المرسلات پڑھو میں نے وہ بھی پڑھی اور اس میں غلطی نہیں کی۔ اس پر ابن المقری نے کہا اس کی قراۃ کا سماع کرو ذمہ داری مجھ پر ہے۔

(مقدمہ ابن الصلاح معہ الشذا الفیاح ص ۱۸۲)

اس سے معلوم ہوا کہ چار پانچ برس کی عمر کا حافظ قرآن ہونا کوئی انوکھی بات نہیں البتہ جو لوگ پیدائشی طور پر حفظ کی بات کرتے ہیں اس کی کوئی مثال صحیح طور پر ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورۃ النحل پارہ نمبر ۱۴ آیت نمبر ۷۸ میں ارشاد فرمایا ہے:

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اس نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تا کہ تم شکر گزاری کرو۔“

لہٰذا کسی کا پیدائشی حافظ ہونا آج تک معلوم نہیں ہوا بعض لوگ شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں اس قسم کی باتیں کرتے ہیں لیکن ان کا کوئی صحیح ثبوت موجود نہیں۔

داڑھی رکھنا فرض ہے

س داڑھی رکھنا اسلام میں فرض ہے یا واجب' سنت ہے یا صرف ایک عبادت جو رکھ لی جائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی گناہ نہیں اور اگر داڑھی کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے تو وہ بھی لکھ دیں۔ لفظ فرض کے بارے میں وضاحت چاہیئے۔

(کامران اشرف' فورٹ عباس)

ج مسلمان مرد کے لئے داڑھی رکھنا ضروری و لازمی ہے جسے شرعی اصطلاح میں فرض و واجب کہتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے اسے فطرت میں سے قرار دیا ہے اور اس کے رکھنے کا حکم ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ مونچھیں کتروانا' داڑھی بڑھانا' مسواک کرنا اور ناک میں پانی ڈال کر اوپر کو کھینچنا' ناخن کٹوانا' انگلیوں کے جوڑ اچھی طرح دھونا بغل کے بال اکھیڑنا' زیر ناف بال صاف کرنا' پانی سے استنجا کرنا' راوی حدیث مصعب نے کہا میں دسویں چیز بھول گیا ہوں مگر یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کلی کرنا ہو (صحیح مسلم وغیرہ)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ۴۴۲۱)

ان ہر دو احادیث سے معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانا فطرت میں سے ہے اور اس کے بڑھانے کا رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اور اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حکم کا صیغہ کسی کام کو واجب و فرض کرنے کے لئے ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اسے وجوب کے حکم سے خارج کرتا ہو اور یہاں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جو اسے وجوب کے حکم سے نکالتا ہو لہٰذا داڑھی رکھنا فرض و واجب ہے۔ امام ابن کثیر نے اپنی تاریخ کی کتاب البدایہ والنہایہ میں اسی طرح تاریخ طبری اور المنتظم لابن الجوزی میں لکھا ہے کہ ایران کے دو باشندے جو داڑھی منڈے تھے جب رسول ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے چہرے دیکھ کر اپنا رخ انور پھیر لیا۔ پھر ان سے جب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ہمارے آقاؤں نے ہمیں داڑھی مونڈے کا حکم دیا ہے تو آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے ۔معلوم ہوا داڑھی بڑھانا اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ جمہور ائمہ محدثین کے ہاں فرض وواجب ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ۔ مسلم وغیرہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا تو فرمایا: اے لوگو! بے شک اللہ نے تمہارے اوپر حج فرض کیا ہے سو تم حج کرو۔ تب ایک آدمی نے پوچھا اے اللہ کے رسول کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس نے تین دفعہ یہ بات کہی پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا اور تمہیں اس کی استطاعت نہ ہوتی الحدیث اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض وواجب ایک ہی چیز ہیں اور اس کا ادا کرنا ضروری ولازمی ہوتا ہے فرض وواجب کی مزید بحث کے لئے دیکھیں مجلہ صوت الحق فروری ۱۹۹۹ء لہٰذا داڑھی رکھنا شرعی طور پر فرض وواجب ہے اس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔

سچی توبہ کی حیثیت

س اگر کوئی جوان لڑکا کسی جوان لڑکی کے بہکاوے میں آجائے اور وہ زنا کر بیٹھے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ کام اسلام میں جائز نہیں مگر پھر بھی شیطان کے بہکاوے میں آجائے اور غلطی کا احساس ہونے پر سچے دل سے توبہ کر لے اور آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کرے تو کیا اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔ (کامران اشرف' فورٹ عباس)

ج جب کوئی شخص شیطان کے بہکاوے میں آ کر کسی گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے پھر سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے' اے ایمان والو! اللہ کی طرف صاف دل سے توبہ کرلو۔'' (تحریم)

''ایک مقام پر فرمایا: اے ایمان والو! سب اللہ کے آگے توبہ کرلو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' (نور)

بخاری و مسلم میں سو بندوں کے قاتل کا قصہ ہے بالآخر جب اس قاتل نے سچے دل سے توبہ کا ارداہ کرلیا ایک عالم کے بتانے پر وہ ایک بستی کی طرف روانہ ہوا جہاں لوگ اللہ کی بندگی کرنے والے تھے اسے راستے میں موت آگئی پھر اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔

اسی طرح ایک عورت نے زنا کرلیا پھر نادم ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی حد لگانے کا مطالبہ کیا بالآخر اسے رجم کیا گیا پھر آپ نے اس کا جنازہ پڑھا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ اس زانیہ کا جنازہ پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ مدینے کے ستر بندوں پر تقسیم کی جائے تو سب کو کافی ہو جائے۔ (مسلم وغیرہ)

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

❶ خالص اور سچی توبہ وہ ہوتی ہے کہ جس میں گناہ کرنے والا گناہ سے باز آجائے۔

❷ گناہ پر نادم ہو۔

❸ پختہ عزم کرے کہ پھر وہ اس گناہ میں مبتلا نہ ہوگا۔

جیسا کہ ریاض الصالحین باب التوبہ میں مذکور ہے: لہٰذا جو شخص اپنے گناہ پر شرمندہ ہو کر اسے چھوڑ دیتا ہے اور آئندہ پختہ ارادہ کر لیتا ہے کہ وہ یہ گناہ نہیں کرے گا تو اللہ ایسے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے۔

لفظ سید کی توضیح

س سید کسے کہتے ہیں کیا سید کوئی ذات ہے؟ صحیح العقیدہ مومن موحد قرآن و سنت کا پابند بھی ہو سکتا ہے؟ کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کے نام کے

ساتھ سیدنا لکھا جاتا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ (ابو علی عسکری)

ج موجودہ دور میں لفظ سید ایک مخصوص ذات کے لئے لوگ استعمال کرتے ہیں حالانکہ سید کوئی ذات نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت کی رو سے شرافت و بزرگی اور سرداری کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے تمام کلمات استغفار پر ''اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی'' (الحدیث) کو فضیلت دیتے ہوئے اسے سید الاستغفار قرار دیا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الدعوات باب افضل الاستغفار ۶۳۰۲)

جمعۃ المبارک کے بارے میں آپ نے فرمایا:

((سَيِّدُ الْأَيَّامِ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خَلَقَ آدَمَ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا يَوْمُ الْجُمُعَةِ)).

(المستدرک ۱/ ۲۷۷، صحیح ابن خزیمہ ۳/ ۱۱۵)

تمام دنوں کا سردار جمعہ والا دن ہے اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اس دن ہی جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔

حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو آپ نے ''سید الشھداء'' فرمایا۔

(المستدرک ۲/ ۱۲۰، ۳/ ۱۹۵۔ فتح الباری ۷/ ۳۶۸۔ سلسلہ احادیث صحیحہ ۳۷۴)

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید کا لفظ سرداری، شرافت و بزرگی ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ صحیح البخاری وغیرہ میں ہے حسن رضی اللہ عنہ کے لئے آپ نے فرمایا: ''اِنَّ ابْنِی هٰذَا سَیِّدٌ'' میرا یہ بیٹا سردار ہے اور صحیح البخاری کتاب الانبیاء (۳۳۴۰) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''أَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' قیامت والے دن میں سب انسانوں کا سردار ہوں گا۔

الغرض بے شمار احادیث صحیحہ میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن کہیں بھی یہ کسی مخصوص ذات پر نہیں بولا گیا ہر مومن موحد اپنے اپنے مقام پر بزرگ و سید ہے۔

شریعت میں آل محمد کون ہیں؟

سؔ شریعت میں آل محمد ﷺ سے کیا مراد ہے کہ مومنین ومسلمین بھی آل محمد ﷺ میں داخل ہیں۔ (ابوعلی عسکری)

جؔ نبی مکرم ﷺ کی آل کے بارے میں اہل علم مختلف فیہ ہیں۔

❶ ایک قول یہ ہے کہ آل نبی سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے پھر ان میں بھی اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ آل نبی جن پر صدقہ حرام ہے وہ بنو ہاشم اور بنوعبدالمطب ہیں امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ خاص طور پر بنو ہاشم ہیں۔

❷ دوسرا قول یہ ہے کہ آل نبی ﷺ سے مراد آپ کی اولاد اور بیویاں ہیں۔

❸ تیسرا قول یہ ہے کہ آل نبی ﷺ سے مراد قیامت تک آنے والے آپ کے پیروکار ہیں۔

❹ چوتھا قول یہ ہے کہ آل سے مراد آپ کے امت کے متقی وپرہیز گار لوگ ہیں۔

پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حدیث ہے کہ کھجوریں پکنے کے وقت آپ کے پاس مختلف کھجوریں لائی جاتی تھیں مختلف لوگ کھجوریں لاتے یہاں تک کہ آپ کے ہاں کھجوروں کا ڈھیر لگ جاتا۔ حسن وحسین رضی اللہ عنہما ان کھجوروں سے کھیلنے لگتے تو ان میں سے ایک نے کھجور پکڑ کر منہ میں ڈال لی جب رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے منہ سے کھجور نکال دی اور فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آل محمد صدقہ نہیں کھاتے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ ربیعہ اور فضل بن عباس کے لیے آپ نے فرمایا تھا کہ یہ صدقات لوگوں کی میل کچیل ہیں اور یہ محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لیے حلال نہیں۔

آپ کی اولاد اور ازواج کو آل محمد میں شامل کرنے کی دلیل یہ ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ:

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ أَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَّتِہٖ'' (صحیح البخاری ابوداؤد)

''اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ازواج اور اولاد پر رحمت نازل کر۔''

امام ابن عبدالبر نے موطا کی شرح تمہید میں ذکر کیا ہے کہ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ آل محمد سے مراد آپ کی بیویاں اور اولاد ہے اور اللھم صل علی محمد و ازواجہ و ذریتہ آل محمد کی تفسیر ہے۔

اسی طرح صحیحین کی حدیث ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا'' اے اللہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رزق بقدر خوراک بنا دے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ہر دعائے مستجاب تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان میں اس وقت بھی دولت مند اور صاحب وسعت تھے اور اب بھی ہیں مگر ازواج و ذریت پر یہ دعا بالکل صادق آتی ہے کیونکہ آپ کی زندگی میں ان کا رزق بقدر خوراک تھا اور آپ کے بعد بھی یہی حال تھا اگر کہیں سے مال آجاتا ازواج مطہرات بقدر خوراک رکھ کر باقی صدقہ کر دیتی تھیں۔

تیسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ معظم اور متبوع شخص کی آل وہ ہوتی ہے جو اس کے طریقہ اور دین پر ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ اِلَّا آلَ لُوْطٍ نَجَّیْنَاھُمْ بِسَحَرٍ ﴾ (القمر:٣٤)

''ہم نے آل لوط علیہ السلام کو سحری کے وقت نجات دی۔''

یہاں آل لوط سے مراد ان کے پیروکار ہیں اسی طرح ارشاد باری ہے:

﴿ اُدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ (غافر:٤٦)

آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔''

یہاں آل فرعون سے مراد اس کے پیروکار ہی ہیں اسی طرح واثلہ بن اسقع کے بارے میں بیہقی میں حدیث ہے کہ آپ نے انہیں اپنے اہل میں شمار کیا حالانکہ واثلہ رضی اللہ عنہ نسب میں تو بنولیث بن بکر میں سے تھے لیکن وہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے۔

چوتھے قول کی دلیل یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کے بارے میں ارشاد

ہے کہ

﴿ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ﴾ (ہود:۴۶)

یہ آپ کے اہل میں سے نہیں اس لیے کہ یہ اچھے اعمال والا نہیں ہے۔

امام ابن القیمؒ نے جلاء الافہام میں اس موضوع پر مفصل بحث رقم کر کے فرمایا ہے کہ ان چاروں میں سے صحیح ترین قول پہلا ہے کیونکہ اس شبہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان احادیث میں رفع کر دیا کہ ''صدقہ محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حلال نہیں'' اور ''آل محمد کو رزق بقدر خوراک عطا کر'' ان احادیث کے مضمون کو ملحوظ رکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد عموم امت کو سمجھنا قطعاً غلط ہے تفصیل کے لیے ''جلاء الافہام'' الامام ابن قیم ملاحظہ فرمائیں۔

ایک روایت کی تحقیق

﴿س﴾ محترم ایک روایت کی تحقیق مطلوب ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے اس بات کی خبر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا تو آپ نے فرمایا۔ اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا پھر یہ نور اللہ کی قدرت سے جہاں چاہا گھومتا رہا۔ الخ...... (عبدالرزاق) اس کی مفصل تحقیق چاہیے۔

(محمد جاوید کوڑے شاہ زیریں تحصیل وضلع ساہیوال)

﴿ج﴾ محدثین کرام رحمہم اللہ اجمعین نے بڑی محنت اور جانفشانی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو بالا سانید جمع کیا اور اس بات کی مکمل کوشش کی کہ کوئی ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جو آپ نے نہیں کہی۔ کیونکہ آپ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)). (الحدیث)

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''

اور ایک روایت میں ہے

((مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مُقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)).

''جس نے مجھ پر وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔''

اس لئے جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف بات منسوب کر کے بیان کرتا ہے اس کے لئے سند کی شرط لگائی گئی پھر سند کی صحت کے لئے بھی کڑی شرائط کو مدنظر رکھا گیا اور جس روایت کی کوئی سند نہ ہوتی اسے کسی صورت بھی قبول نہ کیا جاتا۔ امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"أَلْإِسْنَادُ عِنْدِيْ مِنَ الدِّيْنِ وَلَوْ لَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ: مَاشَاءَ وَلٰكِنْ إِذَا قِيْلَ لَهُ مَنْ حَدَّثَكَ بَقِيَ" (تاريخ بغداد ٦/١٦٦۔ مقدمه صحيح مسلم' معرفه علوم الحديث للحاكم ص ٦)

''اسناد میرے نزدیک دین میں سے ہے اور اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر کوئی جو چاہتا کہہ دیتا لیکن جب اسے کہا جائے تجھے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے تو وہ ساکت ہو جاتا۔''

عبداللہ شاگرد ابن مبارک رحمہما اللہ فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات زنادقہ اور روایات گھڑنے والوں کے ذکر کے وقت کہی۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ ضعیف و متروک راوی سے کہا:

"قَاتَلَكَ اللّٰهُ يَابْنِ أَبِيْ فَرْوَه مَاجَرَاكَ عَلَى اللّٰهِ؟ لَا تَسْنُدُ حَدِيْثَكَ تَحَدِّثُنَا بِأَحَادِيْثٍ لَيْسَ لَهَا خَطَمٌ وَلَا أَزِمَّةٌ." (معرفة علوم الحديث للحاكم ص ٦'ط جديد ص ٤٢)

''اے ابن ابی فروہ اللہ تجھے ہلاک کرے تو اللہ تعالیٰ پر کس قدر جرات کرنے والا ہے۔ تو اپنی روایت کی سند بیان نہیں کرتا۔ تو ہمیں ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جن کی نکیلیں اور مہاریں نہیں ہیں۔''

یعنی جس طرح جانور کو باندھنے اور چلانے کے لئے نکیل اور مہار کی ضرورت

ہوتی ہے اسی طرح روایات کی حفاظت اور صحت کے لئے اسانید کی حاجت ہوتی ہے اور تم بغیر اسانید کے روایات بیان کرتے ہو۔ الغرض محدثین بغیر سند کے بیان کرنے والوں کو بددعا دیتے اور سمجھتے تھے کہ روایت کے درست ہونے کے لئے سند کا صحیح ہونا بھی ضروری ہے۔ مذکورہ بالا روایت جابر رضی اللہ عنہ کو کئی سیرت نگاروں نے بغیر سند کے درج کر دیا ہے اور بعض نے اسے امام عبدالرزاق کی طرف منسوب کیا ہے ہمارے پاس امام عبدالرزاق کی المصنف گیارہ ضخیم جلدوں میں اور تفسیر عبدالرزاق تین جلدوں میں مطبوعہ موجود ہے لیکن یہ روات اس میں ہمیں نہیں ملی۔ جو شخص اس روایت کی صحت کا مدعی ہے وہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے قواعد کے مطابق اس کی ایک صحیح سند پیش کرے۔ آج تلک کوئی شخص بھی اس کی ایک صحیح سند پیش نہیں کر سکا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کی غلط بیانی جھوٹی روایات اور عقائد فاسدہ سے محفوظ فرمائے اور سلف صالحین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین عظام اور ائمہ محدثین رحمہم اللہ اجمعین کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین

جبرئیلؑ نے اپنے یا اللہ کے نبی ﷺ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے؟

س جبریل علیہ الصلاۃ والتسلیم جب نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور اسلام' ایمان' احسان اور قیامت کے بارے سوالات کئے تو اس وقت جبریل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دوزانو بیٹھ کر اپنے ہاتھوں کو رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں پر رکھا تھا یا اپنے گھٹنوں پر؟ (ایک سائل' منڈی بہاؤ الدین)

ج جبریل علیہ السلام جب انسانی شکل وصورت میں انتہائی سفید لباس اور سیاہ کالے بالوں کی ہیئت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تشریف لائے تا کہ آپ کی امت کو تعلیم دی جائے کہ وہ دین کیسے سیکھیں تو انہوں نے اپنے گھٹنے نبی ﷺ کے گھٹنوں کی جانب ٹیک دیئے اور رسول ﷺ کے مبارک گھٹنوں پر دونوں ہاتھوں کو رکھا جیسا کہ نسائی وغیرہ کی کتب میں صراحت سے موجود ہے۔

امام طبری کا صحابہ کے متعلق عقیدہ کیا تھا؟

س کیا امام طبری اہل سنت میں سے تھے؟ ان کا صحابہ کرام کے متعلق کیا عقیدہ تھا؟ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ طبری اہل سنت میں سے نہیں تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے ان کا عقیدہ صحیح نہیں تھا۔ اس کی توضیح مطلوب ہے۔

ج تمام اہل اسلام کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت کرنی چاہئے انہیں برا کہنے والا خود برا ہو جاتا ہے اور تمام مسلمانوں سے صحابہ کرام افضل ہیں اور اسلام میں مسابقت کی بنیاد پر صحابہ کو بعد میں آنے والوں پر فضلیت اور درجات کی بلندی حاصل ہے۔ قرآن حکیم میں انہیں ''راشدون' صادقون' مفلحون' مسلمون' مومنون وغیرھا جیسی بلند صفات سے یاد کیا گیا ہے۔ کوئی بھی محدث وفقیہ امام صحابہ کے بارے غلط نظریہ نہیں رکھتا۔ طبری نام کے دو آدمی ہیں۔ (۱) محمد بن جریر بن یزید (۲) محمد بن جریر بن رستم' اول الذکر اہل سنت کے زبردست مفسر' فقیہ' مورخ اور امام ہیں اور ان کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں وہی عقیدہ ہے جو دیگر ائمہ اہل حدیث وسنت کا ہے ان کی عقیدہ پر ایک مختصر سی کتاب ''صریح السنة'' ہے جس میں انہوں نے صحابہ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کے بارے اپنے عقیدے کا اظہار کیا ہے جسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحابہ کرام کے سچے محب تھے۔ انہیں رافضی باور کرانا صریح ظلم ہے بعض ناسمجھ حضرات کا ان پر الزام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح نہج پر قائم ودائم رکھے اور ہر طرح کے زیغ وزاغ سے بچائے آمین۔ صحابہ کرام کو برا کہنے سے نبی ﷺ نے منع کیا آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو اگر تم میں کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے تو وہ ان کے (اللہ کی راہ میں دیئے ہوئے) ایک مد یا نصف مد کے برابر نہیں ہو سکتا'' (ابوداؤد وغیرہ)

کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ، تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے افضل تھے؟

س کیا نبی ﷺ کی امت میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ واقعی تمام صحابہ کرام سے افضل تھے حتی کہ رضی اللہ عنہ سے بھی؟

ج تمام ائمہ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ نبی علیہ السلام kd امت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ فضیلت کے حامل تھے۔ صحیح البخاری وغیرہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''ہم نبی ﷺ کی زندگی میں کہا کرتے تھے۔ ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم۔ اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

اس امت میں نبی ﷺ کے بعد سب سے بہتر ابوبکر پھر عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور اگر میں چاہوں تو تیسرے یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی لے سکتا ہوں۔ (بخاری وغیرہ)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ خود علی رضی اللہ عنہ بھی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو امت میں سب سے بہتر سمجھتے تھے اور نبی ﷺ کی کئی ایک احادیث سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ جب نبی ﷺ احد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا آپ نے اسے مخاطب ہو کر کہا ''اے احد! ساکن ہو جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید کھڑے ہیں۔'' (مسلم) بہرکیف رسول اللہ ﷺ کی اس امت میں بالاتفاق ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ فضیلت و بزرگی والے تھے اور ان سے محبت ایمان کی علامت ہے ان کی فضیلت کا ذکر قرآن حکیم میں بھی موجود ہے۔

نور نبوی ﷺ کی تحقیق

س تحفۃ الصلاۃ الی النبی المختار ص ۱۸، ۱۹ میں بروایت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ بے شک سرکار دو عالم ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا تمہاری عمر کتنی ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے آقا میں نہیں جانتا کہ میری عمر کتنی ہے ہاں یا رسول اللہ ﷺ حجاب رابع عرش پر ایک نوری ستارہ ستر ہزار سال بعد

طلوع ہوتا تھا جس کو میں نے ستر ہزار مرتبہ دیکھا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے میرے رب کی عزت وعظمت کی قسم اے جبرائیل علیہ السلام وہ نوری تارہ میں تھا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے متعلق تاریخ بخاری کا حوالہ مذکورہ کتاب میں دیا گیا ہے کیا یہ درست ہے؟ (محمد الیاس لاہور)

ج رسول مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَالَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)).

''جس نے مجھ پر ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔'' (مسند احمد ۱/ ۲۰ حاکم ۱/ ۱۰۲ صحیح ابن حبان ۲۲۱۴ وغیرہا)

اس لئے ایسے الفاظ جو رسول مکرم ﷺ نے نہ کہے ہوں ان کی نسبت آپ کی طرف کرتے ہوئے ڈرنا چاہئے اور حدیث رسول بیان کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لینا چاہئے ہمیں امام بخاری کی تاریخ کبیر اور صغیر سے یہ روایت نہیں ملی بلکہ آج تلک اس کی کوئی صحیح سند کسی حدیث کی کتاب سے نہیں ملی جو لوگ اس کے مدعی ہیں انہیں چاہئے کہ اس روایت کی کوئی پختہ سند اگر ان کے پاس ہے تو اس پر مطلع کریں کیونکہ روایات کی جانچ پڑتال کے لئے سند کا ہونا ضروری ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک نے فرمایا:

''اَلْإِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ وَلَوْلَا الْإِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَاشَاءَ''

(مقدمہ صحیح مسلم)

سند دین میں سے ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہتا کہہ دیتا۔ امام ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ ۴/ ۱۱ میں فرماتے ہیں: ''سند اس امت کی خصوصیت میں سے ہے اور وہ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے...... لہٰذا کسی روایت کے صحیح ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی صحیح سند ہو جب کسی روایت کی کوئی سند ہی نہ ہو تو وہ کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی۔

نعت نبی ﷺ کی شرعی حقیقت

س نعت کی شرعی حیثیت کیا ہے جبکہ شرکیہ نہ ہو' اگر درس وغیرہ شروع کرنے سے قبل پڑھ لی جائے تو کوئی حرج ہے؟

ج نعت صفت بیان کرنے اور تعریف کرنے کو کہا جاتا ہے ہمارے ہاں نعت کی اصطلاح نبی رحمت کی تعریف وتوصیف کے لئے مخصوص ہے۔ آپ کی نعت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ عمل باعث اجر وثواب ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَلٰکِنْ قُوْلُوْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ)).

''مجھے اس طرح نہ بڑھاؤ چڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھا چڑھا دیا ہے البتہ یہ کہو کہ (وہ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' (صحیح البخاری ۳۴۴۵)

اس سے ثابت ہوا کہ غیر شرکیہ نعت یا دوسرے اشعار وغیرہ بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت کافروں کی ہجو میں نبی ﷺ کے حکم سے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے انہیں فرمایا ان (کافروں) کی ہجو کرو' جبرائیل تمہارے ساتھ ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق) قرآن مجید کی اس آیت سے کئی لوگ غلط استدلال پیش کرتے ہیں کہ اشعار وغیرہ پڑھنا درست نہیں (وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ) شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بھکے ہوئے ہوں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ہر وادی میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔ (الشعراء ۲۲۱ تا ۲۲۶)

اس آیت میں ان شعراء کی مذمت ہے جو اپنے اشعار میں اصول وضوابط کی بجائے ذاتی پسند یا ناپسند کے مطابق اظہار رائے کرتے ہیں' غلو ومبالغہ سے کام لیتے

ہیں اور شاعرانہ خیالات میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اس قسم کے اشعار کے لئے حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے کہ

''پیٹ کا لہو پیپ سے بھر لینا جو اسے خراب کر دے' شعر کے ساتھ بھر لینے سے بہتر ہے۔'' (صحیح مسلم کتاب الشعر ا/۲۲۵۷)

مذکورہ آیات کے متصل ہی آیت مبارکہ میں ان شاعروں کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جن کی شاعری صداقت اور حقائق پر مبنی ہے اور استثناء ایسے الفاظ سے فرمایا گیا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ ایماندار' عمل صالح پر کار بند اور بکثرت ذکر الٰہی کرنے والا شاعر غلط' جھوٹی اور خیالی شاعری کر ہی نہیں سکتا۔ (دیکھئے الشعراء ۲۲۷)

اس لئے شرک و کذب سے پاک اشعار اور نعت وغیرہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ذکر کے لیے کلمہ طیبہ

(س) کیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا وظیفہ یا ذکر کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ قرآن وسنت کی رو سے وضاحت فرمائیں۔

(ج) کلمہ طیبہ پڑھنے کے دو مواقع ہیں ایک بطور اقرار و شہادت اور دوسرا موقع بطور ذکر و عبادت پہلی صورت میں دونوں اجزاء کو ملا کر پڑھنا لازمی و ضروری ہے کیونکہ ان اجزاء کی شہادت کے بغیر انسان مسلمان نہیں ہو سکتا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جیسا کہ حدیث جبرائیل میں ہے:

((اَلْاِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَأَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرُسُوْلُهُ))

''اسلام یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کو معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' (متفق علیہ)

لیکن موقع ذکر و عبادت میں فقط لا الہ الا اللہ ہی ثابت ہے اور کتب احادیث

میں بھی ایسے موقع پر صرف لا الہ الا اللہ ہی آیا ہے جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ

''موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے تو کوئی ایسی چیز سکھا جس کے ذریعے میں تیرا ذکر کروں اور تجھے پکاروں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو لا الہ الا اللہ کہا کر' موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب لا الہ الا اللہ تو تیرے تمام بندے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور ان کے باشندے جب میرے ایک پلڑے میں ہوں اور لا الہ الا اللہ ایک پلڑے میں ہو تو لا الہ الا اللہ ان پر غالب ہو جائے گا۔''

(رواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم' الترغیب والترہیب ۲/۴۱۵ صحیح الترمذی وحسنہ)

اس سے معلوم ہوا کہ لا الہ الا اللہ ذکر اور دعا ہے جس پر حدیث کے الفاظ اذکرک بہ وادعوک بہ دلالت کرتے ہیں اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔

(رواہ ابن ماجہ' والنسائی' وابن حبان فی صحیحہ والحاکم والترغیب والترہیب ۲/۴۱۵)

اس طرح کی اور بھی بے شمار احادیث موجود ہیں جن میں ذکر صرف لا الہ الا اللہ کو کہا گیا ہے اور ان میں محمد رسول اللہ کا لفظ موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں صرف انہی کلمات پر اقتضاء کرنا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ ہاں اقرار وشہادت کے وقت محمد رسول اللہ کہنا ضروری ولازمی ہے ورنہ اس کے بغیر ایمان مقبول نہیں ہوگا۔

نبی ﷺ کی مخالفت

س کیا یہ بات کسی حدیث میں موجود ہے کہ ایک شخص نے دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے میں نبی ﷺ کی مخالفت کی تو اس کا ہاتھ شل ہوگیا؟

ج سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کے ہاں اپنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا شروع کیا تو آپ نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا: ''تم طاقت نہیں رکھو گے اسے صرف تکبر نے اس بات سے روکا۔ اس کے بعد اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا۔

(صحیح مسلم ۱۵۹۹ مسند احمد ۴/۴۶ بیہقی دارمی طبرانی ' ابن ابی شیبہ سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۰۶۱)

یہ حدیث بالکل صحیح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت کرنی چاہئے کسی بھی مسئلہ میں نافرمانی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ مسلمان کامیاب تبھی ہوتا ہے جب وہ اپنے پیارے رسول ﷺ کی قولاً وعملاً پیروی کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ختنہ

س کیا رسول اللہ ﷺ کا ختنہ کیا گیا تھا یا آپ مختون ہی پیدا ہوئے تھے؟

ج نبی کریم ﷺ کو اللہ وحدہ لاشریک لہ نے سب سے اعلیٰ وارفع بنایا ہے اور بے شمار صفات و خوبیوں سے نوازا ہے آپ کے مختون پیدا ہونے کے متعلق مختلف روایات ہیں جو اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

❶ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری کرامت میں سے ہے کہ میں مختون پیدا ہوا ہوں کسی نے میری شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔'' (طبرانی صغیر ۹۳۶' طبرانی اوسط' العلل المتناھیۃ ۱/ ۱۶۵ دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۴۶ مجمع الزوائد ۱۳۸۵۲)

لیکن اس کی سند میں سفیان بن محمد الغزاری المصیصی سارق الحدیث اور متہم بالکذب ہے۔ (میزان ۲/ ۱۸۲ لسان المیزان ۶/ ۱۸۵) اسی طرح اس کی سند میں ہشیم اور حسن بصری مدلس بھی ہیں۔

❷ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مختون و مسرور پیدا ہوئے۔

(طبقات ابن سعد ا؛ ۱۰۳ دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/ ۴۶ البدایہ والنھایہ ۲/ ۲۶۵) یہ روایت یونس بن عطاء کی وجہ سے صحیح نہیں۔

❸ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کا ختنہ کیا جس وقت اس نے آپ کے دل کی طہارت کی۔ (طبرانی اوسط اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن عینیہ اور سلمہ بن محارب کے بارے علامہ ہیثمی فرماتے ہیں میں ان دونوں کو نہیں پہچانتا' مجمع الزوائد ۱۳۹۵۲)

❹ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عبدالمطلب نے ساتویں دن نبی ﷺ کا ختنہ کیا اور دعوت کی اور آپ کا نام محمد ﷺ رکھا (سیر اعلام النبلاء ۱/ ۲۱) اس کی سند میں ولید بن مسلم مدلس ہیں اس روایت کو امام ذہبی نے عباس رضی اللہ عنہ والی روایت سے اصح قرار دیا ہے۔ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد ۱/ ۸۲'۸۱ میں اس کے متعلق تین اقوال ذکر کیے ہیں۔

① آپ پیدائشی مختون و مسرور پیدا ہوئے لیکن اس باب میں جو حدیث سب سے زیادہ مشہور ہے وہ بھی غیر صحیح ہے ابن جوزی نے اسے ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں اور یہ آپ ﷺ کے خواص میں سے بھی نہیں اس لئے کہ بہت سے لوگ مختون پیدا ہوئے ہیں۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ ختنہ اس دن ہوا جب حلیمہ دائی کے ہاں ملائکہ نے آپ ﷺ کا شق صدر کیا۔

③ تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں دن آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ختنہ کیا اور اس تقریب پر دعوت بھی کی اور آپ کا نام محمد ﷺ رکھا۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس باب میں ایک مسند غریب روایت کی گئی ہے۔

یہ مسئلہ دو فاضلوں کمال الدین ابی طلحہ اور کمال الدین بن العدیم کے درمیان واقع ہوا اوّل الذکر نے اس پر کتاب لکھ ماری اور ہر طرح کی بے لگام روایات اکٹھی کر دیں کہ آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے اور ثانی الذکر نے اس کا نقض کیا ہے اور واضح

کیا ہے کہ نبی ﷺ کا عرب کے دستور کے مطابق ختنہ ہوا چونکہ یہ رواج تھا اس لئے ثبوت کے لئے کسی سند کی حاجت نہیں مدعی کو دلیل پیش کرنی چاہیے۔

عاملوں کے پاس علاج کروانا

س بعض لوگ فٹ پاتھوں پر بیٹھ کر یا دفاتر سجا کر مختلف قسم کے شعبدوں کے ذریعے لوگوں کے علاج کر کے اور مختلف اقسام کی خبریں دیتے ہیں اور ہاتھ دیکھ کر قسمت بتاتے ہیں کیا ان کے پاس جا کر علاج کرانا اور ہاتھ دکھانا جائز ہے؟

ج ایسے لوگ جو پروفیسروں کے بورڈ لگا کر:

''جو چاہو سو پوچھو'' ''ہر قسم کی مراد پوری ہو'' کے دعوے کرتے ہیں ان سے علاج کروانا اور انہیں قسمت کا حل دریافت کرنے کے لئے ہاتھ دکھانا بالکل ناجائز ہے۔ایسے نجومیوں' کاہنوں کے متعلق پیارے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((من اتی عرافا فسأله عن شی لم تقبل له صلاة اربعین لیلة)).

(صحیح مسلم کتاب السلام باب تحریم الکهانة ۲۲۳۰' مسند احمد۳/۲۸' ۵/۳۸۰)

''جو شخص کسی خبریں بتانے والے (نجومی و کاہن) کے پاس آیا اور اس سے کچھ پوچھا تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہیں ہوگی۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ

((من اتی کاهنا فصدقه بما یقول فقد کفر بما انزل علی محمد صلی الله علیه وسلم))۔

(ابوداؤد ۳۹۰۴' ترمذی ۱۳۵' ابن ماجه ۶۳۹)

''جو شخص کسی کاہن کے پاس آیا اور اس کے اقوال کی تصدیق کی تو اس نے اس بات کا کفر کیا جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی۔''

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ کاہنوں' نجومیوں' نام نہاد جعلی پروفیسروں اور

لوگوں کی قسمتوں کے دعوے کرنے والے عاملوں کے پاس جانا حرام ہے اوران کے دعوؤں کی تصدیق کرنا شریعت محمدی سے کفر ہے۔

تفسیر قرآن میں رہنمائی

﴿س﴾ میں قرآن حکیم کا ترجمہ وتفسیر سمجھنا چاہتی ہوں میری رہنمائی بذریعہ جہاد ٹائمز کریں کہ کس مصنف کی تفسیر سے استفادہ کروں۔ (اخت عرفان سیالکوٹ)

﴿ج﴾ اردو زبان میں قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے کئی ایک مختصر ومطول تفاسیر موجود ہیں آپ اشرف الحواشی اور احسن التفاسیر وغیرھما کا مطالعہ کریں اور ساتھ کسی قرآن پڑھانے والے نیک سیرت معلم یا معلّمہ سے بھی راہنمائی لے لیں۔

کرامت کیا ہے؟

﴿س﴾ کرامت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ صاحب کرامت کیسے بنتے ہیں کیا کرامت اتفاقیہ عمل ہے یا مستقل صاحب کرامت کا اختیار کہاں تک ہوتا ہے۔صوفیوں کے اکثر واقعات خلاف شریعت ہوتے ہیں وہ ان کو کرامت کے زمرے میں لاتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے امتی کا تخت سبا آنکھ جھپکنے میں لانا اس کی وضاحت کریں؟
(خاور اقبال D-46 جناح ہال پنجاب میڈیکل کالج، فیصل آباد)

﴿ج﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور رسول مکرم ﷺ کی اطاعت واتباع کرنے والے لوگ اللہ کے ولی و دوست ہوتے ہیں کبھی کبھار ان کے ہاتھ پر خلاف عادت کسی کام کا اظہار ہو جاتا ہے اور یہ اتفاقی عمل ہے۔ مستقل صاحب کرامت کا اختیار نہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے خرق عادت کے طور پر جو ظاہر ہو اسے معجزہ کہتے ہیں اور اولیاء کے ہاتھ پر اگر ایسی چیز کا اظہار ہو تو وہ کرامت گردانی جاتی ہے۔ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں کہ معجزہ عجز سے مشتق ہے جو قدرت کی ضد ہے اور تحقیقی بات صرف یہ ہے کہ معجزہ وہ ہے جو غیر کے اندر عجز کا فعل پیدا کرے اور وہ صرف اللہ

تعالیٰ کی ہی ذات بابرکات ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۳۰)

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ عجز کا فعل پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے بندہ نہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

''جان لیجئے کہ جو خرق عادت امر انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اس کو معجزہ اس لئے کہتے ہیں کہ مخلوق اس کے ظاہر کرنے سے عاجز ہوتی ہے اور جب مخلوق اس سے عاجز ہوئی تو معلوم ہوا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ جو اس کے نبی کی صداقت پر دلالت کرتا ہے۔''

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں:

''جیسے مردوں کا زندہ کرنا اور لاٹھی کا سانپ بنا دینا اور پتھر سے اونٹنی نکالنا اور چاند کا پھٹ جانا وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ اللہ کے بغیر کسی اور سے ان کا ہونا ممکن نہیں بلکہ یہ اللہ کا فعل ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے اور نبی ﷺ نے جھٹلانے والوں کو چیلنج کر کے انہیں اس فعل کے صادر ہونے سے عاجز کر دیا۔'' (الشفاء ص ۱۶۲)

علاوہ ازیں دیکھیں فتح الباری ۶/۴۲۴ الیواقیت والجواہر للشعرانی۔ مقدمہ ابن خلدون المسائرہ معہ المسامرہ، شرح عقائد وغیرھا کتب عقائد قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کافر اور مشرک قوموں نے مطالبہ کیا کہ ہمیں کوئی معجزہ، آیت یا نشانی دکھلاؤ تو انبیاء علیہم السلام نے یوں جواب دیا:

﴿ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّاتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (ابراہیم)

''اور ہمارے لائق یہ نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی معجزہ لاسکیں مگر اللہ تعالیٰ کے اذن و حکم سے۔''

نبی ﷺ سے مشرکین مکہ نے معجزے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کو یوں جواب دیا:

﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (انعام: پ ۷)

''آپ کہہ دیں کہ نشانیاں اور معجزات اللہ کے پاس ہیں۔''
نیز دیکھیں بنی اسرائیل ۱۰/۲۔
معلوم ہوا کہ معجزات و نشانیاں لانا اللہ کا اختیار ہے کسی نبی و رسول علیہ السلام کا اختیار نہیں۔

لفظ مسلمان میں کوئی قباحت نہیں

س بعض لوگوں کا موقف ہے کہ ہم لفظ مسلمان استعمال کرتے ہیں یہ درست نہیں بلکہ اس کی جگہ مسلم کا لفظ استعمال کرنا چاہئے اسی طرح باقی اصطلاحات میں عربی الفاظ کا لحاظ رکھا جائے۔ (سائل مذکور)

ج مسلمان کا لفظ فارسی زبان میں مسلم کا ترجمہ ہے جیسا کہ فیروز اللغات ص ۶۳۴ جامع اللغات ص ۵۸۹ لغات کشوری ص ۴۶۵ وغیرھا میں مذکور ہے اور عربی زبان کا دیگر لغات میں ترجمہ کرنا بالاتفاق صحیح ہے اور قرآن حکیم کے مختلف زبانوں میں تراجم موجود ہیں لہٰذا مسلمان کا لفظ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس پر کج بحثی فضول اور لایعنی ہے سعودی عرب سے شاہ ولی اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فارسی زبان میں جو قرآن حکیم کا ترجمہ طبع ہو کر دنیا کے مختلف خطوں میں پھیلا ہے اس میں "ھو سماکم المسلمین" کا ترجمہ یوں ہے ''اللہ نام نہاد شمارا مسلمان پیش ازیں'' (ص ۴۴۱) یعنی اس سے پہلے اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ معلوم ہوا کہ مسلمان فارسی کا لفظ ہے اور لفظ مسلم کا ترجمہ ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اور نہ ہی کسی نص صحیح کی مخالفت لازم آتی ہے۔ وگرنہ قرآن حکیم کا ترجمہ دیگر لغات میں نہ کرنا لازم آئے گا۔ جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ بھی نبی ﷺ کی بیٹیاں تھیں

س نبی کریم ﷺ کی کتنی بیٹیاں صحیح اور معتبر حوالہ جات سے ثابت ہیں؟

ج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تین بیٹیاں، زینب، رقیہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن اور بعد از بعثت انہیں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ قرآن حکیم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اے نبی آپ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنے اوپر بڑی چادریں اوڑھ لیا کریں۔'' (الاحزاب ۵۹)

اس آیت میں ازواج اور بنات جمع کے صیغے ہیں جیسے بیویاں ایک سے زائد تھیں اسی طرح بیٹیاں بھی ایک سے زائد تھی۔ سوائے رافضی لوگوں کے اور کسی نے اس بات کا انکار نہیں کیا سب سے پہلے ایک غالی اور متعصب گمراہ شخص ابوالقاسم کوفی نے اپنی کتاب "الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ" میں آپ کی بیٹیوں کا انکار کیا یہ ۳۵۲ھ میں فوت ہوا ہے جبکہ عبداللہ مامقانی شیعہ محدث نے اپنی کتاب ''تنقیح المقال فی احوال الرجال ص ۷۷ اصول کافی باب التاریخ ص ۲۷۸ الخصال للشیخ صدوق ۲/ ۱۸۶ وغیرھا میں آپ کی چاروں بیٹیوں کا تذکرہ موجود ہے علاوہ ازیں کتب اہل سنت میں سے الاصابہ لابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرھا ملاحظہ کریں۔ لہٰذا بالاتفاق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ رضی اللہ عنہن سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں۔

ماہ صفر منحوس نہیں ہے

س ماہ صفر کو کچھ لوگ منحوس خیال کرتے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے؟

ج نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا فانی میں تشریف لائے تو دنیا جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں ڈوبی پڑی تھی اور کئی طرح کے توہمات اور شیطانی وساوس میں مبتلا تھی۔ زمانہ جاہلیت کے باطل خیالات اور رسومات میں سے ''صفر'' بھی ہے صفر کے متعلق ان کا گمان تھا کہ ہر انسان کے پیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جب پیٹ خالی ہو اور بھوک لگی ہو تو وہ کاٹتا اور تکلیف پہنچاتا ہے۔ صفر کے متعلق یہ بھی ہے کہ یہ ایک بیماری

ہے جو پیٹ کو کاٹتی ہے۔ اس کے علاوہ کئی لوگ صفر کے مہینے سے بدفالی لیتے تھے کہ اس میں بکثرت مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان توہمات جاہلانہ کا رد فرمایا آپ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا عُدْوَى وَلَا صَفَرَ وَلَا هَامَّةَ)) (صحیح البخاری کتاب الطب (۵۷۱۷)

ایک مرض اڑ کر دوسرے کو نہیں لگتا اور نہ ہی مرض صفر اس طرح ہے اور نہ ہی ھامہ کی کوئی حقیقت ہے صفر سے پیٹ کا مرض بھی مراد لیا گیا ہے جیسا کہ امام بخاری کا خیال ہے اور یہ بھی مراد لی گئی ہے کہ اس سے مراد صفر کا مہینہ ہے یعنی ماہ صفر منحوس نہیں بعض لوگ ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھے ماہ صفر ختم ہونے کی بشارت دے گا میں اسے جنت کی بشارت دوں گا لیکن یہ روایت من گھڑت ہے ملا علی قاری کی الموضوعات الکبیر ص ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔ لہٰذا ماہ صفر کو منحوس خیال کرنا جاہلی توہمات سے ہے اس کی کچھ حقیقت نہیں۔

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا فن حدیث میں مقام

س کیا امام شہاب زہری احادیث میں اپنی طرف سے بھی کوئی بات شامل کر دیتے تھے اگر یہ بات سچی ہے تب بھی اور اگر جھوٹی ہے تب بھی اس پر ہمیں دلائل سے مطمئن کر دیں۔ (طارق محمود اعظم' مندرہ)

ج امام محمد بن مسلم المعروف ابن شہاب زہری رحمہ اللہ حدیث کے ثقہ امام تھے اور شام و حجاز کے کبار محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں محدثین کا کہنا ہے کہ امام زہری ثقہ محدث تھے حدیث' علم اور روایت کثرت سے کرنے والے تھے۔ فقیہ اور جامع تھے۔ (تہذیب التہذیب)

بے شمار ائمہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" الفقيه الحافظ متفق على جلالته وحفظه واتقانه."

"وہ فقیہ وحافظ تھے ان کی جلالت واتفقان پر اتقان اور حفظ ہے۔" (تقریب)

البتہ بعض ائمہ نے انہیں مدلس قرار دیا ہے اور مدلس کی وہ روایت بالکل صحیح ہوتی ہے جس میں اس نے اپنے استاد سے حدیث سننے کی وضاحت کی ہوتی ہے۔ یہ بات کسی بھی صحیح روایت سے نہیں ملتی کہ وہ احادیث رسول میں اپنی جانب سے کچھ ملا دیا کرتے تھے منکرین حدیث کا یہ پروپیگنڈہ ہے کیونکہ امام ابن شہاب زہری کو خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث رسول جمع کرنے پر مامور کر دیا تھا اور انہوں نے بہت سا ذخیرہ حدیث جمع کیا تھا جس کی بنا پر انہیں مطعون کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے۔ ان کے حالات پر تفصیل دیکھنا چاہیں تو تہذیب التہذیب وغیرہ جیسی کتب کا مطالعہ کریں۔

احادیث سترہ کی وضاحت

س: احادیث سترہ کے بارے میں ساتھیوں میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے، براہ کرم سترہ کے واجب یا مستحب ہونے کے بارے کتاب وسنت سے دلائل دیتے ہوئے وضاحت فرمائیں اور اس حدیث کے بارے میں تفصیلاً وضاحت فرمائیں "لا تصل الا الی ستر" نیز حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی وضاحت فرمائیں کہ صحیح بخاری میں (الی غیر جدار) سے کیا مراد ہے کہ یہ سترہ کے وجوب کو ساقط کرتی ہے۔

(گلزار احمد سلفی، بھکر)

ج: نبی مکرم ﷺ کی احادیث صحیحہ میں سترے کے بغیر نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تُصَلِّ اِلَّا اِلَی سُتْرِہٖ وَلَا تَدَعْ اَحَدًا یَمُرُّبَیْنَ یَدَیْكَ فَاِنْ اَبٰی فَلْتُقَاتِلْهُ فَاِنَّ مَعَهُ الْقَرِیْنُ)). (صحیح ابن خزیمہ ۲/۱۰،۱۷ صحیح ابن حبان ۶/۱۲۶،۱۲۷ رقم ۲۳۶۲)

"سترے کے بغیر نماز نہ پڑھو اور کسی کو اپنے آگے سے گزرنے نہ دو وہ (گزرنے

والا) انکار کرے تو اس سے لڑائی کرو یقیناً اس کے ساتھ شیطان ہے۔''

یہ حدیث صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ اِلَى سُتْرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلَاتَهُ)). (صحيح ابن خزيمه ٢/ ١٠ مسند احمد ٤/ ٢)

''جب بھی تم میں سے کوئی نماز ادا کرے تو وہ سترہ کی طرف نماز ادا کرے اور اس کے قریب ہو کر کھڑا ہو۔ اس پر شیطان اس کی نماز کو نہیں توڑے گا۔''

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتُرْهُ)). (شرح السنته ٢/ ٤٤٧)

''جب بھی تم میں سے کوئی نماز ادا کرے تو سترہ رکھے۔''

ان احادیث صحیحہ مرفوعہ سے معلوم ہوا کہ ہمیں نماز ادا کرتے وقت یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے آگے سترہ رکھیں اور حکم وجوب کے لئے ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ صارفہ عن الوجوب ہو یعنی کوئی اور ایسی صحیح دلیل مل جائے جو اس حکم کو وجوب سے نکال دے۔ صحیح البخاری کتاب العلم ٧٦ وغیرہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو آیا ہے کہ

((ورسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بمنى الى غير جدار))

کہ رسول اللہ ﷺ منیٰ میں دیوار کے بغیر نماز پڑھ رہے تھے اس کے مفہوم میں اہل علم کے ہاں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں غیر جدار سے مراد غیر سترہ ہے یہ بات امام شافعی نے کہی ہے اور سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے معرض استدلال میں وارد کیا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا اس کی نماز کو نہیں توڑتا' اور مسند بزار کی روایت اس کی تائید کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

((وَالنَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوْبَةَ لَيْسَ لِشَيْءٍ

يَسْتُرُهُ)).

''نبی کریم ﷺ فرض نماز ادا کر رہے تھے آپ کے آگے کوئی ایسی چیز نہ تھی جو آپ کا سترہ بنتی۔'' (فتح الباری ۱/۵۷۱)

بعض متاخرین عطاء وغیرہ نے کہا ہے غیر جدار سے اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ دیوار کے علاوہ بھی کوئی چیز نہ تھی، لیکن اس قول پر یہ مواخذہ کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنے گزرنے کے بارے میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے انکار کرنے کے بارے خبر دینا اس بات کی علامت ہے کہ کوئی ایسا معاملہ پیش آیا جو پہلے نہ ہوتا تھا اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ وہاں دیوار کے علاوہ کوئی سترہ تھا تو یہ خبر دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سترہ ہونے کی صورت میں گزرنے پر کوئی بھی انکار نہ کرتا۔ انکار تبھی ہوتا جب سترہ نہ ہوتا۔ شارح بخاری ابوالحسن علی بن خلف المعروف ابن بطال فرماتے ہیں اس حدیث میں دلیل ہے کہ امام کے لئے جائز ہے کہ وہ سترہ کے بغیر نماز پڑھے۔ (شرح صحیح البخاری ۱/۱۶۲)

صحیح البخاری کی حدیث کا مفہوم متعین کرنے کے لئے حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو مسند بزار کی روایت تائید میں پیش کی ہے کہ غیر جدار سے مراد سترہ نہ تھا۔ مسند بزار فی الحال ۹ جلدوں میں طبع ہوکر آئی ہے ابھی یہ مسند ناقص ہے باقی جلدیں ابھی طبع نہیں ہوئیں۔ مطبوعہ جلدوں میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مسند نہیں ہے البتہ ابن بطال نے شرح صحیح البخاری ۲/۱۲۹ میں اس کی سند ذکر کی ہے جو بشر بن آدم کی وجہ سے حسن معلوم ہوتی ہے جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سترے کے وجوب کا حکم لگانا مشکل ہے البتہ افضل اور مستحسن ومسنون ضرور ہے واللہ اعلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد وغیر مسجد میں اس کا اہتمام کرتے تھے اگر کسی موقع پر سترہ نہ رکھا گیا ہو تو نماز ہو جائے گی۔



كتاب الطهارت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين ﴾

[بقره: ٢٢٢]

''بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ رجوع کرنے والوں اور اچھی طہارت کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

داڑھی کے متعلق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

س داڑھی کے متعلق مختلف لوگوں کا نظریہ مختلف ہے کوئی کچھ کہتا ہے تو کوئی کچھ' پچھلے دنوں بخاری شریف کا مطالعہ کر رہا تھا (ترجمہ وتفسیر علامہ وحید الزماں) ایک حدیث نظر سے گزری جس کا ترجمہ کچھ یوں تھا۔

ہم سے محمد بن منہال نے بیان کیا کہا ہم سے یزید بن زریع نے کہا ہم سے عمر بن زید نے انہوں نے نافع سے انہوں نے ابن عمر سے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے آپ نے فرمایا مشرکین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے داڑھیاں چھوڑ دو اور مونچھوں کو خوب کتر ڈالو اور عبداللہ بن عمر جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی سے تھامتے جتنی زیادہ ہوتی اس کو کتروا دیتے تھے۔

(حدیث نمبر ۳۶۸' باب ناخنوں کے کترنے کا بیان)

اس حدیث مبارکہ میں نبی ﷺ نے مشرکوں کی خلاف ورزی کرنے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ لیکن یہ نہیں بتایا کہ کتنی بڑھاؤ آیا شروع سے ہی رکھنی چاہیے یا کاٹی جاسکتی ہے؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کا ذکر ہے کہ وہ جب حج یا عمرہ کرتے تو مٹھی بھر سے زائد داڑھی کٹوا دیتے تھے۔ کیا ان کا یہ فعل نبی ﷺ کے قول کے خلاف تھا یا کوئی اور بات تھی اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ عمل ایک سے زائد مرتبہ کیا ہے۔ بعض لوگ داڑھی کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر رکھ لی جائے تو ثواب ہے اور اگر نہ رکھی جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیا مشرک بھی داڑھی رکھتے تھے آج کل جو کافر ہیں وہ تو داڑھی نہیں رکھتے۔ تو اگر تراشیدہ داڑھی رکھ لی جائے تو کس قدر گناہ ہوتا ہے۔ اسلام میں ''خط'' کا کوئی تصور موجود ہے یا نہیں اور داڑھی فرض ہے یا سنت اور اگر سنت ہے تو کیسی سنت اور جو لوگ داڑھیاں نہیں رکھتے اسلام نے ان کے متعلق کیا وعید سنائی ہے۔ اہل سنت داڑھی کو مٹھی سے بڑھانا مکروہ اور اہل شیعہ حرام قرار دیتے ہیں آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔ (محمد اظہر منظور ہاؤسنگ کالونی گوجرہ)

ج: داڑھی رکھنے کے متعلق بخاری شریف کی حدیث صریح نص ہے اللہ کے رسول ﷺ نے داڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا ہے اور آپ نے خود داڑھی بڑھائی اور داڑھی کا کاٹنا یا منڈانا نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اس کے علاوہ بھی کئی ایک احادیث داڑھی بڑھانے اور اسے معاف کرنے پر دلالت کرتی ہیں احادیث میں داڑھی کے متعلق وَاعفُوا' أَوْفُوا' وَفِرُوا' أَرْجُوا' أَرْخُوا پانچ طرح کے الفاظ ملتے ہیں جنہیں امام نووی نے مسلم کی شرح میں اور قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔ ان الفاظ کا تقاضا یہی ہے کہ داڑھی کو اول روز سے رکھ لینا چاہیے اسے کانٹ چھانٹ اور منڈانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ صحابی رسول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا ذاتی عمل کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ حدیث مرفوع کے مقابل اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ مذکورہ الفاظ حدیث امر کے صیغے ہیں اور امر لغت عرب میں وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اسلام میں داڑھی رکھنا واجب ہے۔ اس کے خط بنوانے کی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں اہل تشیع کے ہاں داڑھی تراشنا حرام ہے جیسا کہ علامہ محمد حسین نجفی نے اپنی کتاب ''حرمت ریش تراشی'' میں بادلائل واضح کیا ہے اور کئی ایک ائمہ اہل سنت کے ہاں داڑھی ایک مشت ہونی چاہیے اور وہ آثار صحابہ سے دلیل لاتے ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ حدیث نبوی کے مقابلے میں اثر صحابی کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ لہٰذا بہتر موقف یہی ہے کہ داڑھی بڑھائی جائے اللہ کے رسول ﷺ نے خود داڑھی بڑھائی بھی ہے اور بڑھانے کا حکم بھی دیا ہے اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔

لہٰذا ہمیں بھی اس کی حد بندی سے اجتناب کرنا چاہیے۔

داڑھی کٹانے والا امام

س: ہمارے محلے کی مسجد میں امام صاحب اپنی داڑھی کو کٹواتے ہیں اور ان کی داڑھی ایک مٹھی سے بھی کم ہے کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں اور ایسے شخص کو امام بنانا کیسا ہے؟ (محمد اقبال حسن پور، فیصل آباد)

ج امام مسجد ایسا ہونا چاہیے جو شریعت کی صحیح طور پر پیروی کرنے والا ہو اور کتاب وسنت کے مطابق زندگی بسر کرنے والا ہو اور سب سے زیادہ قرآن وسنت کا عالم ہو۔ داڑھی رکھنا مسلمان مرد پر واجب ہے اللہ کے رسول ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمایا:

((خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ أَوْفِرُوا اللُّحَى وَ احْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِي رِوَايَةٍ أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحَى)) (متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ:۴۴۲۱)

مشرکوں کی مخالفت کرو داڑھی کو وافر کرو اور مونچھوں کو پست کرو اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھیں اچھی طرح کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ اور خود رسول اللہ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی۔ نہ آپ نے داڑھی کاٹی اور نہ کاٹنے کا حکم دیا لہٰذا نبی ﷺ کا حکم ماننا واجب ہے۔ تو امام مسجد کو چاہیے کہ وہ اپنی داڑھی پوری رکھیں۔ داڑھی منڈانے اور کٹانے والا فاسق و فاجر ہے ایسے آدمی کو مستقل امام نہ بنائیں۔ البتہ ایسا شخص اگر کبھی نماز پڑھا دے تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی کیونکہ فاسق و فاجر کے پیچھے بالاتفاق نماز ہو جاتی ہے۔ امام مسجد کو اچھے طریقے سے سمجھائیں اگر وہ بہتر طریقے سے سمجھانے کے باوجود اپنی داڑھی درست نہیں رکھتا تو اس کا متبادل کوئی بہتر سوچ لیں اور اچھے طریقے سے اور حکمت کے ساتھ فیصلہ کریں کسی فتنے کا پیش خیمہ نہ بنیں۔

حاملہ عورت سے صحبت کرنا

س کیا حاملہ عورت سے اس کا شوہر صحبت کر سکتا ہے کتاب وسنت میں اس کا کیا حکم ہے۔ (ایک سائل لاہور)

ج آدمی کے لئے اپنی حاملہ عورت سے جماع کرنا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ (البقرہ:۲۲۳)

''تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتی ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا ہے:

مومن لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے نہیں۔ (المومنون ۵'۶)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مطلقاً ازواج کے ساتھ صحبت کو جائز رکھا ہے منع وہاں ہوگا جہاں کوئی دلیل ہوگی۔ لہٰذا حالت حمل میں منع نہیں کیا گیا اس لئے آدمی صحبت کرسکتا ہے۔ دوران حیض صحبت منع ہے اسی طرح پچھلے حصے میں صحبت بھی منع ہے۔ حدیث میں ایسے شخص پر لعنت وارد ہے کیونکہ وہ گندگی اور نجاست کا محل ہے۔ نفاس کی حالت میں بھی ممانعت کا ہی حکم ہے۔

حالت جنابت میں مستعمل کپڑوں کا حکم

س کیا مرد جس کپڑے میں بیوی کے ساتھ صحبت کرے اسی کپڑے میں نماز پڑھ سکتا ہے یا کہ حالت جنابت میں پہننے سے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ قرآن وسنت کی رو سے واضح کریں۔ (محمد اصغر مرید کے)

ج قرآن وسنت کی رو سے جس مرد نے جس کپڑے کے ساتھ اپنی بیوی سے صحبت کی اگر اس کپڑے میں پلیدی نہیں لگی تو اس کپڑے میں نماز پڑھی جاسکتی ہے اگر کپڑے کو منی لگ جائے تو تری کی صورت میں دھوڈالے دھونے کے بعد اگر کپڑے میں نشان دکھائی دے تو کوئی حرج نہیں اور منی اگر خشک ہو جائے تو اس کو کھرچ دینا ہی کافی ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی بیوی تھیں سے دریافت کیا نبی ﷺ جس کپڑے میں مجامعت کرتے تھے اسی میں نماز پڑھ لیتے تھے تو انہوں نے کہا ہاں جب اس میں گندگی نہ دیکھتے۔ (ابوداؤد ۳۶۶' نسائی ۱/ ۱۵۵' ابن ماجہ ۱/۱۹۲)

حمل کے ضائع ہونے کے بعد مرد عورت سے کب قرابت اختیار کرے

س اگر کسی عورت کا حمل تین مہینے کا ضائع ہو گیا ہو تو آدمی کتنے دنوں کے بعد عورت کے پاس جائے گا۔ ۹۰ دنوں کے بعد یا کوئی اور صورت ہے۔ (سائل مذکور)

ج عورت جب خون سے صاف ستھری ہو جائے تو مرد قربت کر سکتا ہے۔

ولادت کی کتنی مدت بعد مرد عورت کے پاس جائے

س عام پیدائش کے بعد یعنی صحیح سالم لڑکا یا لڑکی کی پیدائش کے بعد کتنے دنوں کے بعد آدمی عورت کے پاس جائے گا پوری وضاحت فرما دیں۔ (سائل مذکور)

ج ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے روایت ہے کہ نفاس والی عورتیں نبی ﷺ کے دور میں نفاس کے بعد چالیس دن تک بیٹھی رہتی تھیں۔

(مسند احمد ۶/۳۰۳، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورتیں چالیس دن تک نماز چھوڑیں گی سوائے اس کے کہ وہ اس سے پہلے طہر دیکھ لیں پھر غسل کرے اور نماز پڑھے۔

معلوم ہوا کہ بچے کی ولادت کے بعد چالیس دن تک عورت نماز نہیں پڑھے گی اور نہ ہی شوہر اس کے ساتھ صحبت کرے گا اگر چالیس دن سے پہلے خون بند ہو جائے اور عورت طہر کی حالت میں آ جائے تو غسل کرے۔ خون رک جانے کے بعد مرد اپنی اہلیہ کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے۔ نفاس کا وہی حکم ہے جو حیض کا حکم ہے۔

خلوت میں غسل کرنا

س کیا غسل کرتے وقت کپڑا باندھ کر غسل کرنا ضروری ہے یا کہ خلوت میں ننگے

بھی غسل کر سکتے ہیں کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں۔ (ابوعبداللہ لاہور)

ج تنہائی اور خلوت میں ننگے ہو کر غسل کرنا جائز ہے البتہ کپڑا باندھ کر غسل کرنا افضل ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری کتاب الغسل میں یوں باب باندھا ہے۔ ''اس شخص کے متعلق بیان جس نے خلوت میں ننگے ہو کر غسل کیا اور جس نے کپڑا باندھ کر غسل کیا اور کپڑا باندھ کر غسل کرنا افضل ہے''۔ معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ لوگوں کی نسبت زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔ امام بخاری نے خلوت وتنہائی میں ننگے نہانا جائز مگر ستر ڈھانپ کر نہانا افضل قرار دیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ننگے نہانے کے جواز پر اس باب میں دو احادیث بیان کی ہیں۔

❶ موسیٰ علیہ السلام کے خلوت وتنہائی میں ننگے غسل کرنا اور دوسرا ایوب علیہ السلام کا خلوت میں ننگے غسل کرنا' اور یہ واقعات بیان کر کے نبی کریم ﷺ نے اس کی تردید نہیں کی اس لیے ہماری شریعت میں بھی اس طرح خلوت میں نہانا جائز ٹھہرا اور اس کی افضلیت کی دلیل یہ ہے۔

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو گھر کے صحن میں غسل کرتے دیکھا تو فرمایا: بے شک اللہ شرم کرنے والا بردبار اور پردہ پوش ہے جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو وہ ستر ڈھانپے اگرچہ دیوار کی اوٹ کے ساتھ ہو۔ (تاریخ جرجان ۳۳۲/ ۶۲۵ بحوالہ ارواء الغلیل ۷/ ۳۶۸)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ وحسنہ سے معلوم ہوا کہ خلوت وتنہائی میں ننگے ہو کر غسل کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن کپڑا باندھ کر غسل کرنا بہتر اور افضل ہے۔

اہل کتاب ومشرکین کے برتن استعمال کرنا

س اہل کتاب ومشرکین کے برتن استعمال کرنے کیسے ہیں؟

ج اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کے علاوہ کفار کے ذبیحے کھانا جائز نہیں ہے

چاہے مجوس ہوں یا بت پرست' کمیونسٹ ہوں یا کافروں کی دوسری کوئی قسم' ان کے ذبیحوں سے ملے ہوئے شوربے بھی جائز نہیں ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے کھانے کے علاوہ ہمارے لئے کسی بھی دوسرے کافر کو کھانا حلال نہیں کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

''آج تمہارے لئے ساری پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں' اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے۔'' (المائدہ:۵)

اور ابن عباس و دیگر مفسرین کے بقول ''طعام'' سے مراد ان کے ذبیحے ہیں' البتہ میوہ جات اور اس قسم کی دوسری چیزیں کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ ''طعام محرم'' میں داخل نہیں ہیں' مسلمان کا کھانا مسلم وغیرہ مسلم سبھی کے لئے حلال ہے اگر وہ سچا مسلمان ہے' صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے' اور اس کے ساتھ انبیاء' اولیاء' اصحاب قبور اور کفار کے معبودوں کو نہیں پکارتا ہے۔

رہا برتنوں کا مسئلہ تو اس سلسلے میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کافروں کے برتن سے جن پر ان کے کھانے اور شراب رکھے جاتے ہیں اپنا الگ برتن رکھیں' اگر الگ برتن رکھنا مشکل ہو سو تو مسلمان کے لئے کھانا بنانے والوں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ کافروں کے استعمال میں آنے والے برتنوں کو اچھی طرح دھولیں پھر ان میں مسلمانوں کے لیے کھانا رکھیں' صحیحین میں ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین کے برتنوں کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ''ان میں مت کھاؤ الا یہ کہ تمہیں دوسرا برتن نہ ملے' اگر ایسا ہو تو پہلے انہیں دھولو پھر ان میں کھانا کھاؤ۔''

جسم کے حصوں سے بال زائل کرنا

س پشت' پنڈلی اور جسم کے دوسرے حصوں کے بال زائل کرنے کے بارے کیا احکامات ہیں؟

ج مذکورہ اعضاء کے بال تراشنا جائز ہے' اگر اس سے بدن کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور اس کا مقصد عورتوں یا کافروں کی مشابہت نہ ہو کیونکہ اصل اباحت ہے اور کسی بھی مسلمان کے لئے بلا دلیل کسی چیز کو حرام ٹھہرا دینا جائز نہیں ہے اور جو کچھ پوچھا گیا ہے اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ان چیزوں کے بارے میں خاموش رہنا ان کے مباح ہونے کی دلیل ہے' رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے مونچھیں کتروانے' ناخن کاٹنے' بغل کے بال اکھاڑنے اور شرمگاہ کے بال مونڈنے کو جائز ٹھہرایا ہے' اسی طرح مردوں کے لئے سر مونڈنے کو بھی مباح کیا ہے اور چہرے بالوں کو اکھیڑنے والی اور اکھڑوانے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے' نیز ہمیں داڑھی بڑھانے' اسے لمبی کرنے کا حکم دیا ہے ان کے علاوہ دوسری چیزوں سے خاموشی اختیار کی ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جس سے خاموش رہ جائیں وہ مباح ہوتا ہے اسے حرام ٹھہرانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں آپ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں جنہیں ضائع مت کرو کچھ حدود متعین کئے ہیں جنہیں پامال مت کرو' کچھ چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے جن کا ارتکاب نہ کرو اور تم پر رحم کرتے ہوئے کچھ چیزوں سے دانستہ سکوت اختیار کیا ہے ان کی کرید میں نہ پڑو۔'' (دارقطنی وغیرہ)

اسی کے قائل امام نووی بھی ہیں حدیث مذکور کی روشنی میں دیگر بہت سے علماء نے بھی ایسا ہی کہا ہے' اس معنی ومفہوم کی اور بھی احادیث وآثار مروی ہیں جن میں کچھ کو حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے جامع العلوم والحکم میں ابوثعلبہ سے مروی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے نقل کیا ہے جو مزید معلومات حاصل کرنا چاہے وہ کتاب مذکورہ کی طرف مراجعت کرے۔ واللہ اعلم

غسل خانے میں بوقت ضرورت بات کرنا

س: کیا لیٹرین میں جا کر دوسرے ساتھی سے یعنی جو باہر کھڑا ہے بات چیت کرنا جائز ہے۔(ابو معاذ ثاقب شیخ' وہاڑی)

ج: بیت الخلاء میں بوقت ضرورت اگر کوئی بات کرے تو حرج نہیں جیسا کہ صحیح البخاری میں حدیث ہے کہ آپ غسل فرمارہے تھے تو آپ کے ہاں ام ہانی تشریف لائیں تو آپ نے کہا کون (صحیح البخاری کتاب الغسل ۲۸۰)

اس حدیث سے سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے تحت بات کرے تو حرج نہیں۔ بلاوجہ گفتگو کرنے سے احتراز کریں۔

بالوں کو سیاہ کرنا

س: کیا داڑھی یا سر کے بالوں کو سیاہ کر سکتے ہیں؟ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

ج: جب کسی آدمی کی داڑھی یا سر کے بال سفید ہو جائیں تو اسے سفید رنگ کو رنگنا چاہئے البتہ کالے رنگ سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔ سرخ' زرد اور سرخ ملا کر لگایا جا سکتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ)). (صحیح مسلم)

"بلاشبہ یہودی اور عیسائی اپنے بالوں کو نہیں رنگتے تم ان کی مخالفت کرو۔"

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ سفید بال رنگنے چاہئیں۔ ابوقحافہ رضی اللہ عنہ جو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد تھے جب اسلام لائے تو ان کے بال سفید تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ)). (صحیح مسلم' ابوداؤد)

"ان سفید بالوں کے رنگ کو بدل دو اور سیاہ سے بچاؤ۔"

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ بالوں کو سیاہ کرنا منع ہے اس سے اجتناب کا حکم

ہے جو لوگ جہاد یا شادی کے لئے بال سیاہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں ان کے پاس کوئی صحیح روایت موجود نہیں ابن ماجہ والی روایت انتہائی کمزور ہے اور نا قابل حجت ہے جس کی تفصیل راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں'' جلد دوم میں موجود ہے۔

بغیر وضو تلاوت قرآن درست ہے

س: کیا قرآن پاک بغیر وضو پڑھا جا سکتا ہے؟ (محمد شفیق الحسن، رحیم یار خان)

ج: قرآن حکیم کی تلاوت کے لئے اگرچہ باوضو ہونا افضل و مستحسن ہے لیکن بے وضو اگر کوئی شخص قرآنی آیات تلاوت کرے تو جائز ہے امام بخاری نے صحیح البخاری میں باب قراۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ (یعنی بے وضو ہونے کے بعد تلاوت قرآن کے بارے میں) میں نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک رات نبی کریم ﷺ کی اہلیہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بسر کی، تو وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ آدھی رات یا اس سے تھوڑا پہلے یا اس کے تھوڑا بعد بیدار ہوئے آپ بیٹھ کر اپنے چہرے سے اپنے ہاتھ کے ذریعے نیند صاف کرنے لگے۔ پھر آپ نے آل عمران کی آخری دس آیتیں تلاوت کیں پھر آپ ایک لٹکائے گئے مشکیزے کی طرف اٹھے اس میں سے آپ نے اچھی طرح وضو کیا پھر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ الحدیث۔

امام بخاری کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر وضو تلاوت کی جا سکتی ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے بیدار ہونے کے بعد آل عمران کی دس آیتیں تلاوت کیں پھر وضو کیا۔ بے وضو قرات کے منع کی کوئی صحیح روایت بھی موجود نہیں۔

وضو کے طریقہ کی تصحیح

س: اللہ تعالیٰ نے پارہ نمبر ۶ آیت نمبر ۸۲ سورۃ المائدۃ میں فرمایا ہے۔

اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کے لیے پس دھولو اپنے چہرے کو اور دھولو اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا پیروں کا ٹخنوں تک آیت مذکورہ میں قرآن پاک میں پیروں کا مسح کرنا لکھا ہے جبکہ وضو (سنت طریقہ) پاؤں دھونے کا حکم ہے قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں۔ (حفیظ احمد' راولپنڈی)

ج قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ میں کوئی تضاد نہیں ہے قرآن حکیم میں بھی پاؤں دھونے کا حکم ہے اور سنت رسول ﷺ بھی یہی ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ٦ میں وضو کا حکم بیان کیا گیا آپ نے اسے آیت نمبر ٨٢ لکھا ہے یہ غلط ہے پھر آپ نے ترجمہ بھی غلط تحریر کیا ہے جبکہ اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو سروں پر مسح کر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولو۔

اس آیت کریمہ میں قابل غور یہ بات ہے کہ دو حکم ہیں ایک دھونے کا اور دوسرا مسح کرنے کا جن اعضاء کو دھونے کا حکم ہے ان پر زبر ہے جیسے وجوھکم' ایدیکم اور ارجلکم اور جس پر مسح کا حکم ہے اس کے نیچے زیر ہے جیسے برؤسکم۔

قرآن حکیم کی متواتر قرات میں اور جتنے مطبوعہ نسخے ہیں ان میں ارجلکم کی لازم پر زبر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاؤں پر مسح نہیں بلکہ پاؤں کے دھونے کا حکم ہے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی یہی ہے صحیح البخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ ان کی ایڑیوں کی خشکی چمک رہی ہے تو آپ نے بلند آواز سے دو یا تین مرتبہ فرمایا کہ ان ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ یعنی ایڑیوں کو اچھی طرح سے دھولو خشک نہ رہ جائیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ ﷺ کے وضو کی حالت بیان کی ہے اس میں بھی پاؤں کے دھونے کا ذکر ہے ملاحظہ ہو۔ المنتقی لابن الجارود' ابوداؤد' نسائی' دارمی' ابن خزیمہ' ابن حبان' مستدرک' احمد' مسند طیالسی' طبرانی صغیر' طحاوی' دارقطنی' بیہقی اور شرح السنۃ میں صحیح سند کے ساتھ موجود

ہے لہٰذا صحیح بات جو قرآن حکیم اور احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے وہ وضو میں پاؤں کا دھونا ہی ہے۔

مسح کا طریقہ

﴿س﴾ مولانا عبدالمتین میمن جونا گڑھی صاحب نے اپنی کتاب (حدیث نماز کے صفحہ ۳۵) پر ایک حدیث بخاری و مسلم کے حوالہ سے تیمم کے بارے میں لکھی ہے اور اس حدیث کے ترجمہ میں ہاتھوں کا مسح پہلے کرنا اور چہرے کا مسح بعد میں کرنا لکھا ہے میں عربی الفاظ لکھ رہا ہوں اگر مولانا صاحب نے اس کا ترجمہ صحیح نہیں کیا تو آپ صحیح لکھ دیں۔ (شفن خان چاچڑ' سنٹر جیل بہاولپور)

﴿ج﴾ مولانا عبدالمتین میمن نے بخاری و مسلم کی جو حدیث تیمم کے بارے میں حدیث نماز میں نقل کی ہے اور اس کا ترجمہ کیا ہے وہ درست ہے اور تیمم میں پہلے ہاتھوں پر مسح پھر چہرے پر کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے اور یہ اس طرح درست ہے۔

عورتوں کا چہرے اور ابروؤں کے بال اکھاڑنا حرام ہے

﴿س﴾ مرد حضرات کے بارے میں بار بار آیا ہے کہ وہ زیر ناف بال صاف کریں اسی طرح عورتوں کو بھی یہ حکم ہے تو کیا بغلوں کے بال' چہرے کے بال' ابروؤں کے بال بھی صاف کیے جائیں۔ (ابوعلی' گجرات)

﴿ج﴾ شریعت میں جس طرح زیر ناف بالوں کی صفائی فطرت میں شامل ہے اسی طرح بغلوں کے بال اکھیڑنا بھی فطرت میں سے ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ مونچھیں تراشنا' داڑھی بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی چڑھانا' ناخن تراشنا' انگلیوں کے جوڑوں کو صاف کرنا' بغلوں کے بال اکھیڑنا' زیر ناف بال مونڈنا' پانی سے استنجا کرنا' راوی حدیث کہتے ہیں میں دسویں چیز بھول گیا ہوں

ممکن ہے وہ کلی ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ ۵۶/۲۶۱۔ مشکوٰۃ ۳۷۹)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا جس طرح زیر ناف بال مونڈنا فطرت میں سے ہے اسی طرح بغلوں کے بال اکھیڑنا' مرد کے لئے داڑھی بڑھانا اور مونچھیں تراشنا وغیرہ بھی فطرت میں سے ہے۔ رہا عورت کے لئے چہرے کے بال اور ابروؤں کے بال اتارنا تو یہ حرام ہے نبی کریم ﷺ نے چہرے کے بال نوچنے والی عورت پر لعنت کی ہے۔ صحیح البخاری اور صحیح مسلم کتاب اللباس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اس پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے جو خواتین فیشن کرتے ہوئے چہرے اور ابروؤں کے بال اتارتی اور باریک کرتی ہیں یہ اللہ کی تخلیق اور فطرت کو بدلتی ہے اور اللہ کی لعنت کی مستحق ٹھہرتی ہیں۔ انہیں اس فعل حرام سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے اور صحیح فطرت اسلامی کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنا چاہئے۔



کتاب الوضوء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا صلاة لمن لا وضوء له))

[دارمی: ٦٩١۔ مشکوۃ: ٤٠٤]

''جس آدمی کا وضوء نہیں اس کی نماز نہیں۔''

دوران نماز اگر وضوٹوٹ جائے تو کیا کریں؟

س: اگر کسی مقتدی کا نماز میں وضوٹوٹ جائے تو وہ جماعت سے کس طرح نکلے' صحیح حدیث کی رو سے راہنمائی کریں۔ (ابوانجشہ' لاہور)

ج: دوران نماز اگر کسی مقتدی کا وضوٹوٹ جائے تو وہ ناک پر ہاتھ رکھ کر جماعت سے نکل جائے اور وضو کر کے دوبارہ نئے سرے سے جماعت میں شریک ہو اور جتنی نماز نکل چکی ہو' اسے دوبارہ پڑھ لے۔ سنن ابی داؤد میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَأْخُذْ بِأَنْفِهِ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ)).

''جب نماز کے دوران تم میں سے کسی کا وضوٹوٹ جائے تو وہ اپنی ناک پکڑ لے پھر نماز سے نکل جائے۔''

پس معلوم ہوا کہ حالت نماز میں بے وضو ہونے والا اپنے ناک پر ہاتھ رکھ کر چلا جائے ناک پر ہاتھ رکھنا اس بات کی علامت ہوگا کہ اس کا وضوٹوٹ گیا ہے۔

دوران وضو کون سی مسنون دعائیں پڑھیں؟

س: کیا دوران وضو اعضا دھوتے ہوئے دعائیں حدیث سے ثابت ہیں۔

(ابوانجشہ لاہور)

ج: صحیح احادیث سے وضو کی ابتداء میں بسم اللہ اور آخر میں أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُوْلُهُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنِ ثابت ہے۔

دوران وضو ایک ایک عضو کے دھونے پر جو لوگ مختلف کلمات پڑھتے ہیں ان کا ثبوت کسی معتبر صحیح حدیث میں موجود نہیں ہے۔

وضو کے بعد شلوار ٹخنوں پر آ جانے کا حکم

س: وضو کرنے کے بعد اگر کسی کی شلوار ٹخنوں سے نیچے چلی جائے تو کیا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (شیخ ثاقب رحیم، وہاڑی)

ج: چادر یا شلوار کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا گناہ ہے اور اگر اسے حلال جان کر تکبر کرتے ہوئے کرے تو کبیرہ گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ کپڑے کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہوتا ہے وہ آگ میں ہے۔ (ازارۃ المومن)

ایک حدیث میں ہے کہ جو غرور و تکبر سے کپڑا لٹکائے گا قیامت والے دن اللہ اس کی طرف نظر رحمت نہیں کریں گے۔ (ابوداؤد)

اور نسائی میں کپڑوں کا ٹخنوں سے نیچے جانا ہی تکبر گردانا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کام گناہ ضرور ہے لیکن کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں ہے کہ کپڑا اگر لٹک جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور مسند احمد و ابوداؤد میں جو روایت ہے کہ ایک آدمی کا کپڑا ٹخنوں سے نیچے تھا تو آپ نے فرمایا جا کر وضو کر یہ صحیح نہیں اس کی سند میں ابو جعفر غیر معروف آدمی ہے۔ علامہ البانیؒ نے تحقیق مشکوٰۃ ۱: ۲۳۸ میں اس روایت کو ابو جعفر کی وجہ سے کمزور قرار دیا ہے۔ لہٰذا کسی صحیح حدیث میں وضو کے ٹوٹ جانے کا ذکر ہمیں نہیں ملا۔ واللہ اعلم



كتاب الآذان

عن معاوية رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ((المؤذنون أطول الناس أعناقا یوم القیامة))

[صحیح مسلم کتاب الصلاۃ ۱٤/ ۳۸۷۔ مشکوۃ: ٦٥٤]

''معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: قیامت والے دن تمام لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے مؤذنین ہوں گے۔''

سحری کے لیے اذان کہنا ثابت ہے؟

﴿س﴾ کیا سحری کے لیے اذان کہنا کسی حدیث سے ثابت ہے؟

﴿ج﴾ سحری کے لیے اذان کہنا کئی ایک احادیث سے ثابت ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بلا شبہ بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتا ہے پس تم کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دے۔ فرمایا: ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا تھے وہ اتنی دیر تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک انہیں نہ کہا جائے تم نے صبح کر دی۔" (صحیح البخاری ۶۱۷، ۶۲۱۔ صحیح مسلم ۱۰۹۲)

سحری کی اذان اور صبح صادق میں اتنا وقت ضرور ہونا چاہئے کہ آدمی آسانی سے سحری کھا سکے قیام کرنے والا واپس پلٹ آئے اور سویا ہوا بیدار ہو جائے اور روزے کی تیاری کر لے۔ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کھانے پینے سے منع نہ کرتی تھی کیونکہ وہ صبح کاذب میں ہوتی تھی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری کتاب الصوم باب قدر کم بین السحور وصلاۃ الفجر میں یہ مسئلہ سمجھانے کے لیے یہ حدیث نقل کی ہے کہ:

"ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ سحری کھائی پھر آپ نماز کے لیے اٹھے میں نے کہا: اذان اور سحری کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو انہوں نے کہا: پچاس آیات کی مقدار۔" (صحیح البخاری ۱۹۲۱)

انس رضی اللہ عنہ کی ایک اور صحیح حدیث اس مسئلہ کی توضیح کے لیے کافی ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے سحری کے وقت فرمایا: اے انس رضی اللہ عنہ میں روزے کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے کوئی چیز کھلاؤ میں آپ کے پاس کھجور اور ایک پانی کا برتن لایا اور یہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد تھا۔ پھر آپ نے فرمایا اے انس رضی اللہ عنہ کسی آدمی کو دیکھو جو میرے ساتھ مل کر کھائے میں نے زید بن ثابت رضی

اللہ عنہ کو بلایا وہ آئے اور کہا: میں نے ستو کا ایک گھونٹ بھر لیا اور میں روزے کا ارادہ رکھتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی روزے کا ارادہ رکھتا ہوں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سحری کی پھر کھڑے ہو گئے دو رکعت ادا کیں پھر نماز کے لیے نکلے۔ (سنن النسائی کتاب الصیام باب السحور بالسویق والتمر ۲۱۶۶)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد اتنا وقفہ ہوتا تھا کہ جس میں آدمی آسانی کے ساتھ سحری کا انتظام کر سکے جیسا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد سحری کا انتظام کیا گیا پھر ایک اور آدمی کو تلاش کر کے لایا گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سحری کی اذان رمضان کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے۔

بچے کے کان میں اذان

(س) جب مسلمانوں کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔

(ج) راقم الحروف کے علم کی حد تک اس کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں اس سلسلہ میں جو تین روایات پیش کی جاتی ہیں وہ قابل استناد نہیں۔ ایک روایت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان کہی جب انہیں فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جنم دیا۔ (ترمذی ابواب الاضاحی ۱۵۱۴ ابوداؤد ۵۱۰۵)

اس روایت کی سند میں عاصم بن عبید اللہ راوی ہے جس کے ضعف پر تقریباً تمام محدثین متفق ہیں۔ حافظ ابن حجر التلخیص الحبیر کتاب العقیقہ رقم ۱۹۸۵، ۴/ ۳۶۸ ط جدید میں رقمطراز ہیں اس روایت کا دارومدار عاصم بن عبید اللہ پر ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، عاصم پر کلام کے لئے دیکھیں (تہذیب التہذیب ۳/ ۳۵، ۳۶) بعض اہل علم نے

اس روایت کی تقویت کے لئے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک روایت پیش کی ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں ان کی ولادت کے دن اذان کہی اور بائیں کان میں اقامت کہی (سلسلہ ضعیفہ ۱/۳۳۱ ارواء الغلیل ۴/۴۰۱) اور اسے ابو رافع رضی اللہ عنہ کی روایت کا شاہد ہونے کی امید ظاہر کی ہے۔ امام بیہقی نے اگرچہ اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن یہ ضعیف کی بجائے موضوع ہے۔ کیونکہ اس میں محمد بن یونس الکدیمی ہے جس کے بارے میں امام ابن عدی فرماتے ہیں یہ روایات گھڑنے کے ساتھ متہم ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں اس نے ہزار سے زائد روایات گھڑی ہیں اسی طرح اسے موسیٰ بن ہارون اور قاسم المطرز نے بھی اس کی تکذیب کی ہے۔ (میزان ۴/۷۴)

امام دارقطنی نے بھی اسے روایات گھڑنے کی تہمت دی ہے لہٰذا یہ روایت موضوع ہونے کی وجہ سے شاہد بننے کے قابل نہیں ہے۔ اسی طرح اس میں کدیمی کا استاذ اور استاذ الاستاذ بھی ضعیف ہیں۔ اسی طرح حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ ''جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اسے ام الصبیان (بیماری ہے) تکلیف نہیں دے گی (شعب الایمان ۸۶۱۹) اس کی سند میں یحییٰ بن العلاء الرازی کذاب راوی ہے لہٰذا بچے کے کان میں اذان و اقامت والی روایات نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

نومولود کے کان میں اذان دینے والی احادیث کی تحقیق

س آپ نے مجلۃ الدعوۃ جون ۲۰۰۲ء میں نومولود کے کان میں اذان کہنے والی روایات کو ضعیف قرار دیا جبکہ سندھ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''دعوت اہلحدیث'' میں آپ کے موقف کو رد کیا گیا ہے اور اسے حسن بتایا گیا ہے اس کی وضاحت فرمائیں۔ (ابو عبداللہ' لاہور)

ج میری تحقیق اب بھی یہی ہے کہ نومولود کے کان میں اذان کہنے کے بارے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں اس سلسلہ میں تین روایات پیش کی جاتی ہیں۔

❶ ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جو کہ ترمذی ابوداؤد مسند احمد وغیرھا کتب حدیث میں موجود ہے لیکن اس روایت کا دارومدار عاصم بن عبیداللہ راوی پر ہے جو کہ تقریباً تمام محدثین کے ہاں ضعیف اور نا قابل حجت ہے اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے دیکھیں تاریخ کبیر ۹۱۵۹ اور جسے امام بخاری منکر الحدیث بتائیں اس سے روایت لینا حلال نہیں ملاحظہ ہو۔ (میزان الاعتدال ۱/۶،۲/۶۰۶ طبقات الشافعیہ للسبکی ۲/۹ وغیرھا)

❷ دوسری روایت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے شعب الایمان بیہقی میں مروی ہے اس کی سند میں بھی محمد بن یونس الکدیمی اور الحسن بن عمرو بن سیف دونوں کذاب و وضاع ہیں اور قاسم بن مطیب ضعیف راوی ہے۔

❸ تیسری روایت بھی موضوع ہے لہٰذا ان تینوں میں سے ایک بھی روایت حجت نہیں اس روایت کو حسن قرار دینے والوں نے زیادہ اعتماد شیخ البانی رحمۃ اللہ پر کیا ہے کہ انہوں نے اسے ارواء الغلیل اور سلسلہ ضعیفہ کے اندر حسن قرار دیا ہے حالانکہ شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس موقف سے رجوع کر چکے ہیں اس کے لئے ان کی مشکوٰۃ پر تحقیق ثانی ملاحظہ ہو راقم نے ماہنامہ ''دعوت اہل حدیث'' کے اس موقف کی تردید مفصل تحریر کر کے انہیں ارسال کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ حق بات سمجھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

اذان سے پہلے دعا

س آپ نے لکھا ہے کہ اذان سے پہلے دعا والی حدیث محمد بن اسحاق کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے جبکہ فاتحہ والی حدیث بھی تو محمد بن اسحاق بیان کرتا ہے۔

(ایک سائل، کراچی)

ج محمد بن اسحاق جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک ثقہ راوی ہیں لیکن مدلس بھی ہیں

ثقہ راوی مدلس ہو تو جب اپنے روایت میں سننے کی وضاحت نہ کرے تو اس کی روایت اصول حدیث کی رو سے صحیح نہیں ہوتی لیکن اگر اس کی تصریح بالسماع مل جائے تو روایت صحیح ہوتی ہے۔ سورۃ فاتحہ خلف الامام والی روایت میں محمد بن اسحاق کی تصریح بالسماع مسند احمد وغیرہ میں موجود ہے اس لئے وہ روایت صحیح ہے یہ بھی یاد رہے کہ امام محمد بن اسحاق امام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے استاد بھی ہیں۔

اقامت کون کہے؟

س کیا اذان کے بعد تکبیر کہنے کا حق موذن کو ہی ہے یا کہ کوئی اور شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے؟

ج افضل اور بہتر یہی ہے کہ اذان کہنے والا ہی تکبیر کہے کیونکہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے (نماز کی اطلاع کے لئے) آگ اور ناقوس کا ذکر کیا اس طرح یہود و نصاری کا ذکر کیا تو پھر بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان جفت اور اقامت اکہری کہیں قد قامت الصلاۃ کے علاوہ۔ (متفق علیہ)

معلوم ہوا کہ بلال رضی اللہ عنہ اذان بھی کہتے تھے اور اسی طرح اقامت بھی' اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے مؤذن ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے اذان بھی کہی اور اقامت بھی۔ (بیہقی ۱/۳۹۹۔ ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۶)



کتاب الصلوٰۃ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ واقیموا الصلاۃ ولا تکونوا من المشرکین ﴾

[روم: ۳۱]

''اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔''

سجدہ سہو

س: اگر نمازی بے خبری میں پانچویں رکعت میں کھڑا ہو جائے اور اسے حالت قیام میں ہی یاد آ جائے کہ میں پانچویں میں کھڑا ہوں تو کیا اسی وقت بیٹھ جائے یا رکوع وسجود و دیگر اجزائے رکعت ادا کر کے بیٹھے پھر سلام پھیریں۔ حنفیہ کا موقف تو معلوم ہے کہ جیسے ہی یاد آ جائے فوراً حالت تشہد میں واپس آ جائے خواہ کسی حالت میں ہو براہ کرم اپنا واضح فتویٰ تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

(محمد اسحاق سلفی تھٹہ تحصیل جنڈ ضلع اٹک)

ج: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پانچ رکعات پڑھی تو آپ سے کہا گیا کیا نماز میں اضافہ کر دیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ صحابی نے کہا آپ نے پانچ رکعات نماز پڑھی ہے پھر آپ نے سلام کے بعد دو سہو کے سجدے کئے۔ (صحیح البخاری كتاب السهو باب اذا صلى خمسا ١٢٢٦۔ صحیح مسلم كتاب المساجد مواضع الصلاة باب السهو فى الصلاة ٥٧٢۔ ابوداؤد مع عون ١/ ٣٩٠ ترمذی مع تحفة الاحوذی ٢/ ٤٢٣٬٤٢٤)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور سلف و خلف رحمہم اللہ اجمعین کے مذہب کی دلیل ہے کہ جس آدمی نے اپنی نماز میں بھول کر ایک رکعت زائد کر دی اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل کوفہ نے کہا ہے کہ جب بھول کر ایک رکعت زائد کر دے اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے اس پر نماز کا اعادہ لازم ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر چوتھی رکعت میں تشہد بیٹھا پھر پانچویں زائد کر دی تو وہ ساتھ چھٹی رکعت ملا کر انہیں جفت کر دے اور یہ دو رکعت نفل ہو جائیں گی اس پر بناء کرتے ہوئے اس لئے کہ سلام واجب نہیں ہے اور ہر اس عمل کے ساتھ نماز سے نکل سکتا ہے

جو نماز کے منافی ہو اور ایک رکعت اکیلی نماز نہیں ہوتی اور اگر چوتھی رکعت میں تشہد کے لئے نہیں بیٹھا تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے اس لئے کہ بقدر تشہد بیٹھنا واجب ہے جس کی ادائیگی اس نے نہیں کی یہاں تک کہ پانچویں کو کھڑا ہو گیا۔ مذکورہ بالا حدیث ان تمام باتوں کو رد کرتی ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ پانچویں رکعت سے نہ واپس پلٹے ہیں اور نہ ہی ساتھ ایک اور رکعت ملا کر اسے جفت کیا ہے۔

(شرح صحیح مسلم ۵/ ۵۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل علم نے اس باب میں اختلاف کیا ہے اس حدیث کے ظاہری معنی کے مطابق محدثین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں سے علقمہ، حسن بصری، عطاء نخعی، زہری، مالک، اوزاعی، شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ ہیں۔ سفیان ثوری نے کہا ہے کہ اگر نمازی چوتھی رکعت میں نہیں بیٹھا تو مجھے زیادہ پسند ہے کہ وہ اعادہ کرے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر چوتھی رکعت میں بقدر تشہد نہیں بیٹھا اور پانچویں کا سجدہ کر لیا تو اس کی نماز فاسد ہے اس پر لازم ہے کہ نماز نئے سرے سے ادا کرے۔ اور اگر چوتھی میں بقدر تشہد بیٹھا ہے تو اس کی نماز ظہر مکمل ہو گئی اور پانچویں رکعت نفل ہے وہ اس کے ساتھ ایک اور رکعت ملا لے پھر تشہد بیٹھے اور سلام پھیر دے اور سہو کے دو سجدے کر لے۔ تو اس کی نماز پوری ہو گئی امام خطابی فرماتے ہیں سنت کی پیروی اولیٰ ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی سند اتنی عمدہ ہے کہ اہل کوفہ کے ہاں اس سے زیادہ عمدہ کوئی سند نہیں۔ جو شخص ظاہر حدیث کی طرف گیا ہے تو یہ صورت اس سے خالی نہیں کہ آپ ﷺ نے چوتھی رکعت میں تشہد کیا یا نہیں کیا۔

اگر آپ نے چوتھی رکعت میں تشہد نہیں کیا تو آپ نے نماز نئے سرے سے ادا نہیں کی بلکہ اس نماز کو شمار کیا اور سہو کے دو سجدے کئے ہر دو صورتوں میں اہل کوفہ کی بات میں فساد و خرابی داخل ہو جاتی ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ الاحوذی ۲/ ۴۲۵، ۴۲۶ بیروت نیل الاوطار ابواب سجود السہو ص ۵۶۹ ط جدید)

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص بھول کر چار رکعات والی نماز میں پانچویں کا اضافہ کر بیٹھے تو وہ سجدہ سہو کر لے تو اس کی نماز درست ہو جاتی ہے۔ اضافہ کا موقف بے دلیل ہے۔

تحیۃ المسجد

س کیا تحیۃ المسجد ہر وقت پڑھی جا سکتی ہے؟

ج تحیۃ المسجد کسی وقت بھی ادا کی جا سکتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا عام ارشاد گرامی ہے جب بھی تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کرے۔ (متفق علیہ)

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے تو میں بھی بیٹھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تجھے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کرنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو بیٹھے ہوئے دیکھا ہے اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے ہیں (اس لیے بیٹھ گیا ہوں) تو آپ نے فرمایا: جب بھی تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہ اتنی دیر تک نہ بیٹھے یہاں تک کہ دو رکعتیں ادا کر لے۔

(مسلم ۷۱۴/۷۰، مسند احمد ۳۷/۲۸۸)

لہٰذا جب بھی مسجد میں داخل ہوں تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھیں۔

مسجد میں گردنیں پھلانگ کر آگے آنا

س جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آئے حدیث میں اس مسئلہ کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ (ایک سائل)

ج جمعہ والے دن جب مسجد میں تشریف لائیں تو جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جائیں لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر آگے جگہ حاصل کرنی

مقصود ہو تو جلدی مسجد میں تشریف لائیں تا کہ اگلی صف میں جگہ مل جائے اور پہلے آنے کا ثواب بھی مل جائے عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن رسول کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تم نے لوگوں کو ایذاء پہنچائی ہے اور دیر لگائی ہے۔ (مسند احمد' نسائی)

معلوم ہوا کہ لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنا درست نہیں جہاں جگہ ملے بیٹھ جانا چاہیے۔

نماز میں قنوت نازلہ

س ایک بھائی نے کہا ہے کہ لشکر طیبہ والے نمازوں میں قنوت نازلہ کرتے ہیں جبکہ حدیث کی کتاب مشکوۃ میں اس کو بدعت قرار دیا گیا اس کے بارے میں رہنمائی کریں۔ (ابوسفیان خورشید احمد چک نمبر ۱۲۲ امراد چشتیاں بہاولنگر)

ج مسلمان دنیا کے کسی بھی خطہ میں جب مصائب و آفات میں گھرے ہوئے ہوں اور مسلمان کفار کی جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہوں تو ایسے حالات میں فرض نمازوں میں آخری رکعت میں رکوع کے بعد اٹھ کر ہاتھ اٹھا کر قنوت نازلہ کرنا جائز و درست ہے کئی ایک احادیث صحیحہ صریحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو نماز پڑھ کر دکھائی اور فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یقیناً میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے ساتھ مشابہ ہوں آپ کی یہ نماز دنیا چھوڑنے تک اسی طرح رہی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دونوں شاگرد ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے وقت سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہتے تو آدمیوں کا نام لے کر ان کے لئے دعا کرتے آپ کہتے اے اللہ ولید بن ولید' سلمہ بن ہشام اور

عیاش بن ابی ربیعہ اور کمزور مسلمانوں کو نجات دے اور کافروں پر اپنی پکڑ سخت کر دے اوران پر قحط سالی کر دے۔ (صحیح البخاری ۱/۱۱۰ مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس کے علاوہ بھی صحیح البخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں قنوت نازلہ کے بارے کئی ایک احادیث صریحہ موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی فجر کی نماز میں کبھی مغرب وعشاء میں اور کبھی پانچوں نمازوں میں آپ قنوت نازلہ کرتے تھے اور صحابہ کرام آپ کی قنوت پر آمین کہتے تھے۔ لشکر طیبہ کے کارکنان بھی ہمیشہ قنوت نہیں کرتے بلکہ حوادث ونوازل کے وقت قنوت کرتے ہیں جب مقصود پورا ہو جاتا ہے تو ترک کر دیتے ہیں اور جس روایت میں اسے بدعت کہا گیا ہے اس سے مراد قنوت پر دوام وہیشگی کرنا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم العیاذ باللہ بدعت کا ارتکاب کرتے تھے۔ حالانکہ ایسا قطعاً نہیں اور علمائے احناف بھی قنوت نازلہ کے قائل ہیں جس کی تفصیل راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' میں موجود ہے۔

قنوت نازلہ

آج کل کفرواسلام کے معرکے برپا ہیں اور ہر طرف صلیبی جنگوں کے تذکرے جاری ہیں، اہل اسلام جذبہ جہاد سے سرشار میدانوں کا رخ کر رہے ہیں، مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اسلام کے علم کو بلند کرنے کے لئے اپنے باپوں کے ہمراہ جہادی پروگراموں میں شریک ہو رہے ہیں اور اہل کفرا پنے سازو سامان سمیت مسلمانوں پر بارود کی آگ برسا رہا ہے۔ افغانستان کے علاوہ پاکستان، شام، عراق وغیرہ مسلم ممالک پر حملوں کی دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ ان حالات میں جہاں ہمیں جہاد کی تیاری کی ضرورت ہے اس کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعاؤں کی بھی اشد حاجت ہے جنگ کے موقعہ پر مسلمانوں کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ ہمیں اپنی فرض نمازوں میں قنوت نازلہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے جتنا رشتہ مضبوط ہوگا

اتنا ہی ہمارے لئے سکون واطمینان کا باعث ہوگا ذیل میں رسول اللہ ﷺ کی وہ دعا درج کر رہا ہوں جو آپ نے احد والے دن کی تھی۔ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الادب المفرد باب دعوات النبی ﷺ (۶۹۹) میں اس دعا کو درج کیا ہے۔ تمام بھائی اس دعا کو یاد کریں۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کُلُّہ، اَللّٰھُمَّ لَا قَابِضَ لِمَا بَسَطْتَ، وَلَا مُقَرِّبَ لِمَا بَاعَدْتَ، وَلَا مُبَاعِدَ لِمَا قَرَّبْتَ، وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ، اَللّٰھُمَّ ابْسِطْ عَلَیْنَا مِنْ بَرَکَاتِکَ وَرَحْمَتِکَ وَفَضْلِکَ وَرِزْقِکَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ النَّعِیْمَ الْمُقِیْمَ الَّذِیْ لَا یَحُوْلُ وَلَا یَزُوْلُ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ النَّعِیْمَ یَوْمَ الْعَیْلَۃِ وَ الامن یَوْمِ الْحَرْبِ، اَللّٰھُمَّ عَائِذًا بِکَ مِنْ سُوْءِ مَا اَعْطَیْتَنَا وَشَرِّ مَا مَنَعْتَ مِنَّا، اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا، وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ، اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ، وَاَحْیِنَا مُسْلِمِیْنَ، وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ. غَیْرَ خَزَایَا، وَلَا مُفْتُوْنِیْنَ، اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِکَ، وَیُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ وَاجْعَلْ عَلَیْہِمْ رِجْزَکَ وَعَذَابَکَ، اَللّٰھُمَّ قَاتِلِ الْکَفَرَۃَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ، اِلٰہُ الْحَقِّ.

"اے اللہ! ہر قسم کی تعریف تیرے لئے ہے۔ اے اللہ جسے تو پھیلا دے اسے کوئی سمیٹنے والا نہیں جسے تو دور کر دے اسے کوئی قریب کرنے والا نہیں اور جسے تو قریب کر دے اسے کوئی دور کرنے والا نہیں جسے تو روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں اور جسے تو عطا کر دے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اے اللہ! ہمارے اوپر اپنی برکتیں، رحمت، فضل اور رزق کو کشادہ کر دے۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری قائم رہنے والی ایسی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو نہ بدلے اور نہ ختم ہو۔ اے اللہ میں تجھ سے مشقت والے دن تیری نعمت کا

سوال کرتا ہوں اور لڑائی والے دن امن کا اے اللہ! جو تو نے ہمیں عطا کیا اس کی برائی سے اور جو تو نے ہم سے روک دیا اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ اے اللہ ہماری طرف ایمان کو محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں میں مزین کر دے اور کفر فسق اور نافرمانی ہمارے نزدیک ناپسندیدہ بنا دے اور ہمیں ہدایت دے اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں سے کر دے۔

اے اللہ ہمیں مسلمان کر کے فوت کرنا اور اسلام کی حالت میں ہی زندہ رکھ اور ہمارا نیک لوگوں سے الحاق کر دے نہ رسوا ہونے والے ہوں اور نہ فتنہ میں ڈالے ہوئے۔ اے اللہ ایسے کافروں کو تباہ کر دے جو تیری راہ سے روکتے اور تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان پر اپنی سزا اور عذاب نازل کر' اے اللہ اہل کتاب کافروں کو تباہ کر دے اے سچے معبود۔''

سورۃ فاتحہ سے پہلے پوری بسم اللہ

س سورہ فاتحہ سے پہلے پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا ثبوت کیا ہے؟ نیز کیا کسی صحیح حدیث میں مذکورہ عمل موجود ہے؟ (ابوسفیان خورشید' چشتیاں)

ج نعیم المجمر فرماتے ہیں میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی پھر سورۃ فاتحہ پڑھی جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پر پہنچے تو آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی۔ جب رکوع کیا تو اللہ اکبر کہا اور جب رکوع سے سر اٹھایا تو سمع الله لمن حمده کہا پھر اللہ اکبر کہا پھر سجدہ کیا جب اپنا سر اٹھایا تو اللہ اکبر کہا پھر جب سجدہ کیا تو اللہ اکبر کہا۔ جب سلام پھیرا تو کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم سے زیادہ رسول ﷺ کی نماز کے مشابہ ہوں۔ (صحیح ابن حبان' موارد الظمآن حدیث نمبر ۴۵۰ صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۵۱' سنن النسائی' مسند ابی یعلی وغیرھا)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۃ فاتحہ سے پہلے پوری بسم اللہ

الرحمٰن الرحیم پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھا کر بتایا۔

دانوں والی تسبیح

س: اہل حدیث کے نزدیک دانوں والی تسبیح کے بارے سنا ہے بدعت ہے اگر ایسا ہے تو کیا تعداد کو ملحوظ رکھنا مقصود ہو تو کیا قباحت ہے جبکہ یہ آسانی ہے نیز میرے خیال مین اگر آدمی ہاتھ میں تسبیح لے کر اذکار کرے تو بسا اوقات کسی سے بات کرنے کے بعد تسبیح ہاتھ میں ہونے سے یاد آ جائے گا اور وہ آدمی دوبارہ وہیں سے اذکار میں لگ جائے گا جبکہ انگلیوں پر اذکار کرتے ہوئے رک جانے سے آدمی بھول جاتا ہے کہ میں ذکر کر رہا تھا تو گزارش ہے کہ ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب جہاد ٹائمز یا مجلّہ میں دیں اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

(محمد صدیق احمد ڈیرہ غازی خاں سی پی سی G:39)

ج: یہ یاد رہے کہ دین کسی کے خیال و وہم کا نام نہیں ہے۔ دین وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول کریم ﷺ پر نازل کیا ہے اور آپ نے اپنی امت تک اسے پہنچایا۔ آپ کے بیان کردہ دین اسلام میں ذکر و اذکار کی اہمیت وفضیلت اور تسبیح شمار کرنے کا طریقہ موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح کرنے کی تعلیم دی ہے۔ سنن ابی داؤد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائیں ہاتھ پر تسبیح شمار کرتے تھے۔ لہٰذا ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنا چاہیے اپنے خیال و اجتہادات کو دین نہیں بنا لینا چاہیے۔ ہاتھ کی انگلیوں پر تسبیح گننے کا طریقہ بھی کتب احادیث میں موجود ہے آپ کسی عالم سے رابطہ کر کے وہ طریقہ سیکھیں۔ گٹھلیوں یا تسبیح کے دانوں یا مختلف اقسام کی گنتی والی مشینوں پر تسبیح کرنا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں چند ایک کمزور ترین روایات میں گٹھلیوں یا سنگ ریزوں پر تسبیحات کا ذکر ملتا ہے جن کی حیثیت ایسی نہیں کہ ان سے استدلال کیا جا سکے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلسلہ

الاحادیث الضعیفہ میں ان کا ضعف واضح کیا ہے۔ یہ جو بات آپ نے ذکر کی کہ ہاتھ پر تسبیح گننے سے بسا اوقات آدمی بھول جاتا ہے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں "اس ضرورت کا باعث ایک اور بدعت بنی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تعداد اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مقرر نہیں فرمائی تھی وہ لوگوں نے خود مقرر کر لی جس کے نتیجے میں انہیں تسبیح کی یہ بدعت اختیار کرنی پڑی کیونکہ سنت صحیحہ میں زیادہ سے زیادہ جو تعداد مجھے اس وقت یاد ہے وہ ایک سو ہے اور جس شخص کو انگلیوں پر گننے کی عادت ہو وہ اسے آسانی سے انگلیوں پر گن سکتا ہے۔"

(دیکھیں شرح کتاب الجامع لشیخ عبدالسلام بن محمد بھٹوی حفظہ اللہ ص: ۳۰۸)

مروجہ تسبیح کے دانوں کی وجہ سے لوگ صحیح سنت کو بھول چکے ہیں بڑے بڑے مشائخ اور علماء بھی تسبیح کے دانوں پر گنتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہاتھوں پر تسبیح کرنا سنت رسول ﷺ بھی ہے اور آدمی ریا کاری و دکھلاوے سے بھی بچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

عورت کا امامت کروانا

س کیا عورت کو درمیان میں کھڑے ہو کر امامت کروانا جائز ہے نماز خواہ فرضی ہو یا نفلی عیدین ہو یا تسبیح نیز کیا مرد تسبیح نماز با جماعت پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیل سے جواب دیں۔ (ایک سائلہ چک نمبر ۸ آنندگڑھ ضلع شیخوپورہ)

ج عورت عورتوں کو نماز پڑھا سکتی ہے کئی ایک آثار اس بارے میں ملتے ہیں۔

ریطہ حنفیہ کہتی ہیں عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرض نماز میں ہمارے درمیان کھڑے ہو کر امامت کے فرائض سرانجام دیئے (دار قطنی کتاب الصلاۃ باب صلاۃ النساء جامعۃ وموقف امامھن ۱٤۹۲۔ عبدالرزاق ۳/۱٤۱ بیھقی ۳/۱۳۱)

تمیمہ بنت سلمہ سے روایت ہے کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز مغرب میں عورتوں کی امامت کے فرائض سرانجام دیئے۔ عورتوں کے درمیان میں

کھڑی ہوئیں اور قرأت جہری کی۔ (المحلی اردو۳/ ۳۰۷)

امام حسن بن ابی حسن بصریؒ نے بیان کیا کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رمضان المبارک میں عورتوں کی امامت کے فرائض انجام دیا کرتی تھیں اور عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۸۷ قیام اللیل ۲۰۷ بحوالہ المحلی اردو جلد سوم ص ۳۰۷)

ان آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرواسکتی ہیں نماز خواہ نفلی ہو یا فرضی' عیدین کی نماز کے لئے خواتین کو عیدگاہ کی طرف جانے کا حکم ہے تاکہ وہ مردوں کے ساتھ مل کر نماز عید ادا کریں حتیٰ کہ حائضہ عورت کو بھی نکلنے کا حکم دیا گیا وہ اگرچہ نماز ادا نہیں کرے گی لیکن وہ مسلمان مردوں کے ساتھ دعا میں شرکت کرے گی۔

نماز تسبیح باجماعت ادا کرنے کے بارے میں راقم کے علم میں کوئی صحیح حدیث معلوم نہیں ہے۔

رکوع سے اٹھتے وقت دعا پڑھنا

س جب کوئی آدمی اکیلا نماز پڑھتا ہو تو رکوع سے اٹھتا ہوا سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد یا ساتھ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کہتا ہے۔ اگر امام جماعت کرا رہا ہو اور وہ رکوع سے اٹھتا ہوا بلند آواز سے سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے اور مقتدی یہ دعا سن کر ربنا لك الحمد کہتا ہے۔ اس دوران اگر امام ربنا لك الحمد کہے بغیر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں چلا جائے تو مقتدی کو ان الفاظ کی امام سے زیادتی مقتدی کی نماز میں ثواب کی کمی کا سبب تو نہیں۔ اس سے مقتدی کی نماز نہ ہونے کا ڈر تو نہیں کیا اس عمل سے امام کی نماز مکمل ہوگئی یا نماز میں کمی آئی یا نماز نہ ہوئی۔ اگر یہ ساری دعا یا مختصر دعا امام نے بھی پڑھنی ہے تو اس کا ثبوت حدیث کی روشنی میں ارسال فرما کر مشکور فرمادیں۔ (چوہدری عبدالغنی پائپ مرچنٹ غلہ منڈی چونیاں' ضلع قصور)

ج: امام جب سمع الله لمن حمده کہتا ہے تو اسے اللھم ربنا لك الحمد پڑھنا چاہئے' رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اپنی پشت اٹھاتے تو کہتے۔ سمع الله لمن حمده. ربنا لك الحمد ملء السماوات وملء الارض و ملء ماشئت من شئي بعد. (رواہ مسلم مشکوٰۃ ۸۷۵) اور مقتدی کو بھی یہ کلمات پڑھنے چاہئیں کیونکہ نبی ﷺ اگرچہ امام ہوتے تھے لیکن آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی اقتداء میں بھی نماز ادا کی ہے۔ (ابوداؤد)

اس لئے امام ومقتدی دونوں یہ کلمات کہہ لیں۔ اگر صرف ربنا لک الحمد کہہ لیں تو پھر بھی کفایت کر جاتا ہے۔ لہٰذا اگر امام ومقتدی لمبی دعا پڑھ لیں تب یا مختصر کہہ لیں تب بھی نماز درست ہوتی ہے اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اس سے امام اور مقتدی کی نماز میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس بات کی تفصیل جہاد ٹائمز میں پہلے بھی چھپ چکی ہے۔

جماعت ہوتے ہوئے سنتیں پڑھنا

س: جب فرض نماز کے لیے تکبیر کہہ دی جائے تو کیا اس وقت سنت ادا کرنا جائز ہے بعض لوگ جب جماعت کھڑی ہو جاتی ہے اس وقت بھی سنت ادا کرتے رہتے ہیں کیا اس کی شریعت میں کوئی گنجائش ہے؟

ج: جب فرض نماز کے لئے اقامت کہہ دی جائے تو فرض کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہوتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''جب فرض نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔'' (صحیح مسلم کتاب الصلاۃ) عبداللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے وہ نماز پڑھ رہا تھا اور صبح کی نماز کے لیے اقامت کہہ دی گئی' آپ نے اس سے کوئی بات کی ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ بات کیا ہے؟ جب ہم نماز سے

پھرے تو اسے گھیر لیا ہم کہنے لگے تمہیں رسول اللہ ﷺ نے کیا کہا ہے اس نے کہا آپ نے مجھے کہا ہے کہ ممکن ہے تم میں سے ہر کوئی صبح کی چار رکعت پڑھنے لگے۔
(صحیح مسلم ۸۱۱/۶۵)

عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں تھے اس نے مسجد کے ایک کونے میں نماز ادا کی پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شامل ہو گیا جب رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ نے فرمایا اے فلاں شخص دو نمازوں میں سے تو نے کون سی نماز شمار کی ہے؟ یا وہ نماز جو تم نے اکیلے ادا کی یا جو ہمارے ساتھ ادا کی؟ (صحیح مسلم ۸۱۲/۶۸)

علامہ غلام رسول سعیدی بریلوی اس باب کی احادیث کی تشریح میں لکھتے ہیں
''اس باب کی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کی اقامت کے وقت سنتیں پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور اس وقت سنتیں پڑھنے والے شخص کو فرض پڑھنے والا قرار دیا اور اس میں تنبیہ ہے جس وقت فرض پڑھے جا رہے ہوں اس وقت فرض ہی پڑھنے چاہئیں۔ (شرح صحیح مسلم ۴۲۰/۲) پھر آگے لکھتے ہیں۔
''یہ انتہائی غلط طریقہ مروج ہے کہ مسجد میں فجر کی جماعت کھڑی ہوتی ہے اور لوگ جماعت کی صفوں سے متصل ہو کر سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اس میں ایک خرابی یہ ہے کہ امام با آواز بلند قرآن پڑھ رہا ہے جس کا سننا فرض ہے اور سنتوں میں مشغول شخص اس فرض کو ترک کر رہا ہے' دوسری خرابی یہ ہے کہ سنتوں میں مشغول شخص بظاہر فرض اور جماعت سے اعراض کر رہا ہے اور تیسری خرابی یہ ہے کہ اس کا یہ عمل اس باب کی احادیث کی مخالفت کو مستلزم ہے''۔ (شرح صحیح مسلم ۴۲۱/۲)

نماز ظہر میں کبھی کبھار جہراً آیت پڑھنا

(س) کیا یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ ظہر کی نماز میں کبھی کبھی ایک یا دو آیات صحابہ رضی اللہ عنہم کو سناتے تھے اور اب اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا۔ اسے

مردہ سنت کہنا درست ہے؟ جب کہ سنت کبھی مردہ نہیں ہوتی اس پر عمل چھوڑ دیا جاتا ہے؟ (محمد آصف چک نمبر 58/5R ہارون آباد ضلع بہاولنگر)

ج: ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کی قرأت کرتے تھے اور کبھی کبھی ہمیں ایک آیت سنا دیا کرتے تھے اور پہلی رکعت میں قرات دوسری رکعت سے زیادہ کرتے تھے۔ اسی طرح عصر اور صبح کی نماز میں بھی کرتے تھے۔

(صحيح البخاری كتاب الاذان باب يقراء فی الاخريين بفاتحة الكتاب ٧٧٦۔ صحیح مسلم كتاب الصلاة باب القراة فی الظهر والعصر ١٥٤۔١٥٥/٤٥١)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ظہر کی نماز جو سری پڑھی جاتی ہے اس میں ایک آیت سنائی بھی جا سکتی ہے۔ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی لازمی نہیں ہے وگرنہ آپ ﷺ اسے ہمیشہ سناتے۔ کبھی کبھار کوئی آیت سنا دینا بالکل جائز ہے اور اس پر آج بھی عمل کیا جا سکتا ہے۔ سنت کے مردہ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پر لوگ عمل نہیں کر رہے۔ جس سنت پر لوگ عمل نہ کر رہے ہوں اس کو زندہ کرنا چاہیے تا کہ معلوم ہو کہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا۔ البتہ جس کام پر شریعت نے شدت اختیار نہ کی ہو اس پر تشدد کر کے امت مسلمہ میں افتراق و انتشار کا سبب نہیں بننا چاہیے۔

قصداً ترک کی ہوئی نمازوں کی قضاء

س: اگر کوئی شخص جان بوجھ کر نماز ترک کر دے پھر جب اللہ اسے توبہ کی توفیق دے تو کیا وہ اپنی ترک کی ہوئی نمازیں قضا کرے یا نہ کرے؟

ج: جب کوئی آدمی جان بوجھ کر نماز چھوڑ دے تو جب اسے اللہ نماز پڑھنے کی توفیق عطا کرے تو اسے ان چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا لازم نہیں کیونکہ قصداً نماز ترک کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور کافر آدمی حالت کفر میں ترک

کی ہوئی چیزوں کی قضا نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ کا صحیح مسلم میں ارشاد ہے: ((بین الرجل و بین الکفر والشرك ترك الصلاة)) ''آدمی اور کفر وشرک کے درمیان فرق نماز کا ترک کرنا ہے''۔ اور مسند احمد وغیرہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے نماز ہے جس نے اسے ترک کیا وہ کافر ہوگیا۔ اور اسی طرح ایک مشہور حدیث ہے کہ جس نے نماز جان بوجھ کر ترک کی وہ کافر ہوگیا۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قصداً نماز کا تارک دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے اور جب ایک آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے تو اسے کفر کی حالت میں ترک کی ہوئی چیزوں کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مرتدین کو جب وہ اسلام میں داخل ہوئے تو حالت ارتداد میں ترک کی ہوئی اشیاء کے اعادے کا حکم نہیں دیا اور جو علماء بے نماز کے کافر ہونے کے قائل نہیں ان کے نزدیک قصداً فوت شدہ نمازوں کی قضا کی جائے گی لیکن اس کی کوئی پختہ دلیل موجود نہیں البتہ اگر کسی آدمی سے غفلت یا سستی کی بنا پر کوئی نماز رہ جائے تو اسے یاد آ جانے پر اس فوت شدہ نماز کی قضا کر لینی چاہیے۔

نماز میں ایک آیت سے کم تلاوت کرنا

س نماز میں ایک آیت سے کم (سورۃ بقرہ کی آخری آیت) پڑھنے سے کیا نماز ہو جائے گی؟

ج نماز کے اندر ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ لازم ہے اس سے زائد جتنی چاہے قرأت کر لیں۔ خواہ فاتحہ کے بعد ایک آیت پڑھیں یا زیادہ نماز درست ہوگی۔

رفاعہ بن رافع الزرقی صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اس نے آپ کے قریب ہی نماز پڑھی پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹا تو آپ نے اس سے فرمایا نماز دوبارہ پڑھو' تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے بتائیے کہ میں کیسے کروں؟ آپ

نے فرمایا جب قبلہ کی طرف منہ کرو تو تکبیر کہو پھر سورۃ فاتحہ پڑھو پھر (قرآن میں سے) جو چاہو پڑھو۔ جب تم رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ دو اور اپنی پشت پھیلا دو' اپنا رکوع اطمینان سے کرو پس جب تم اپنا سر اٹھاؤ تو اپنی کمر سیدھی کر دو' یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں تک لوٹ جائیں' جب تم سجدہ کرو تو اپنا سجدہ اطمینان سے کرو پھر جب سر اٹھاؤ تو اپنی بائیں ران پر بیٹھ جاؤ پھر اسی طرح ہر رکعت میں کرو۔

(مسند احمد ۴/۳۴۰ علامہ نیموی حنفی لکھتے ہیں اس کی سند حسن ہے آثار السنن ص۲۱۴)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں فاتحہ ضروری ہے اس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے اور فاتحہ سے زائد قرات نمازی کی منشا پر چھوڑ دی ہے۔ لہٰذا آپ فاتحہ ضرور پڑھیں اور اس سے زائد قرأت جتنی چاہے کریں آپ کی نماز درست ہوگی۔

نماز کے لیے اذان دینا

س ایک آدمی گھر میں نماز ادا کرتا ہے اس کے لیے اذان دینا ضروری ہے یا نہیں۔ اگر نہیں دے گا تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟

ج نماز ادا کرنے کے لیے اذان دینا ضروری نہیں ہے اگر بغیر اذان کے جماعت کروالی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی اور اگر اذان کہہ لیں تو اس کا جواز ہے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے تو جماعت ہو چکی تھی تو انہوں نے اذان و اقامت کہی اور جماعت سے نماز ادا کی۔ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اذان اور اقامت کے بغیر جماعت کرانا بھی ثابت ہے جیسا کہ طبرانی کبیر اور کتاب الآثار وغیرھما میں منقول ہے۔

کوئی دلیل ایسی کتاب و سنت میں ہمیں معلوم نہیں جس سے یہ لازم آتا ہو کہ جماعت کے لیے اذان کہنا فرض و واجب ہے اس کے بغیر جماعت نہیں ہوتی۔ اذان تو صرف مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے اطلاع کا نام ہے۔

نماز میں آستینیں چڑھانا

س: نماز میں قمیص کی آستینوں کی کفوں کو چڑھانا جائز ہے یا نہیں صحیح حدیث کی رو سے واضح کریں۔

ج: قمیص کی کفیں چڑھا کر نماز پڑھنا سخت منع ہے جیسا کہ امام المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری میں حدیث بیان کی ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے (اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے) کہ نماز میں نہ بالوں کا جوڑا بناؤں اور نہ قمیص کا بازو اوپر چڑھاؤں۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں بالوں کا جوڑا بنانا اور بازو چڑھانا جائز نہیں۔ نماز کے دوران اکثر و بیشتر افراد کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بالوں یا کپڑوں کو درست کرتے رہتے ہیں یہ امور نماز کے منافی ہیں جب نماز ادا کر رہے ہوں تو اپنی ساری توجہ اور دھیان عبادت میں دینا چاہیے اور ان تمام حرکات سے اجتناب کرنا چاہیے جن کا نماز سے تعلق نہیں ہے۔

تشہد میں شہادت کی انگلی کا قبلہ رخ ہونا

س: کیا حالت نماز میں شہادت کی انگلی قبلہ رخ ہونی چاہیے اور نظر کا اس پر مرکوز ہونا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟

ج: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ جب نماز میں بیٹھ جاتے تو اپنی انگلی سے قبلہ رخ اشارہ کرتے اور اپنی نگاہ اسی پر رکھتے۔

(ابوعوانہ ۲/ ۲۴۶ ابن خزیمہ ۷۱۹)

یقیناً نبی ﷺ جب تشہد بیٹھ جاتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور شہادت والی انگلی سے اشارہ کرتے آپ کی نگاہ آپ کے اشارے سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔ (ابوعوانہ ۲/ ۲۴۷)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کی صورت میں شہادت کی انگلی اٹھا کر قبلہ رخ اشارہ کرنا اور نظر اس پر رکھنا مسنون ہے۔

نماز میں آخری دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورۃ پڑھنا

(س) کیا فرائض کی پچھلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے علاوہ بھی کوئی سورت پڑھ سکتے ہیں؟

(ج) فرائض کی پچھلی دو رکعات میں فاتحہ کے علاوہ کوئی سورۃ پڑھنا جائز ہے اور یہ جواز صحیح حدیث سے ثابت ہے صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی نماز ظہر اور عصر کی قرأت کا اندازہ اور تخمینہ لگاتے آپ نے ظہر کی پہلی رکعت میں سورۃ آلم تنزیل السجدہ جتنی قرأت کی اور دوسری روایت کے مطابق آپ نے ہر ایک رکعت میں تیس آیات کے برابر قرأت کی اور پچھلی دو رکعتوں مین پہلی دو رکعتوں کی قرأت کی مقدار سے آدھی قرأت کی اور نماز عصر کی پہلی دو رکعتوں میں نماز ظہر کی پچھلی دو رکعتوں کی قرأت کے برابر قرأت کی اور پچھلی دو رکعتوں میں پہلی دو رکعتوں کی قرأت سے آدھی قرأت کی (مشکوۃ ۱/۷۹) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورت بھی پڑھ سکتے ہیں کیونکہ آپ پہلی دو رکعتوں میں اگر تیس آیات پڑھتے تو پچھلی رکعتوں میں اس سے آدھی قرات پندرہ آیات بنتی ہیں جبکہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں معلوم ہوا کہ پچھلی رکعات میں فاتحہ کے علاوہ قرأت جائز و درست ہے۔

کیا رفع الیدین بتوں کی وجہ سے کیا جاتا تھا؟

(س) کیا یہ بات درست ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین اس لئے کروایا تھا کہ لوگ بغلوں میں بت رکھ کر آتے تھے۔

(ج) کسی صحیح تو کجا ضعیف روایت میں بھی یہ بات موجود نہیں ہے یہ لوگوں کو

اختراعی بات ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ رفع الیدین نماز کے دوران کرنا رسول اللہ ﷺ کی مبارک سنت ہے اور احادیث متواترہ اس پر دلالت کرتی ہیں لوگوں نے اس عظیم سنت کو ترک کرنے کے جو حیلے تراش رکھے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

بارش کی وجہ سے دو نمازیں جمع کرنے کا طریقہ

س بارش کی وجہ سے نماز جمع کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

ج بارش کی وجہ سے اگر کوئی مقیم نماز جمع کرنا چاہتا ہے تو وہ ظہر کو آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھے اور مغرب کو آخری وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں پڑھے سنن النسائی میں باب الوقت الذی یجمع فیه المقیم یعنی ایسا وقت جس میں مقیم نمازیں جمع کرے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس بات کی وضاحت کرتی ہے جو لوگ مقیم ہو کر ظہر کے ساتھ عصر یا مغرب کے ساتھ عشاء کو پڑھ لیتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں ہے۔ تفصیل کے لئے راقم کی کتاب "صلاۃ المسلم" ملاحظہ ہو۔

نوافل بیٹھ کر پڑھنے چاہئیں یا کھڑے ہو کر؟

س نوافل بیٹھ کر پڑنے چاہئیں یا کھڑے ہو کر بعض لوگ کہتے ہیں عشاء کے بعد والے نوافل بیٹھ کر پڑھنے چاہئیں قرآن وحدیث کی رو سے بیان کریں۔

(عبدالجبار پوٹھ شیر)

ج نوافل کھڑے ہو کر ادا کرنے چاہئیں تا کہ پورا ثواب ملے اگر کوئی آدمی عذر کے بغیر بیٹھ کر پڑھے گا تو اسے نصف اجر ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں انہیں بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی پورا اجر ہی ملتا تھا۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حدیث بیان کی گئی کہ آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا آدھی نماز ہے میں آپ ﷺ کے پاس آیا میں نے آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا میں نے اپنا

ہاتھ سر پر رکھا آپ نے کہا اے عبداللہ بن عمرو! تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا مجھے حدیث بیان کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے "آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا نصف نماز ہے"۔ اور آپ خود بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں آپ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی ایک کی مانند نہیں ہوں۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب جواز النافلۃ قائما وقاعداً ۷۳۵/۱۲۰)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمیں کھڑے ہو کر ہی نوافل ادا کرنے چاہئیں اگر بلا عذر بیٹھ کر پڑھیں گے تو آدھی نماز کا ثواب ملے گا۔ صرف رسول اللہ ﷺ ایسی ہستی تھیں جنہیں بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی پورا اجر ملتا تھا لہٰذا ہمیں پورا ثواب لینے کے لئے کھڑے ہو کر نفل ادا کرنے چاہئیں البتہ فرض نماز بلا عذر بیٹھ کر ادا کرنا صحیح نہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (مرعاۃ شرح مشکاۃ باب القصد فی العمل جلد چہارم)

کیا غیر ذمہ دار شخص امامت کے لائق ہے؟

س جو شخص کسی ہمسایہ کے گھر میں تانک جھانک کرے وہ امامت کرانے کا اہل ہے یا نہیں قرآن وحدیث کی روشنی میں تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

(غلام مصطفیٰ انجم احباب کالونی)

ج بشرط صحت سوال ایسا امام جو کسی کے گھر میں تانک جھانک کرے اسے امامت کا حق نہیں ہے۔ امام اعلیٰ صفات کا مالک ہونا چاہئے، جیسا کہ سنن الدارقطنی میں حدیث ہے کہ اپنے میں سے بہتر شخص کو امام بناؤ اور نظر بازی شرعاً حرام ہے اور فعل حرام کا ارتکاب بالخصوص امام کے لئے تو قطعاً درست نہیں اور ایسا امام تو مقتدیوں کی نظر میں بھی مقام کھو دیتا ہے اور مقتدی اس سے کراہت کرنے لگ جاتے ہیں اس کے متعلق یہ حدیث پیش نظر رہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"تین آدمیوں کی نماز ان کے سروں سے اوپر ایک بالشت بھی نہیں اٹھائی

جاتی۔'' (ابن ماجہ ۹۷۱، المعجم الکبیر ۲/۱۵۴/۳)

ان میں سے ایک آدمی وہ ہے جس نے کسی قوم کی امامت کی اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں اس حدیث کو امام نووی' امام عراقی اور علامہ بوصیری نے حسن اور صحیح قرار دیا ہے اور شیخ البانی نے مشکوٰۃ کی تحقیق میں اسے شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے اور یہ یاد رہے کہ امام کے ساتھ تعصب مذہبی اور بلاوجہ کوئی عداوت نہ ہو۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ اس حدیث پر لکھتے ہیں۔

امام کی نماز اوپر اس لئے نہیں اٹھائی جاتی کہ وہ امامت کے حق کو قائم نہیں کر رہا اور جب مقتدیوں کا اس کے ساتھ معاملہ مذہبی تعصب کی وجہ سے ہو تو یہ چیز اس میں داخل نہیں۔ (تحقیق ثانی مشکوٰۃ ۸/۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام شرعی عذر کی بنا پر مقتدیوں کے ہاں ناپسندیدہ ہو جائے تو وہ امامت کے حق کو قائم نہیں کر رہا۔ اسے اس صورت میں امام رہنے کا حق نہیں۔ مسجد کی انتظامیہ کو چاہئے کہ ایسے امام کی کوتاہی پر اسے متنبہ کریں اور اخلاص کے ساتھ اس کی اصلاح کریں اگر وہ اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو اسے امامت سے معزول کر دیں اور کسی مخلص' دیانتدار اور شریف باعمل شخص کا امامت کے لئے انتخاب کریں جو قرآن حکیم اور حدیث رسول ﷺ کا علم رکھنے کے ساتھ باعمل ہو۔

نماز کے اندر پاؤں کے ساتھ پاؤں ملانا

س نماز کے دوران میرے ایک دوست جو کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی سے انگلی ملاتے ہیں اس پر کچھ حضرات کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے براہ کرم قرآن و حدیث سے صحیح جواب دیں۔ (عبدالشکور نارووال)

ج نماز کے دوران صف درست کرنا اقامت صلوٰۃ میں سے ہے جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ اپنی صفوں کو درست کرو بلاشبہ صفوں کی درستگی اقامت صلاۃ میں سے ہے۔ (صحیح بخاری ۷۲۳)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

''صفوں کو قائم کرو اور کندھوں کو برابر کرو اور خالی جگہ بند کرو اور اپنے بھائیوں کے آگے نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لئے ہر خالی مقام نہ چھوڑو اور جو صف کو ملائے اللہ اسے ملائے اور جو صف توڑے اللہ اسے توڑے۔'' (ابوداؤد:٦٦٦)

ان صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازیوں کو صحیح صف بندی کا حکم دیا گیا اور دو نمازیوں کے درمیان جو خالی جگہ ہوتی ہے اسے پر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اگر ایک نمازی دوسرے نمازی کے ساتھ کندھا اور پاؤں ملا کر نہیں کھڑا ہوتا درمیان میں فاصلہ رکھتا ہے تو وہ شیطان کے لئے جگہ چھوڑتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ جب صفیں باندھتے تھے تو اپنے ساتھی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملاتے تھے۔

لہٰذا پورا قدم اور کندھا دوسرے نمازی کے ساتھ ملانا چاہیے۔

تشہد میں انگلی کو حرکت کس وقت دیں؟

س تشہد میں انگلی کو حرکت دینے کے بارے میں دو طرح کی احادیث آتی ہیں ایک میں نبی کریم ﷺ انگلی کو حرکت دیتے تھے۔ دوسری میں نہیں دیتے تھے۔ ان احادیث کی وضاحت کریں اور یہ بھی بتلائیں کہ تشہد میں انگلی کو حرکت کس وقت دینی ہے؟

ج تشہد میں سبابہ انگلی کو حرکت دینا نبی کریم ﷺ کی سنت ثابتہ ہے جیسا کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ لفظ ہیں۔

" ثم رفع اصبعه فرایته یحر کها و یدعو بها. "

کہ میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ نے اپنی انگلی کو اٹھایا پھر اس کو حرکت دیتے رہے اور دعا کرتے رہے۔

مولوی سلام اللہ حنفی شرح موطا میں لکھتے ہیں:

" وفيه تحريكها دائما اذ الدعاء بعد التشهد."

کہ اس حدیث میں ہے کہ انگلی کو تشہد میں ہمیشہ حرکت دیتے رہنا ہے کیونکہ دعا تشہد کے بعد ہوتی ہے۔علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں:

" ففيه دليل على ان السنة ان يستمر فى الاشارة تحريكها الى السلام لان الدعاء قبله."

اس حدیث میں دلیل ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ انگلی کا اشارہ اور حرکت سلام تک جاری رہے کیونکہ دعا سلام سے متصل ہے۔

اس کے علاوہ صرف ایک مرتبہ انگلی اٹھا کر رکھ دینا یا اشھد ان لا الہ الا اللہ پر اٹھانا' اس کے بارے میں صحیح احادیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی جبکہ یہ عمل مذکورہ صحیح حدیث کے منافی ہے۔

جس روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ تشہد میں انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے وہ حدیث بھی ضعیف ہے۔

کیونکہ اس میں محمد بن عجلان عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے بیان کرتا ہے اور محمد بن عجلان متکلم فیہ راوی ہے اس کے علاوہ چار ثقہ راویوں نے عامر بن عبداللہ سے اسی روایت کو بیان کیا ہے کہ لیکن اس میں لایحرکھا کا لفظ نہیں ہے۔معلوم ہوا یہ لفظ شاذ ہے امام مسلم نے بھی محمد بن عجلان کے طریق سے اسی روایت کو ذکر کیا ہے اس میں بھی لایحرکھا کا لفظ نہیں ہے۔

جبکہ اس کے مقابلہ میں وائل بن حجر والی روایت کو ابن الملقن' ابن القیم' امام نووی کے علاوہ علامہ ناصر الدین البانی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

صرف الہدایہ فی تخریج احادیث البدایہ کے مولف نے اس حدیث کو شاذ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ''یحرکھا'' والے لفظ صرف زائدہ بن قدامہ ابو عاصم سے بیان کرتا ہے۔زائدہ کے علاوہ عاصم کے دوسرے شاگرد یشیر بیدہ کا لفظ ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات تحقیق اور انصاف سے عاری ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ سب محدثین نے اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اشارہ والی احادیث کے ثبوت سے حرکت دینے کی نفی نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا کی صحیح حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کو بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور صحابہ پیچھے کھڑے تھے۔ فاشارا الیھم ان اجلسوا ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ (متفق علیہ)

اس حدیث سے عقل مند آدمی یہ سمجھے گا کہ آپ کا یہ اشارہ صرف ہاتھ کو اٹھا دینا نہیں تھا جیسا کہ سلام کے جواب میں کرتے تھے۔

بلکہ یہ اشارہ ایسا تھا جس سے سمجھ آتی تھی کہ آپ بیٹھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ یہ اشارہ حرکت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔

اس مثال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اشارہ والی احادیث کو تحریک والی احادیث کے مخالف قرار دینا درست نہیں ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر والی روایت کہ یہ انگلی شیطان کے لئے لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

اس حدیث کو حرکت نہ دینے کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ اس میں حرکت نہ دینے کی صراحت موجود ہی نہیں ہے جبکہ حرکت دینا وائل بن حجر کی حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔

اگر اس کو تسلیم کر لیں کہ اس میں حرکت نہ دینے کی صراحت ہے تو پھر صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ دونوں امر جائز ہیں جیسا کہ علامہ صنعانی نے سبل السلام میں اسے ترجیح دی ہے۔

لیکن پہلی بات زیادہ پختہ ہے کیونکہ وائل بن حجر ایک خاص اہتمام کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کر رہے ہیں اور خاص کر تشہد کی حالت کا اور تشہد میں ایسی چیزیں انہوں نے بیان کی ہیں جو کسی نے بھی بیان نہیں کیں اس لئے ان کی

روایت کو ترجیح ہوگی۔ واللہ اعلم۔

زیادہ تفصیل کے لئے علامہ ناصر الدین البانی کی کتاب ''تمام المنۃ'' کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

فرض سے قبل نفلی رکعتوں کا بیان

(س) کیا عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز ادا کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اس طرح مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت ادا کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(ج) عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت نماز صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا)).

''اللہ اس آدمی پر رحم کرے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت ادا کیں''۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی الاربع قبل العصر (۴۳۰) ابوداؤد ۱۲۵۱' مسند احمد ۲/ ۱۱۵ ابن خزیمہ ۱۱۹۳' ابن حبان ۶۱۶)

اس کے متعلق بسند حسن علی رضی اللہ عنہ سے روایت بھی ہے کہ

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ)).

''رسول اللہ ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور دو رکعتوں کے درمیان ملائکہ مقربین اور ان کی اتباع کرنے والے مسلمانوں' مومنوں پر سلام کے ذریعے فاصلہ کرتے تھے۔

(مسند احمد ۱/ ۸۰' ۱۴۲' ۱۴۳' ۱۴۶' ابن ماجہ ۱۱۶۱ ترمذی ۴۲۹' ۵۹۸' ۵۹۹)

ان ہر دو قولی اور فعلی احادیث سے ثابت ہوا کہ عصر سے پہلے چار رکعت ادا کرنا بالکل جائز و درست ہے اور نبی ﷺ نے یہ رکعات ادا کرنے والے کے لئے رحم کی

دعا کی ہے اور خود بھی اس پر عمل کیا ہے۔

اسی طرح مغرب سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرنا بھی صحیح و درست ہے اور قولی و فعلی دونوں حدیثوں سے ثابت ہے صحیح البخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مغرب سے پہلے نماز پڑھو' مغرب سے پہلے نماز پڑھو تیسری بار فرمایا جو چاہے پڑھ لے یہ آپ نے اس لئے کہا کہ کہیں لوگ اسے مستقل سنت نہ بنا لیں۔ صحیح ابن حبان وغیرہ میں عبداللہ المزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی۔ (صحیح ابن حبان ۶۱۵ موارد الظمآن)

لہٰذا یہ دو رکعت بھی اگر کوئی ادا کرنا چاہے تو بالکل جائز اور درست ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

وتر کی آخری رکعت

(س) کیا وتر کی آخری رکعت میں شامل ہونے سے ایک وتر ادا ہو جاتا ہے۔

(محمد جاوید کوڑے شاہ زیریں ضلع ساہیوال)

(ج) نماز باجماعت کی صورت میں مقتدی کو اتنی رکعات ہی ادا کرنی چاہئیں جتنی امام پڑھتا ہے یہ بات درست نہیں کہ امام تین رکعات نماز پڑھائے اور مقتدی آخری رکعت میں شریک ہونے سے یہ سمجھ لے کہ مجھے ایک رکعت وتر مل گیا ہے۔ مقتدی کی تعداد رکعات اتنی ہونی چاہیئے جتنی امام نے پڑھائی ہیں۔ اس کی دلیل ایک تو یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ. الحدیث (متفق علیہ) ''امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے''۔

اور دوسری حدیث میں ہے کہ "فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوْا" (متفق علیہ) ''جو نماز تم امام کے ساتھ پالو وہ پڑھ لو اور جو تم سے رہ گئی اسے پورا کرلو۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی پیروی کرنی چاہیئے جتنا حصہ نماز کا ملے وہ پڑھ لیں باقی ماندہ پورا کریں لہٰذا امام اگر تین وتر پڑھائے اور مقتدی ایک رکعت پائے

تو اسے اٹھ کر باقی دو رکعت پوری کرنی چاہئیں۔

نماز باجماعت پر تکبیر تحریمہ

س جب نماز باجماعت ادا کی جائے تو کیا مقتدی کو اللہ اکبر کہنا ہوگا یا نہیں اور اسی طرح رکوع سے اٹھتے وقت مقتدی کے پیچھے سمع الله لمن حمده کہے گا یا نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ عورت جماعت کرواسکتی ہے یا نہیں۔

(راشد محمود نزد ریلوے پھاٹک احمد آباد ملتان)

ج مقتدی کو اللہ اکبر اور سمع اللہ لمن حمدہ کہنا چاہئے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "اذا کبر فکبروا"۔ (متفق علیہ) ''جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو''۔ اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((کان رسول الله ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربنا لك الحمد)). (بخاری)

رسول اللہ ﷺ جب سمع الله لمن حمده کہتے تو اللهم ربنا لك الحمد کہتے' رسول اللہ ﷺ اکثر امام ہوتے تھے لیکن آپ مقتدی بھی بنے ہیں جیسا کہ سنن ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی اور یہ حدیث عام ہے آپ کی دونوں حالتوں یعنی امامت اور اقتداء کو شامل ہے لہٰذا مقتدی بھی سمع الله لمن حمده کہے اس کے بارے راقم کا مفصل فتویٰ مجلہ الدعوۃ نومبر ۲۰۰۰ء میں ملاحظہ کریں۔

قضا نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ

س سابقہ قضا نماز کا کیا طریقہ کار ہے اور جس آدمی سے سفر میں نماز قضاء ہو جاتی ہے ان کا کیا طریقہ ہے کیا وہ پوری نماز پڑھے یا کہ آدھی۔

(آصف محمود سلیم کراکری سٹور حویلیاں)

ج فوت شدہ نمازوں کو ترتیب کے ساتھ پڑھنا چاہئے نبی ﷺ کی غزوہ احزاب میں بعض نمازیں فوت ہوگئیں تو انہوں نے ترتیب سے ادا کی تھیں صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ خندق والے دن آئے تو کفار قریش کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور کہا اے اللہ کے رسول آج میں بمشکل سورج ڈوبتے نماز پڑھ سکا۔ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے تو ابھی نماز نہیں پڑھی اس کے بعد ہم رسول ﷺ کے ساتھ وادی بطحان اترے آپ نے نماز کے لئے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا پھر غروب شمس کے بعد عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ نبی ﷺ کو اس نماز کے فوت ہو جانے کا اس قدر ملال تھا کہ آپ نے مشرکین پر بددعا کی چنانچہ صحیح بخاری میں علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے خندق والے دن کہا۔ اللہ ان مشرکین کے لئے ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جس طرح انہوں نے ہمیں نماز وسطی سے مشغول رکھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔

مسند احمد اور مسند شافعی میں ہے کہ انہوں نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں سے روکے رکھا آپ نے ساری نمازیں اکٹھی پڑھیں۔

امام نووی نے فرمایا ہے کہ ان روایتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جنگ خندق کئی روز رہی پس کسی دن دوسری صورت ہو (الرحیق المختوم عربی ص ۳۰۵)

معلوم ہوا کہ فوت شدہ نمازیں ترتیب سے ادا کرنی چاہئیں۔ مسافر کو اللہ نے حالت سفر میں دو سہولتیں عطا کی ہیں۔ ۱۔ نماز قصر ۲۔ جمع کر کے پڑھنا یعنی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء اور جس نے حالت سفر میں اس سہولت سے فائدہ نہیں اٹھایا اور واپس گھر آ گیا تو یہاں حالت اقامت میں پوری نماز ادا کرے۔

نماز میں رونا

س کیا حالت نماز میں عذاب وغیرہ کی آیات سن کر رونا جائز ہے کئی لوگ نماز میں اس طرح روتے ہیں کہ بسا اوقات ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست

ہے؟

ج رسول کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تھے تو رحمت کی آیات کے پاس آپ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور عذاب والی آیات کا جب ذکر آتا تو آپ رک کر اللہ سے پناہ مانگتے تھے جو لوگ نماز میں اللہ کے حضور روتے ہیں ان کی تعریف اللہ نے کرتے ہوئے کہا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا. ﴾ (اسراء:۱۰۷،۱۰۹)

جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا جب ان پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں وہ سجدے میں ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارا پروردگار پاک ہے یقیناً ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا. ﴾ (مریم:۵۸)

''اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور چن لیا جب ان پر رحمت کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور روتے رہتے ہیں۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بارے حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ حالت نماز میں جب قرات کرتے تو ہنڈیا کے ابلنے یا چکی کے چلنی کی طرح آواز آتی تھی۔ (مشکوۃ)

لہٰذا حالت نماز میں رونا درست ہے اور یہ رونا خشیت الٰہی اور عاجزی کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔

نماز کے متعلق شک

﴿س﴾ جب کسی شخص کو شک ہو کہ اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں تو وہ کیا کرے؟

﴿ج﴾ جب کسی مسلمان کو فرض نماز کے بارے میں شبہ ہو کہ اس نے پڑھی ہے یا نہیں تو اس صورت میں اسے فوراً نماز ادا کر لینی چاہئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلٰوۃِ أَوْ نَسِیَھَا فَلْیُصَلِّھَا إِذَا ذَکَرَھَا لَا کَفَّارَۃَ لَھَا اِلَّا ذٰلِکَ)). (متفق علیہ)

''جو آدمی نماز پڑھنے سے سو جائے یا بھول جائے تو جب اسے یاد آ جائے اسے پڑھ لے بس اس کا یہی کفارہ ہے''۔

نمازوں کا اہتمام کرنا مسلمان پر لازم ہے اس طرح با جماعت نماز ادا کرنے کی کوشش کی جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنِ ﴾

(بقرہ:۲۸)

''نمازوں کی حفاظت کرو اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی اور اللہ کے لئے فرماں بردار ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔''

اور فرمایا:

﴿ وَأَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَآتُوْا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ ﴾

(بقرہ:۴۳)

''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

لہٰذا نماز کا اہتمام کرنا اور جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہئے جو نماز کسی وجہ سے رہ جائے اسے جلد ہی یاد آنے پر ادا کر لیا جائے۔ نماز کی ادائیگی ہی اس کا کفارہ ہے۔

نماز میں خشوع وخضوع کا طریقہ

س میری نماز میں خشوع وخضوع اور حضورِ قلبی نہیں ہوتا مجھے نماز میں خشوع پیدا کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ (ابوعبدالرحمٰن سیاف، گجرات)

ج یہ بات ظاہر ہے کہ کامیاب مومن بننے کے لئے نماز میں عجز وانکساری اور خشوع وخضوع کی ضرورت ہے جیسے اللہ نے فرمایا:

''یقیناً فلاح وکامیابی پائی ہے ان ایمان والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔''

نماز میں خشوع وخضوع پیدا کرنے کے کئی ایک ذرائع ہیں چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) انسان کو نماز کا معنی ومفہوم سیکھنا چاہئے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اور کر رہا ہے اس کو سمجھے قرات، دعا، ذکر واذکار کے الفاظ ومعانی پر غور کرے اور ذہن میں یہ بات ہو کہ میں عبادت کرتے ہوئے اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور اپنے رب سے محوِ گفتگو ہوں جیسا کہ حدیث جبریل میں احسان کا معنی بتلایا گیا ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اسے کم از کم یہ خیال ضرور رہے کہ اللہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس طریقے سے نماز کی لذت انسان محسوس کرے گا اور نماز آنکھوں کی ٹھنڈک بن جاتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔ (مسند احمد ۳/ ۱۲۸، ۱۹۹، ۲۸۵ حاکم ۲/ ۱۶۰)

لہٰذا فقہ الصلوٰۃ سے آدمی کو باخبر رہنا چاہئے۔

(۲) ایسی سوچ وبچار کو دور کرنے کی کوشش کرے جو نماز میں آڑے آتی ہے وساوسِ شیطانی کو دفع کرے تاکہ شہواتِ نفسانی سے دل نکل کر اللہ کی محبت میں اٹک جائے۔

(۳) نماز پُرسکون طریقے سے ادا کرے جلد بازی سے کام نہ لے جب تک نماز میں سکون واطمینان نہ ہو نماز ادا نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں جو نماز میں رکوع وسجدہ صحیح ادا نہیں کرتا اسے نماز کا چور قرار دیا گیا ہے۔ (حاکم ۱/ ۲۲۹۔ مسند احمد ۵/ ۳۱۰) ایک

حدیث میں رکوع وسجدہ میں ٹھونگے مارنے والے کو اس بھوکے آدمی کی طرح قرار دیا گیا ہے جو ایک یا دو کھجوریں کھاتا ہے اور یہ اسے کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/۳۳۲ طبرانی کبیر ۴/۱۱۵)

(۴) نماز کے اندر موت کو یاد کرے جب موت یاد آئے گی تو نماز عمدہ طریقے سے ادا کرے گا اور یہ یقین کر کے نماز پڑھے کہ اسے شاید اگلی نماز پڑھنے کا موقعہ نہ ملے جیسا کہ مسند احمد، ابن ماجہ، المعجم لابن الاعرابی میں حدیث ہے اور شیخ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۵) نماز کی دعائیں اور اذکار زیادہ سے زیادہ یاد کرے اور مختلف نماز میں مختلف دعائیں اور اذکار جو احادیث صحیحہ میں وارد ہیں پڑھے کیونکہ ایک مختصر سی دعا جو یاد کی ہوتی ہے وہ آدمی کی عادت اور روٹین میں آجاتی ہے پھر اس کی زبان پر ورد تو جاری ہوتا ہے لیکن دل فکر سے خالی ہوتا ہے یعنی ہماری نماز بطور عادت ہوتی ہے عبادت نہیں جب نماز کے اذکار مختلف یاد ہوں گے اور بدل بدل کر پڑھے گا تو نماز میں دھیان اور توجہ رہے گی اور خشوع وخضوع حاصل ہوگا۔ نماز کے اذکار کے لئے راقم کی کتاب صلاۃ المسلم یا حصن المسلم وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

(٦) اگر نماز میں وسوسہ آجائے تو اپنے بائیں جانب تین مرتبہ تھوک کر اعوذ باللہ پڑھ لیں۔ (صحیح مسلم ۲۲۰۳۔ احمد ۴/۲۱٦) اس طرح شیطان جو نماز کو بھلا دیتا ہے اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

(۷) جس جگہ نماز ادا کرے نقش ونگار، تصاویر وغیرہ نہ ہوں۔

(صحیح البخاری ۳٦۷۔ صحیح مسلم ۲۱۰۷)

کیونکہ یہ اشیاء نماز سے توجہ ہٹا دیتی ہیں۔

(۸) اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کریں تاکہ نیکی کی رغبت ہو اور برے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کریں۔

(۹) اگر حاجت تنگ کر رہی ہے تو پہلے حاجت کو جائے پھر نماز ادا کرے۔ پیشاب یا

پاخانہ روک کر نماز پڑھنا درست نہیں۔(ابن ماجہ ٦١٧)

(١٠) نیند کا غلبہ ہو تو پہلے نیند پوری کر لے پھر نماز پڑھے (صحیح بخاری ٢٠٩ صحیح مسلم ٧٨٦)

(١١) گفتگو کرنے والے آدمی کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھے۔

(ابوداؤد ٦٩٤، حاکم ٤/٢٧٠)

کیونکہ اس کی گفتگو بھی نماز سے غافل کرنے کا باعث ہو سکتی ہے۔

(١٢) دوران نماز نظر ادھر ادھر نہ گھمائے۔(ابوداؤد ٩٠٩)

(١٣) اسی طرح کبھی رات کا قیام کیا کرے اور اگر ممکن ہو تو معمول بنالیں اس سے بھی خشیت الٰہی نصیب ہوتی ہے اگر مذکورہ بالا امور پر توجہ دی جائے تو اللہ کے فضل وکرم سے نماز میں خشوع وخضوع نصیب ہو جاتا ہے اللہ ہمیں ایسا نمازی بنائے کہ ہم اس کی بندگی صحیح نہج پر کرسکیں اور شیطانی وساوس اور عجز وانکساری سے دور کرنے والے ذرائع سے اللہ محفوظ فرمائے۔آمین

اشراق کی نماز کا وقت

س اشراق کی نماز اس وقت ادا کرتے ہیں جب سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے حالانکہ حدیث کی رو سے سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا ہے اس وقت نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (ذوالفقار احمد' راہوالی)

ج جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو نماز ادا کرنا درست نہیں۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع شمس یا غروب شمس کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔(سنن النسائی ٥٦٥)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج کا کنارہ طلوع ہو تو نماز موخر کر دو یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے اور جب سورج کا کنارہ غروب ہو جائے تو نماز موخر کر دو یہاں تک کہ وہ غائب ہو جائے۔

(صحیح البخاری:٥٨٣)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب سورج کا کنارہ طلوع یا غروب ہورہا ہو تو اس وقت نماز کی ابتداء نہیں کرنی چاہئے یہاں تک کہ سورج بلند یا مکمل غائب ہو چکا ہو۔

اشراق کی نماز سورج کے طلوع ہوتے وقت ادا نہیں کی جاتی۔ یہ نماز اس وقت ادا کرتے ہیں جب سورج طلوع ہو کر ایک نیزے کے برابر ہو جاتا ہے اسے حدیث میں "ضحیٰ" کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے ضحیٰ کا معنی دن کا چڑھنا ہے یہ نماز دن چڑھنے سے لے کر سورج کے ڈھلنے تک پڑھی جاسکتی ہے اس کو حدیث میں "صلاۃ الاوابین" بھی کہا گیا ہے ملاحظہ ہو (صحیح مسلم باب صلاۃ الاوابین حین ترمض الفصال ۷۴۸)

نماز میں وساوس' خیالات

س: امام کے پیچھے تراویح پڑھتے وقت نیند یا کوئی دوسرا خیال آئے تو اعوذ باللہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ (محمد یٰسین راوی سپنگ رائیونڈ)

ج: عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول بلا شبہ شیطان میرے اور میری نماز اور قرات کے درمیان حائل ہو جاتا ہے وہ اسے مجھ پر خلط ملط کر دیتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے جب تو اسے محسوس کرے تو اس سے اللہ کی پناہ مانگ یعنی اعوذ باللہ پڑھ اور اپنی بائیں جانب تین بار تھوک ڈال۔ میں نے ایسا کیا تھا اور اللہ نے اسے مجھ سے دور کر دیا اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ (مشکوۃ ۷۷)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں اگر شیطان وسوسہ ڈالے تو اعوذ باللہ پڑھ سکتے ہیں اگر نیند کا ایسا غلبہ ہو کہ الفاظ کی پہچان مشکل ہو رہی ہو تو پہلے نیند کر لیں پھر نماز پڑھیں اور اگر ایسا غلبہ نہیں تو نماز پوری کر لیں اور سستی و کاہلی دور کریں۔

نماز تہجد

س: کیا تہجد کی بارہ رکعات اس طرح پڑھی جاسکتی ہیں کہ پہلے دو رکعت میں سے

پہلی رکعت میں بارہ مرتبہ سورۃ اخلاص اور دوسری رکعت میں گیارہ مرتبہ پڑھے پھر دو رکعت میں سے پہلی میں دس بار دوسری میں نو بار اسی طرح جب رکعتیں کم ہوتی جائیں تو سورۃ اخلاص بھی کم پڑھی جائے۔ حدیث کی روشنی میں واضح کریں۔ (تنویر احمد' حویلیاں)

ج نماز کے اندر سورۃ فاتحہ کے بعد انسان جتنی چاہے قرأت حسب استطاعت کر سکتا ہے جیسا کہ آپ نے ایک آدمی کو نماز کی تعلیم دیتے ہوئے کہا جب تم قبلہ رو ہو جاؤ تو سورۃ فاتحہ پڑھو اور اس کے بعد جو چاہو قرات کرو۔ (ابن حبان)

لیکن تہجد کی نماز میں مذکورہ صورت کی تخصیص میں کوئی صحیح حدیث ہمیں معلوم نہیں یہ کسی انسان کی ذاتی اختراع معلوم ہوتی ہے۔

پیشاب کی تکلیف میں نماز کا حکم

س جس آدمی کو پیشاب کے قطرے مسلسل آتے رہتے ہوں وہ کیا کرے نماز کس طرح ادا کرے۔ (ایک سائل لاہور)

ج جس شخص کو مسلسل پیشاب کے قطرے آنے کا مرض ہو اسے چاہئے کہ وہ ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کرلے اور نماز پڑھ لے جیسا کہ وہ عورت جسے استحاضہ ہوتا ہے یعنی اندر رگ پھٹنے کی بنا پر خون بہتا رہتا ہے اسے آپ ﷺ نے ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کرنے کا کہا ہے۔ عروہ بن زبیر فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں کہ انھیں استحاضہ کا مرض تھا تو نبی ﷺ نے اسے کہا جب حیض کا خون ہو جو سیاہ رنگ کا ہوتا ہے اور پہچانا جاتا ہے تو نماز سے رک جا۔ جب دوسرا خون ہو تو وضو کر اور نماز پڑھ وہ تو رگ ہے۔ (ابوداؤد' نسائی)

اور مناسب یہ ہے کہ سلسل البول جیسے مرض والا آدمی اور استحاضہ والی عورت اپنی شرمگاہ پر کپڑا باندھ لے تا کہ قطرے دیگر کپڑوں پر نہ لگیں جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے جو کہ موطا مالک کتاب الطہارۃ اور ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے۔

مقتدی رکوع سے سر اٹھاتے وقت کیا پڑھے

س: باجماعت نماز کے دوران جب امام رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو پیچھے مقتدی کو کیا کرنا چاہئے۔ (شیخ ثاقب رحیم محمدی' وہاڑی)

ج: مقتدی کو رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے بھی سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد پڑھنا چاہئے نبی کریم ﷺ تسمیع و تحمید دونوں کہتے تھے آپ اکثر اوقات امام ہی ہوتے تھے لیکن چند دفعہ مقتدی بھی بنے ہیں جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ میں ہے اور آپ کے تسمیع و تحمید کہنے کی احادیث عام ہیں دونوں حالتوں کو شامل ہیں تفصیل کے لئے مجلّہ الدعوۃ کی طرف مراجعت کریں۔

سجدے میں دعا

س: ہم نے ایک عالم دین کی تقریر سنی وہ کہہ رہے تھے کہ نفلی سجدے کے علاوہ دعا کرنا بدعت ہے یعنی سجدے میں دعا کرنے کے لئے نفل ادا کرے جب سجدے میں جائے تو پھر دعا کرے لیکن بعض کہتے ہیں کہ نفل کے علاوہ بھی سجدے میں دعا کی جا سکتی ہے۔ درست مسئلہ کیا ہے؟ اور دعا کس زبان میں مانگنی چاہئے۔

(اخت ابوحنظلہ چیچہ وطنی چک 47/12-L)

ج: سجدے کی حالت میں دعا مانگنا جائز و درست ہے خواہ سجدے نفلی ہوں یا فرضی رسول کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

((أَقْرَبُ مَايَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوْ الدُّعَاءِ)).

''بندہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب سجدے کی حالت میں ہوتا ہے پس تم کثرت سے دعا کرو۔'' (صحیح مسلم ۴۸۲/۲۱۵)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((وَأَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ)).

''سجدے میں دعا مانگنے میں محنت کرو یہ زیادہ مناسب ہے کہ تمہاری دعا قبول کی جائے۔'' (صحیح مسلم ۲۰۸/۴۸۹)

یہ احادیث صحیحہ عام ہیں ہر قسم کے سجدے کو شامل ہیں سجدہ خواہ نفلی ہو یا فرضی مناسب دعا کی جاسکتی ہے صرف نفلی سجدے کی تخصیص کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ نماز چونکہ عربی زبان میں ہے اسی لیے دعا بھی عربی میں ہی کریں۔ دنیا و آخرت کی بھلائی کی بے شمار دعائیں موجود ہیں وہ یاد کریں اور اپنی نمازوں میں اللہ تعالیٰ سے مانگا کریں اللہ تعالیٰ سب کی مشکلات آسان فرمائے۔ آمین اس مسئلہ پر راقم کا تفصیلی فتویٰ مجلۃ الدعوۃ میں طبع ہو چکا ہے۔

سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ

س نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صرف شروع میں ثناء کے بعد پڑھی جائے یا ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ، اسی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہری پڑھنی چاہیے یا سری۔ (تنویر احمد چک نمبر ۱۲۲ امراد بہاولنگر چشتیاں)

ج سورۃ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بالاتفاق پڑھنا ثابت ہے اختلاف اس کے جہری اور سری پڑھنے میں ہے کثرت سے احادیث صحیحہ اس کے سری پڑھنے کی موجود ہیں جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی وہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم باب حجة من قال لا یجهر بالبسملة ۵۰/۳۹۹)

البتہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھنا بھی ثابت ہے سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ (جزء للخطیب البغدادی ۴۱، ۱۸۰)

اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا باسند صحیح

ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ میں موجود ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ عرب ممالک سے مطبوعہ قرآن حکیم کے نسخوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو فاتحہ کی ایک آیت شمار کیا گیا ہے بہر کیف بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے دلائل زیادہ ہیں جبکہ بلند آواز سے پڑھنا بھی درست ہے۔ واللہ اعلم۔

اقامها الله و ادامها کہنا

س جب مکبر قد قامت الصلوٰۃ کہتا ہے تو اس وقت اقامہا اللہ وادامہا کہنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ (تنویر احمد چشتیاں)

ج یہ الفاظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں (ابو دائود کتاب الصلوٰۃ باب ما یقول اذا سمع الاقامة) میں مروی روایت صحیح نہیں اس کی سند میں شہر بن حوشب سے بیان کرنے والا راوی مجہول ہے۔ البتہ اقامت کا جواب دیتے وقت وہی کلمات کہیں جو مکبر کہتا ہے کیونکہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ)) (الحديث)

(ابوداؤد: ۵۲۳)

"جب تم موذن کو سنو تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے۔"

اور عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم والی حدیث میں حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے وقت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہنا ثابت ہے۔

لہٰذا ان کلمات کے علاوہ باقی کلمات اسی طرح کہیں جس طرح موذن کہتا ہے اور بخاری شریف کی ایک حدیث میں اقامت کو بھی ندا یعنی اذان ہی کہا گیا ہے۔

نماز کے لئے نیت

س نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرنے سے پہلے نیت کس طرح کرتے تھے کیا دل سے نیت کرتے تھے یا زبان سے ہی کسی قسم کے الفاظ ادا کرتے تھے بعض لوگ نماز کی

نیت اپنی مادری زبان میں کرتے ہیں کیا یہ شرعاً درست ہے۔

(اشفاق احمد مدنی کالونی سرگودھا روڈ جھنگ)

ج رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے انما الاعمال بالنیات (متفق علیہ) تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ نیت عربی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی فعل القلب یعنی دل کا ارادہ ہے لہٰذا نیت دل کے ساتھ ہی ہوتی ہے جو بھی کام کرنا ہو اس کا دلی ارادہ کر کے کر گزریں۔ زبان کے ساتھ کلمات ادا کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اعمال صالحہ بے شمار ہیں سب کی قبولیت کا انحصار نیت پر ہے درست نیت کے ساتھ کئے ہوں گے تو اچھا اجر و بدلہ ملے گا اور اگر کوئی عمل بری نیت سے کیا تو اس کا انجام بھی اسی طرح کا ہوگا۔ وضوٗ تیمّم غسل جنابت نماز روزہ زکوٰۃ حج جہاد وغیرھا جیسی بے شمار عبادات اور اعمال ہیں سب کے لئے لفظی نیت نہ بنائی ہے اور نہ ہی خود ایسا کیا ہے۔ تعجب ہے کہ لوگ نماز کے لئے تو اپنی مادری زبان میں نیت کر لیتے ہیں لیکن طہارت وضوٗ غسل وغیرہ اعمال کی کوئی لفظی نیت نہیں کرتے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان کس قدر مبنی بر حقیقت ہے کہ اگر کوئی انسان سیدنا نوح علیہ السلام کی عمر کے برابر تلاش کرتا رہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے زبان سے نیت کی ہو تو وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوگیا سوائے سفید جھوٹ بولنے کے اگر اس میں خیر و بھلائی ہوتی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے پہلے کرتے اور ہمیں بتا کر جاتے۔ (اغاثۃ اللہفان ۱/ ۱۰۸)

شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات دفتر اول حصہ سوم مکتوب نمبر ۱۸۶ میں لکھتے ہیں: زبان سے نیت کرنا رسول اللہ ﷺ سے بروایت صحیح اور نہ بروایت ضعیف ثابت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ زبان سے نیت نہیں کرتے تھے بلکہ جب اقامت کہتے تو صرف اللہ اکبر کہتے تھے پس زبان سے نیت بدعت ہے۔ مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے زبانی نیت ثابت نہیں بلکہ آپ کے اصحاب اور تابعین رحمہم اللہ اجمعین میں سے کسی سے بھی لفظی

نیت کا کوئی ثبوت نہیں اور بہ تصریح ائمہ یہ بدعت ہے۔

حضور ﷺ کی نماز

س: علقمہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور ﷺ کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ (ترمذی' ابوداؤد' ابن ابی شیبہ)

کیا یہ حدیث جو حضرت علقمہ نے روایت کی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں موجود ہے یا نہیں؟ (شفن خان' چاچڑ' سنٹرل جیل بہاولپور)

ج: یہ روایت صحیح بخاری میں تو موجود نہیں البتہ کئی محولہ کتب میں موجود ہے اور جمہور ائمہ محدثین کے ہاں ضعیف ہے اسے امام بخاری' امام احمد' امام یحییٰ بن آدم' امام ابن ابی حاتم' امام عبداللہ بن مبارک' امام ابن حبان وغیرھم جیسے جلیل القدر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں التحقیق الراسخ از حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اور نور العینین از حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ۔

سجدہ تلاوت کا حکم

س: وہ کون سی آیت ہے جس پر سجدہ لازم ہے؟

ج: قرآن مجید میں پندرہ ایسے مقامات ہیں جہاں سجدہ کرنا مسنون ہے بعض اہل علم نے سورۃ الحج کے دوسرے سجدے کو شمار نہیں کیا جبکہ کچھ لوگوں نے اس کی جگہ سورۃ ص کے سجدے کو شمار نہیں کیا اور تعداد چودہ ذکر کی ہے۔ راجح بات یہی ہے کہ یہ دونوں سجدے بھی مسنون ہیں۔ سورہ ص کا سجدہ صحیح بخاری (۱۰۶۹) میں مذکور ہے اور سورۃ الحج کے دونوں سجدے ابوداؤد (۱۴۰۲) کی حسن حدیث سے ثابت ہیں ان مقامات پر سجدہ کرنا یا نہ کرنا دونوں امور جائز ہیں البتہ سجدہ نہ کرنے سے کر لینا افضل ہے۔ لیکن اسے لازم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کا سجدہ کیا۔ بخاری (۱۰۸۱) صحیح بخاری کی دوسری حدیث میں حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۃ النجم سنائی اور آپ نے سجدہ نہیں کیا (۱۰۸۲) امام بخاری نے بھی سجدہ تلاوت کے مسنون ہونے کا باب ذکر فرمایا ہے (باب ما جاء فی سجود القرآن وسنتھا) سجدہ تلاوت کے ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ ملتا ہے کہ آپ نے جمعہ کے دن سورت نحل کی تلاوت فرمائی جب سجدے کا مقام آیا تو منبر سے نیچے اتر کر سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ آئندہ جمعہ آپ نے دوبارہ سورت نحل تلاوت فرمائی جب سجدہ کی آیت پر پہنچے تو فرمایا لوگو! ہم آیات سجدہ سے گزرتے ہیں جو سجدہ کرلے اس کا عمل صحیح ہے اور جو نہ کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (یہ کہہ کر) آپ نے سجدہ کیا۔ اس روایت میں نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول بیان فرماتے ہیں:

((اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرُضْ عَلَيْنَا السُّجُوْدِ اِلَّا أَنْ نَّشَاء)).

''بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدہ فرض نہیں کیا مگر ہم میں سے جو سجدہ کرنا چاہے (اس پر بھی کوئی حرج نہیں)۔'' (صحیح بخاری ابواب السجود ۱۰۷۷)

دوران نماز وضو ٹوٹنا

س نماز کے دوران اگر کسی کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا اس پر نماز چھوڑ کر وضو کرنا لازمی ہے؟ اس طرح اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟ نماز چھوڑ کر وضو کرنا پڑے گا یا کہ وہ نماز کو پورا کرے گا؟ (محمد شریف' کھڈیاں خاص ضلع مقصود)

ج نماز کے لئے وضو کا ہونا شرط ہے۔ جب وضو ٹوٹ جائے تو نمازی کو نماز چھوڑ کر چلے جانا چاہئے اور نئے سرے سے وضو کر کے نماز ادا کرنی چاہئے اگر امام ہے تو پیچھے سے کسی آدمی کو آگے کھڑا کر کے چلا جائے اور نئے سرے سے وضو کر کے نماز ادا کرے اور یہ بھی یاد رہے کہ نماز ابتداء سے شروع کرے نہ کہ جہاں سے چھوڑی تھی۔ سیدنا طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فِى الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وليعد الصَّلَاة.))

''جب تم میں سے کوئی آدمی نماز میں اپنی ہوا خارج کرے تو واپس جا کر وضو کرے اور نماز دوبارہ پڑھے''۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (ترمذی' ابوداؤد)

علماء احناف کے ہاں یہ مسئلہ ہے کہ اگر نمازی کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ چلا جائے اور وضو کر کے آئے اور اگر اس نے نماز کے منافی کوئی حرکت نہیں کی تو جہاں سے نماز چھوڑی تھی وہیں سے ابتداء کرے نئے سرے سے نماز ادا نہ کرے اور اس کی دلیل میں وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے قے یا نکسیر یا پیٹ کا کھانا یا مذی آ جائے وہ پھر جائے' وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے بشرطیکہ اس نے اس دوران کلام نہ کیا ہو۔ (ابن ماجہ ۱۲۲۱' دارقطنی ۱/۱۵۳'۱۵۵)

یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بلوغ المرام میں فرمایا ہے ضعفہ احمد وغیرہ اس حدیث کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ لہٰذا اس روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ نئے سرے سے وضو کر کے ابتداء سے نماز پڑھی جائے کیونکہ وضو نماز کے لئے شرط ہے۔

اکیلے شخص کا اقامت کہہ کر نماز کھڑی کرنا

س کیا اکیلا آدمی جب نماز ادا کرتا ہے تو اذان و اقامت کہہ سکتا ہے؟

(ماسٹر مطلوب صاحب' اٹک)

ج اگر نمازی اکیلا نماز پڑھے تو اذان و اقامت کہہ سکتا ہے۔ سنن ابوداؤد کی صحیح حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تمہارا رب ایسے چرواہے سے خوش ہوتا ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر اپنا ریوڑ چراتا ہے اور نماز کے لئے اذان کہتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے

میرے اس بندے کی طرف دیکھو جو اذان و اقامت نماز کے لئے مجھ سے ڈرتے ہوئے کہتا ہے میں نے اپنے اس بندے کو معاف کر دیا ہے اور میں نے اسے جنت میں داخل کر دیا ہے''۔ (سنن ابوداؤد/باب الاذان فی السفر)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی اکیلا نماز پڑھے تو اذان و اقامت کہہ سکتا ہے یہ اس کے لئے بخشش کا ذریعہ بنتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا نماز میں عمامہ باندھنا

س: کیا رسول اللہ ﷺ کو حالت نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ دیکھا گیا ہے؟

ج: نبی مکرم ﷺ کا عمل مبارک تھا کہ آپ پگڑی و عمامہ باندھتے لیکن یہ تصریح کہ حالت نماز میں آپ کو دیکھا گیا ہو' کا مجھے علم نہیں البتہ بعض احادیث ایسی موجود ہیں جن سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ آپ نے پگڑی باندھ کر ہی نماز پڑھائی ہوگی۔ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الوضوء باب المسح علی الخفین ۲۰۵)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سفر میں رسول اللہ ﷺ پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ پیچھے رہ گیا جب آپ نے اپنی حاجت قضا کر لی تو فرمایا کیا آپ کے پاس پانی ہے؟ میں آپ کے پاس لے کر آیا آپ نے اپنی ہتھیلیاں اور چہرہ دھویا اور اپنے بازوؤں سے کپڑا ہٹانے لگے تو جبہ کی آستین تنگ ہو گئی آپ نے جبے کے نیچے سے ہاتھ نکالا اور جبہ اپنے کندھوں پر ڈال دیا اور بازوؤں کو دھویا اور اپنی پیشانی اور پگڑی اور اپنے موزوں پر مسح کیا پھر سوار ہو گئے اور میں بھی سوار ہو گیا ہم جب قوم کے پاس پہنچے تو وہ نماز کے لئے کھڑے ہو چکے تھے انہیں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نماز پڑھا رہے تھے آپ نے ان کے ساتھ ایک رکعت پائی جب عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا تو انہوں نے ان کو نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو نبی ﷺ سے عمامہ اتارنا

اس موقع پر ثابت نہیں جس سے ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عمامہ باندھ کر ہی نماز پڑھی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

رکوع کے بعد سجدہ کرتے وقت ہاتھ پہلے گھٹنے بعد میں رکھیں

س میں نے آپ کی کتاب ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' میں پڑھا کہ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ زمین پر لگانا (نماز میں) بہتر ہے اور یہی صحیح موقف ہے اس کے برعکس میں نے صلوٰۃ المسلمین کتاب پڑھی ہے۔ انہوں نے دونوں طرح کی احادیث نقل کی ہیں اور آخر میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ صحابہ نے نبی ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں یہ عمل دیکھا کہ آپ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے لگاتے تھے اور ساتھ ہی واضح کیا کہ آخری عمل زیادہ قابل اتباع ہے اس کی وضاحت فرمائیں۔ (ابو علی عمر، گجرات)

ج نماز میں سجدہ کو جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھنا اور پھر گھٹنے یہی صحیح ہے اور صحیح احادیث سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے اور اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے۔ (ابوداؤد، نسائی، احمد)

اس حدیث کو امام نووی، امام عبدالحق الاشبیلی، امام زرقانی وغیرھم نے صحیح کہا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے وائل رضی اللہ عنہ کی روایت سے قوی قرار دیا ہے۔

(المجموع ۳/۴۲۱ ارواء الغلیل ۲/۷۸ بلوغ المرام)

نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ رکھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ایسے کیا کرتے تھے۔

(ابن خزیمہ، حاکم دارقطنی بیہقی)

امام حاکم و امام ذہبی نے اس حدیث کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا۔ مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ سجدہ جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھنے چاہئیں پھر گھٹنے اور صلوٰۃ المسلمین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو صحیح تسلیم کیا گیا ہے لیکن گھٹنے

پہلے رکھنے والی روایات کو صلوٰۃ المسلمین میں ضعیف گردانا گیا ہے صرف ابو قلابہ تابعی کا ایک اثر گھٹنے پہلے لگانے والا ذکر کیا ہے اوراس کی سند کو حسن کہا ہے اس اثر میں رسول اللہ ﷺ کے عمل یا حکم کی کوئی وضاحت نہیں جو صحیح احادیث کا معارضہ نہیں کرسکتا۔

نبی ﷺ کے عمل کی تصریح پچھلی احادیث میں موجود ہے اس لئے یہی بات صحیح و درست ہے کہ سجدہ جاتے ہوئے پہلے ہاتھ رکھیں پھر گھٹنے۔

عورتوں کو نماز میں پاؤں ڈھانپنے چاہئیں

س: کیا نماز میں خواتین کے پاؤں میں جرابیں ہونی چاہئیں؟ (ابوعلی گجرات)

ج: عورت کو نماز کی ادائیگی کے وقت اپنا سارا جسم چھپانا چاہئے ایک لمبے چوڑے کرتے اور بڑے دوپٹے کے ساتھ بھی نماز پڑھ سکتی ہے بشرطیکہ کرتہ اتنا لمبا ہو کہ پاؤں کی بالائی سطح بھی چھپ جائے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کیا عورت تہبند کے بغیر کرتے اور اوڑھنی (بڑی چادر) میں نماز پڑھ سکتی ہے آپ نے فرمایا: اگر کرتا اتنا لمبا ہو کہ قدموں کی پشت کو چھپا لے تو درست ہے۔ بلوغ المرام ابوداؤد (۶۳۹، ۶۴۰) اس روایت کو کئی ایک ائمہ نے موقوف قرار دیا ہے اور امام حاکم و امام ذہبی نے اسے بخاری کی شرط پر مرفوع قرار دیا ہے علامہ امیر یمانی صاحب سبل السلام میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ اس میں اجتہاد کو دخل نہیں (سبل السلام ۱/ ۳۰۵)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو نماز کی حالت میں اپنے پاؤں بھی ڈھانکنے چاہئیں۔ خواہ پاؤں کرتے کے اندر چھپ جائیں جب کرتا لمبا ہو یا جرابیں پہن لی جائیں۔

تشہد میں یہ دعا لازم ہے

س: کیا نماز میں حالت تشہد کے اندر کوئی دعا ضروری بھی ہے یا سب اختیاری

ہیں کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں۔

ج نماز کے آخری تشہد میں چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے ہر کوئی آخری تشہد سے فارغ ہو تو وہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ پکڑے۔

❶ جہنم کے عذاب سے۔

❷ قبر کے عذاب سے۔

❸ زندگی اور موت کے فتنہ سے۔

❹ مسیح ودجال کے شر سے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد وامواضع الصلوۃ بحوالہ مشکوۃ ۹۴۰)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نمازی کو آخری تشہد سے فارغ ہو کر یوں دعا کرنی چاہئے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَات وَمِنْ شَرِّ فتنة الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ اس کے بعد جو جی چاہے دعا مانگ لے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں آپ کی حدیث ہے وَلْيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ مِمَّا اَعْجَبَهٖ اِلَيْهِ جو دعا پسند ہو وہ مانگ لیں۔

مرد کی عورتوں کے لئے امامت

س کیا مرد عورتوں کو جماعت کروا سکتا ہے اگر کروا سکتا ہے تو کس صورت میں یعنی امام کے پیچھے عورتوں کی صف ہو گی یا امام کے پیچھے مردوں کی ایک صف ہونا ضروری ہے پھر اس کے بعد عورتوں کی صف ہو گی۔

(اشفاق بن یوسف' ۳۶ ج ب فیصل آباد)

ج مرد عورتوں کی امامت کروا سکتا ہے۔ عورتیں مرد کے پیچھے صف باندھیں گی ساتھ شریک نہیں ہوں گی۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پہلو میں نماز پڑھی اور عائشہ رضی اللہ عنہما نے ہمارے پیچھے نماز ادا کی۔ (احمد' نسائی)

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں اور ان کی ماں یا خالہ کو نماز انس رضی اللہ عنہ پڑھائی فرماتے ہیں آپ نے مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے کھڑا کر دیا۔ (احمد، مسلم، ابوداؤد)

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ دونوں حدیثین اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جب جماعت کے امام کے ساتھ ایک آدمی اور ایک عورت ہو تو آدمی دائیں جانب اور عورت ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگی۔ وہ مردوں کے ساتھ صف میں شامل نہیں ہوگی اور اس کا سبب فتنے سے ڈرنا ہے۔ (نیل الاوطار ۳/۲۰۴)

مذکرہ بالا احادیث سے یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ امام کے ساتھ کوئی مرد ہو تو عورتیں پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھ سکتی ہیں۔ اب رہا صرف مرد امام ہو اور خواتین مقتدی تو کیا اس طرح نماز جائز و درست ہے۔ نواب صدیق احسن خان رحمۃ اللہ فرماتے ہیں

عورتوں کو مرد کے پیچھے دیگر مردوں کی موجودگی میں نماز پڑھنے میں کوئی نزاع نہیں ہے اختلاف اس بات پر ہے کہ صرف مرد عورتوں کو نماز پڑھائے جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح صحیح نہیں دلیل پیش کرنا اس کے ذمے ہے۔

"ولیس فی صلاۃ النساء خلف الرجل معه الرجال نزاع و انما الخلاف فی فعلیه الدیلیل" (الروضۃ الندیہ ۱/۱۱۹)

جابر رضی اللہ عنہ کا اپنے گھر میں عورتوں کی امامت کروانا پھر اس پر رسول اللہ ﷺ کا سکوت کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مرد کی اقتداء میں عورتوں کی نماز درست ہے جیسا کہ (مسند ابی یعلی ۱۷۹۵، ۲/۱۹۷، ۱۹۸) بتحقیق مصطفیٰ عبدالقادر عطاء۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے (مجمع الزوائد ۲/۷۷) اسی طرح صحیح البخاری وغیرہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکون کا انہیں جماعت کرانا بھی اس کا موید ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں بدایۃ المجتہد ۱/۱۰۷ وغیرہ

ایک ہی جگہ دو جماعتیں

س: ایک ہی جگہ دو جماعتیں کروانا کیسا ہے یعنی ایک پہلے دوسری بعد میں دلیل سے واضح کریں۔ (اشفاق بن یوسف، فیصل آباد)

ج: نماز با جماعت ادا کرنا ضروری ہے بغیر عذر کے جماعت ترک کرنا گناہ ہے اس لئے کوشش یہ کرنی چاہئے کہ مسجد میں جا کر نماز با جماعت ادا کی جائے۔ لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے جماعت سے رہ جائیں تو پھر دیگر افراد کے ملنے پر دوسری جماعت کروا لینا جائز ہے۔ جیسا کہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اکیلا نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کیا ہے، کوئی آدمی جو اس پر صدقہ کرے؟ اور اس کے ساتھ نماز پڑھے۔ (ابوداؤد، كتاب الصلاة باب في الجمع في المسجد مرتين ٥٧٤) مسند احمد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظہر کی نماز پڑھائی پھر وہ آدمی داخل ہوا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جس مسجد میں جماعت ہو چکی ہو وہاں پر دوبارہ جماعت کروانا جائز ہے۔ امام احمد اور امام اسحاق بن راھویہ کا بھی یہی موقف ہے۔ (نیل الاوطار ۳/۱۷۱)

معلوم ہوا کہ اگر کسی وجہ سے آدمی لیٹ ہو جائے اور جماعت نکل جائے تو پھر وہ دوسری جماعت کروا سکتا ہے۔ ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ نماز مسجد میں ادا کریں اگر ہم جماعت کے حصول کی نیت سے گھر سے نکلیں اور ہمارے پہنچنے پر جماعت ہو چکی ہو تو پھر بھی ہم جماعت کا اجر حاصل کر لیتے ہیں جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اپنے وضو کو اچھے طریقے سے کیا پھر چل پڑا اور لوگوں کو اس حال میں پایا کہ انہوں نے نماز پڑھ لی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں کی مثل اجر دے گا جو نماز پڑھ چکے ہیں اور جماعت کو حاضر ہوئے ہیں ان کے اجر میں سے کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔ (ابوداؤد كتاب الصلوٰة

باب فیمن خرج یرید الصلوٰۃ فسبق بھا ٠٦٤ ۔ حاکم ۱/۲۰۸)

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی اور امام منذری نے الترغیب والترہیب میں اس کے حسن ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

لہٰذا ہر ممکن کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ ہم نماز مسجد میں با جماعت ادا کریں اگر کسی عذر کی وجہ سے پیچھے رہ جائیں تو دوسری جماعت بھی مل سکتی ہے اگر نہ ملے تب بھی جماعت کا ثواب مذکورہ حدیث کی بنا پر مل سکتا ہے۔

بغیر داڑھی والے امام کے پیچھے نماز

(س) جس شخص کے چہرے پر داڑھی مبارک نہ ہو کیا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جو لوگ داڑھی مبارک نہیں رکھتے ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ (محمد نصیر احمد، آزاد کشمیر)

(ج) مسلمان مرد کے لئے داڑھی رکھنا واجب ہے رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے واعفوا اللحی (بخاری وغیرہ)

داڑھی کو معاف کر دو یہ حکم کا صیغہ ہے اور حکم وجوب کے لئے ہوتا ہے یہاں تک کہ کوئی قرینہ ایسا مل جائے جو اسے واجب کے حکم سے نکالتا ہو یہاں کوئی قرینہ موجود نہیں۔ آپ ﷺ نے خود بھی داڑھی رکھی اور رکھنے کا حکم بھی دیا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کا حکم مان کر داڑھیاں رکھیں اور ائمہ محدثین کے ہاں داڑھی منڈے شخص کو امام بنانا جائز نہیں کیونکہ وہ اعلانیہ فسق کا مرتکب ہے البتہ اگر اس کا عقیدہ درست ہے اور وہ اس قبیح فعل کا مرتکب ہے کبھی اس نے نماز پڑھائی تو نماز ہو جائے گی کیونکہ فاسق و فاجر کے پیچھے بھی نماز ہو جاتی ہے لیکن ایسے شخص کو مستقل امام بنانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ مسئلہ داڑھی کی تفصیل کے لئے دیکھیں سید بدیع الدین شاہ راشدی علیہ الرحمۃ کی کتاب ''اسلام میں داڑھی کا مقام''۔

فرض نماز کی جگہ سنتوں کی ادائیگی

س نماز میں فرض پڑھنے کی جگہ پر سنتیں پڑھنا کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (عبدالمنان، شیخوپورہ)

ج جس وقت فرض نماز ادا کر لی جائے تو نوافل ادا کرنے کے لئے جگہ بدل لینی چاہئے یا کچھ کلام کر لینا چاہئے تاکہ فرض اور نفل میں فصل ہو جائے بغیر فصل کئے اس جگہ پر سنن و نوافل ادا نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ "عن لا توصل صلاۃ بصلاۃ حتی نتكلم او نخرج. ہم نماز کے ساتھ نماز نہ ملائیں حتی کہ ہم بات کر لیں یا نکل جائیں۔ (صحیح مسلم ۷۳/۸۸۳)

معلوم ہوا کہ فرض نماز ادا کرنے کے بعد اسی جگہ بھی سنتیں پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ فرض نماز کے بعد کچھ کلام کر لیا ہو اس طرح جگہ بدل کر بھی سنتیں ادا کر سکتے ہیں امام نووی وغیرہ نے جگہ بدلنے کو افضل قرار دیا تاکہ سجدہ کرنے کی جگہ زیادہ سے زیادہ ہو جائیں۔

قرآنی آیات کا جواب دینا

س سورۃ الاعلیٰ کی ابتدائی آیت سبح اسم ربک الاعلیٰ کے جواب میں سبحان ربی الاعلی مقتدیوں کو کہنا چاہئے یا امام کو اسی طرح سورۃ غاشیہ کی آخری آیت کا جواب کیسے دینا چاہئے۔ (ابوساریہ جاوید اقبال، دیپالپور)

ج سبح اسم ربك الاعلى اور سورۃ غاشیہ کا جواب دینے والی روایت درست نہیں۔ یہ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مسند احمد اور ابوداؤد وغیرہ میں مروی ہے اس کی سند میں ابواسحاق السبیعی راوی مدلس ہے اور انہوں نے اپنے استاد سے یہ روایت سننے کی وضاحت نہیں کی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دیگر ثقہ راویوں نے اس کو مرفوع کی بجائے موقوف بیان کیا ہے یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کی بجائے فعل صحابی ہے۔ علاوہ ازیں اس سے مقتدی کا سبحان ربی الاعلی کہنا بالکل ثابت نہیں ہوتا۔

صرف قاری کے لئے ہے۔ ہمارے ہاں یہ جو رواج بن چکا ہے کہ امام جب ایسی آیات تلاوت کرتا ہے تو مقتدی اس کا جواب دیتے ہیں یہ صحیح نہیں اس کے متعلق کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ البتہ امام یا قاری کے متعلق کچھ ثبوت ملتا ہے جیسا کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی صلاۃ اللیل کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ جب کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو تسبیح کہتے اور جب سوال والی آیت سے گزرتے تو سوال کرتے اور جب تعوذ والی آیت سے گزرتے تو پناہ پکڑتے۔ (صحیح مسلم وغیرہ)

عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ اور بیہقی ۲/۳۱۱ وغیرھا میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نماز جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلی پڑھنے پر سبحان ربی الاعلی کہنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی عبدالرزاق' ابن ابی شیبہ اور بیہقی میں جواب دینا حالت نماز میں وارد ہے۔ لہٰذا قاری یا امام یہ آیات پڑھتے ہوئے جواب دے تو درست ہے مقتدی یا سامع کے لئے ثبوت موجود نہیں۔

خطبہ جمعہ اور نماز کا الگ الگ امام

س: اگر خطیب جمعہ کا خطبہ دے اور دوسرا امام نماز پڑھائے تو کیا یہ عمل جائز ہے۔
(گلزار احمد سلفی' بھکر)

ج: نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا معمول تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خطبہ بھی خود ہی دیتے تھے اور نماز بھی خود ہی پڑھاتے تھے لیکن اگر کسی وقت ایک آدمی نے خطبہ دیا اور دوسرے نے جماعت کروا دی تو نماز ادا ہو جائے گی۔ نماز نہ ہونے کی کوئی دلیل معلوم نہیں۔

تراویح کے امام کے علاوہ دوسرے امام کا وتر پڑھانا

س: نماز تراویح میں یہ عمل دیکھنے میں آیا ہے کہ تراویح ایک امام پڑھاتا ہے جبکہ وتر

کی جماعت دوسرا امام کراتا ہے کیا یہ عمل قرآن وسنت کے مطابق ہے۔(سائل مذکور)

ج نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ سے امام کے لئے جو شرائط ملتی ہیں ان میں یہ بات کہیں بھی موجود نہیں کہ تراویح اور وتر کے لئے ایک امام ہونا چاہئے کوئی بھی صحیح العقیدہ امام ہو اس کی اقتداء میں نماز ادا کرلیں۔ دونوں کے لئے ایک امام بھی نماز ادا کرسکتا ہے اور الگ الگ امام بھی اگر نماز پڑھادیں تو کوئی قباحت نہیں۔

خطبہ چھوٹا اور نماز لمبی والی حدیث کا مفہوم

س صحیح مسلم کی حدیث کا مفہوم ہے کہ خطبہ چھوٹا اور نماز لمبی امام کے عقل مند ہونے کی نشانی ہے آپ یہ بتادیں قرآن وحدیث کی روشنی میں اس سے کیا مراد ہے اگر واقعی یہ مراد ہے کہ خطبہ چھوٹا اور نماز لمبی ہونی چاہئے تو اس صحیح حدیث پر عمل کب ہوگا۔(ابوعثمان ننکانہ)

ج صحیح مسلم کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلاۃ والخطبہ ۸۶۹ میں عمار رضی اللہ عنہ کے الفاظ یوں ہیں "ان طول صلاۃ الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فأطيلو الصلاة وأقصرو الخطبة وإن من البيان سحرا" بلاشبہ آدمی کی نماز کا لمبا ہونا اور اس کے خطبے کا چھوٹا ہونا اس کی فقاہت کی علامت ہے تم نماز لمبی کرو اور خطبہ چھوٹا کرو بلاشبہ بعض بیان (موثر ہونے کے لحاظ سے) جادو (اثر) ہوتے ہیں۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کی نماز خطبہ جمعہ سے لمبی ہو بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نماز جمعہ عام نمازوں سے لمبی ہو اور خطبہ جمعہ عام خطبات سے چھوٹا ہو۔ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے طویل خطبہ بھی دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فجر کے بعد ظہر تک پھر ظہر سے عصر تک پھر عصر سے سورج غروب ہونے تک بھی خطبہ دیا جس میں آپ نے گزشتہ اور مستقبل کی باتوں کا ذکر فرمایا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے تھے ان دونوں کے درمیان آپ بیٹھتے تھے۔ آپ (ان میں) قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے

آپ کی نماز درمیانی ہوتی اور خطبہ بھی درمیانہ ہوتا (صحیح مسلم کتاب الجمعہ ۸۶۶) اسی طرح ام ہشام کی روایت میں ہے کہ انہوں نے سورۃ ق والقرآن المجید نبی کریم ﷺ سے خطبہ جمعہ میں سن کر یاد کی۔ (صحیح مسلم ۸۷۳)

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ جمعہ درمیانہ ہونا چاہئے عام خطبوں کی طرح لمبا نہ ہو اور نماز جمعہ عام نمازوں سے لمبی ہو کیونکہ عام طور پر امام کو نماز ہلکی پڑھانے کا امر ہے جو نمازیوں پر مشقت کا باعث نہ ہو اور پھر یہ بھی یاد رہے کا ایک خطبہ نہیں بلکہ دو ہوتے ہیں' اس لئے جمعہ کے دو خطبوں کا وقت تو نماز سے زیادہ ہی ہو گا واللہ اعلم بالصواب۔

بارش کے دوران نماز جمع کرنا

س: ہمارے ہاں بارش کے دوران کچھ لوگ مغرب اور عشاء کی نماز اکٹھی کر کے پڑھتے ہیں اور اس عمل کے اثبات کے لئے دلیل مسلم کی اس حدیث کی دیتے ہیں کہ نبی ﷺ نے بغیر سفر اور خوف کے مغرب وعشاء اور ظہر وعصر کی نمازیں اکٹھی کر کے پڑھی ہیں لہٰذا بارش کی وجہ سے بالا ولی ایسا کرنا جائز ہے جبکہ فریق ثانی مسلم شریف کی دوسری حدیث پیش کرتا ہے کہ نبی ﷺ نے موذن کو صلوا فی رحالکم یا الا اصلوا فی بیوتکم کہنے کا حکم دیا تھا اور نمازیں جمع کرنا بھی ہوں تو عصر اور مغرب موخر کر کے پڑھنی چاہئے۔ جب کہ فریق اول مغرب کے وقت میں ہی نماز عشاء ادا کرتے ہیں جو کہ قرآن مجید کی اس آیت کے منافی ہیں ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری اس مسئلے میں رہنمائی فرمائیں۔ (عبدالرحمٰن خطیب جامع مسجد عثمانیہ اہل حدیث بمبانوالہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ)

ج: اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز اوقات مقررہ میں فرض کی ہے جیسا کہ سوال میں آیت ذکر کی گئی ہے لہٰذا ہمیں ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرنی چاہئے وقت سے نکال کر صرف وہی نماز ادا ہو سکتی ہے جس کی کوئی شرعی دلیل موجود ہو' بغیر دلیل کے کسی نماز

کو اس کے وقت سے قبل ادا نہیں کر سکتے۔ اسی طرح نمازوں کو جمع کرنے کے لئے بھی دلیل کی حاجت ہے۔ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازوں کو جمع کیا ہے اگر سفر زوال شمس کے بعد کرتے تو ظہر کے وقت میں عصر بھی پڑھ لیتے تھے اسی طرح مغرب کے وقت میں عشاء ادا کر لیتے اور اگر سفر زوال سے پہلے کرتے تو ظہر کو لیٹ کرتے اور عصر کو اول وقت ادا کر لیتے۔ اسی طرح مغرب کو لیٹ کرتے اور عشاء کو اول وقت میں پڑھ لیتے۔ ملاحظہ ہو (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ١٢٢٠، ١٢٠٨، بیہقی ٣/١٦٢، دار قطنی ١/٣٩٣ ترمذی ٥٥٣، المسند المستخرج لابی نعیم ٢/٢٩٤) اب رہا مقیم آدمی کے لئے نماز جمع کرنا اور اس کا طریقہ کار تو بسا اوقات مقیم آدمی بھی نماز جمع کر سکتا ہے (صحیح مسلم ٧٠٥) اور مغرب وعشاء کو خوف وسفر کے بغیر جمع کر کے پڑھا ہے۔ مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے مدینے میں ایسا کیا ہے یہاں پر مابہ النزاع بات یہ ہے کہ مقیم جمع تو کر سکتا ہے لیکن اس کی جمع کا طریقہ کار کیا ہے کیا مقیم ظہر کے ساتھ عصر اور مغرب کے ساتھ عشاء پڑھ سکتا ہے یا ظہر کو لیٹ کرے اور عصر کو اول وقت میں ادا کرے اسی طرح مغرب کو لیٹ کرے اور عشاء کو اول وقت میں پڑھے تو ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ مقیم ظہر کے ساتھ عصر اور مغرب کے ساتھ عشاء جمع نہیں کر سکتا۔ اگر جمع کرنا چاہے تو ظہر کو لیٹ کرے اور عصر کو اول وقت میں پڑھے اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازیں۔ فریق اول کو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔

یہ مطلق جمع کا ذکر ہے اس کا طریقہ کار بیان نہیں ہوا۔ امام بخاری نے بھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے کہ "ان النبی ﷺ صلی بالمدینة سبعًا و ثمانیا الظهر و العصر و المغرب و العشاء". (صحیح البخاری ٥٤٣)

بے شک نبی ﷺ نے مدینہ میں سات اور آٹھ رکعات جمع کر کے ادا کیں یعنی ظہر وعصر اور مغرب وعشاء اس حدیث پر امام بخاری نے کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں یوں باب قائم کیا ہے' باب تاخیر الظهر الی العصر یعنی ظہر کو عصر تک موخر کرنے کا بیان سید الفقہاء امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف

اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں ظہر کی نماز کو عصر تک تاخیر کرنے اور مغرب کو عشاء تک تاخیر کرنے کا بیان ہے تا کہ نمازیں جمع بھی ہوں اور اپنے اپنے وقت میں ادا ہوں اور امام نسائی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو مفصل ذکر کر کے بات بالکل واضح کردی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِيًا جَمِيْعًا وَسَبْعًا جَمِيْعًا اَخِرَ الظُّهْرِ وَعَجِّلِ الْعَصْرِ وَاَخِرِ الْمَغْرِبِ وَعَجِّلِ الْعِشَاءِ"۔

(سنن النسائی ۵۸۸)

میں نے نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ میں آٹھ اور سات رکعات اکٹھی پڑھیں آپ نے ظہر کو لیٹ کیا اور عصر کو جلدی کیا اور مغرب کو لیٹ کیا اور عشاء کو جلدی کیا۔

امام نسائی نے اس حدیث پر یوں باب باندھا ہے۔ (الوقت الذی یجمع فیه المقیم) اس وقت کا بیان جس میں مقیم نماز جمع کرے نیز دیکھیں المسند المستخرج ۲/۲۹۶ ان احادیث صحیحہ اور آئمہ محدثین کی فقاہت سے واضح ہو گیا کہ مقیم آدمی نمازیں جمع کرنا چاہے تو اپنے اپنے اوقات میں پڑھے یعنی ظہر کو تاخیر سے اور عصر اوّل وقت میں اس طرح مغرب آخر وقت میں اور عشاء اول وقت میں لہٰذا فریق ثانی کا موقف درست ہے اور فریق اول غلطی پر ہے۔ واللہ اعلم



كتاب الجمعه

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ یا ایها الذین امنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع ذلکم خیر لکم إن کنتم تعلمون ﴾

[الجمعه : ۹]

''اے ایمان والو! جب جمعہ والے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ آؤ اور لین دین چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''

خطبہ جمعہ کا اہتمام

﴿س﴾ کیا کسی مسجد میں خطبہ جمعہ شروع کرنے کی کوئی شرائط ہیں۔ کیا کسی حدیث میں تصریح ہے کہ کتنی بڑی بستی اور کتنی تعداد میں لوگ موجود ہوں تو خطبہ جمعہ کا اہتمام کیا جائے۔ (تجمل حسین شوکت' اعوان آباد بالمقابل چونگی میانوالی تلہ گنگ)

﴿ج﴾ جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر فرض عین ہے سوائے چار اشخاص کے غلام' عورت' بچہ' مریض۔ (ابوداؤد' مستدرک حاکم)

اس کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

''اے ایمان والو! جب جمعہ والے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ آؤ اور لین دین چھوڑ دو۔'' (جمعہ:۹)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی اہل ایمان ہوں گے وہاں جمعہ پڑھا جائے گا کیا دیہات والوں میں اہل ایمان نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے شہر یا بستی شرط نہیں بلکہ جہاں کہیں بھی اہل ایمان ہوں گے وہ نماز جمعہ پڑھیں گے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿وَذَرُوْا الْبَيْعَ﴾ سے مراد کاروباری منڈیاں ہیں اور یہ صرف شہروں میں ہوتی ہیں دیہاتوں میں نہیں یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں خرید و فروخت اور کاروبار نہ ہوتا ہو لوگ آپس میں لین دین نہ کرتے ہوں یہاں بیع سے مراد دنیا کے مشاغل ہیں اور وہ جیسے بھی ہوں اور جس قسم کے بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں اذان جمعہ کے بعد انہیں ترک کرنے کا حکم ہے' کیا اہل دیہات کے لئے مشاغل دنیا نہیں ہوتے؟ کیا کھیتی باڑی' دوکانداری' کاروبار مشاغل دنیا سے کوئی مختلف چیزیں ہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر جمعہ ضروری ہے خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ شہروں میں جمعہ ادا کرو اور دیہاتوں میں نہ کرو بلکہ آیت کریمہ اور حدیث میں مطلق



طور پر جمعہ کی فرضیت کا ذکر ہے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ ہزم النبیت جو حرۃ بنی بیاضہ میں ایک جگہ ہے وہاں جمعہ ادا کیا گیا تھا اور وہاں چالیس آدمی تھے۔ یہ مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر گاؤں واقع ہے۔ اسی طرح صحیح البخاری اور ابوداؤد میں ہے کہ عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ والی مسجد کے علاوہ اسلام میں پہلا جمعہ جواثی میں ادا کیا گیا جو بحرین کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات تھا۔

کتب احادیث میں جمعہ کے قیام کے لئے لوگوں کی تعداد یا بستی کا بڑا چھوٹا ہونا کوئی شرط نہیں لگائی گئی یہ لوگوں کی اپنی وضع کردہ شرائط ہیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہل بحرین کی طرف لکھا تھا "جَمِّعُوْا حَیْثُ مَاکُنْتُمْ" تم جہاں کہیں بھی ہو جمعہ ادا کرو۔ (فتح الباری' ابن ابی شیبہ) اہل دیہات کے جمعہ کے متعلق علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "التحقیقات العلی" ملاحظہ فرمائیں۔

علاقائی زبانوں میں خطبہ جمعہ

س کیا جمعہ کے دونوں خطبوں میں عربی کے علاوہ اور کوئی زبان استعمال کر کے مخاطبین کو مسائل سمجھائے جا سکتے ہیں۔ صحابہ کرام مختلف علاقوں میں پھیلے تھے انہوں نے وہاں جا کر کون سی زبان استعمال کی تھی اس مسئلہ کی وضاحت کریں۔

(تجمل حسین شوکت' تلہ گنگ)

ج خطبہ کا مقصود سامعین و حاضرین کو وعظ و نصیحت ہے جس بیان میں افہام (سمجھانا) نہ ہو وہ تو وعظ ہی نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کو ان کی قوم کی زبان سمجھا کر بھیجا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قومی زبان کے ساتھ تا کہ ان کے سامنے وضاحت سے بیان کر دے۔'' (ابراہیم:۴)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ خطاب کرنے والے حضرات کا خطبہ تب ہی

مؤثر ہوگا جب وہ سامعین کی زبان میں ہوگا اور اگر سامعین کی زبان کچھ اور ہو اور خطیب کی کچھ تو سامعین کو اس وعظ کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور مقصود فوت ہو جائے گا۔ صحیح مسلم وغیرہ میں خطبہ جمعہ کی حدیث میں ہے کہ "یَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَیُذَکِّرُ النَّاسَ" رسول اللہ ﷺ قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ کرتے۔ اور ظاہر ہے کہ افہام (سمجھانا) نہ ہو تو وعظ ہی نہیں ہوتا اور لفظ خطبہ بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ سامعین کی زبان کا لحاظ رکھنا چاہیے کیونکہ خطبہ خطاب سے ہے اور خطاب پر صرف عربی زبان کی پابندی اصل مقصود کو فوت کرتی ہے جو خطاب سے مقصود ہوتا ہے فتاویٰ شامی ۱/۵۴۳ میں مذکورہ مسئلہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''مصنف نے خطبہ کے عربی میں ہونے کی قید نہیں لگائی کیونکہ باب صفۃ الصلاۃ میں گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شرط نہیں خواہ سامعین عربی پر قادر ہی ہوں برخلاف صاحبین کے کیونکہ ان کے نزدیک عربی میں ہونا شرط ہے مگر عربی سے عاجز ہو تو پھر صاحبین کے نزدیک بھی غیر عربی میں جائز ہے''۔ معلوم ہوا کہ ائمہ احناف کے ہاں بھی خطبہ کے لئے عربی زبان شرط نہیں۔ صحابہ کرام میں عربی زبان کے علاوہ خطبہ دینے کی مثال اس لئے نہیں کہ ان کی اور ان کے سامعین کی زبان عربی تھی۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کا فتاویٰ ص ۳۷۱ تا ۳۸۷ جلد دوم)

نماز جمعہ کی کل رکعتیں

س نماز جمعہ کی کل کتنی رکعتیں ہیں اور کس ترتیب سے پڑھی جاتی ہیں کتاب و سنت کی روشنی میں وضاحت کریں۔ (ثناء اللہ فائز' کوہاٹ کینٹ)

ج نماز جمعہ کی صرف دو رکعتیں فرض ہیں اور ان سے پہلے جمعہ کے نام سے کوئی سنت ثابت نہیں البتہ نوافل جس طرح قسمت میں ہوں اور جتنے مرضی پڑھ لے کم از کم دو رکعت پڑھ کر مسجد میں بیٹھیں۔ اس کے بغیر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ والے دن غسل کرے اور

حسب استطاعت پاکیزگی حاصل کرے تیل یا خوشبو لگائے پھر گھر سے نکل پڑے پھر نہ دو آدمیوں کے درمیان تفریق کرے پھر جتنی مقدر ہو نماز پڑھے پھر امام کے کلام کے وقت خاموش ہو جائے تو اس کے گناہ جو اس جمعہ اور گزشتہ جمعہ کے درمیان ہوتے ہیں بخش دیے جاتے ہیں۔ (صحیح البخاری باب الدھن للجمعہ)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے خطبہ سے پہلے مقدور بھر نوافل پڑھے جا سکتے ہیں ان کی تعداد مقرر نہیں اگر کوئی شخص حالت خطبہ میں آ جائے تو دو رکعت پڑھ کر بیٹھ جائے جیسا کہ صحیح البخاری کتاب الجمعہ میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ دو رکعت پڑھنے کے بغیر نہ بیٹھے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہے وہ چار رکعت پڑھ لے اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے۔ پہلی حدیث قولی ہے اور دوسری فعلی ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھی جائیں۔ یہ افضل ہے اور اگر کوئی دو بھی پڑھ لے تو جائز ہے۔

بحالت مجبوری نماز جمعہ نہ پڑھنے پر کون سی نماز ادا کی جائے؟

س بحالت مرض یا کوئی اور مجبوری کی بنا پر اگر کوئی شخص جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز نہ پڑھ سکے تو گھر پر کون سی نماز ادا کی جائے گی نماز جمعہ دو رکعت یا نماز ظہر چار رکعت۔ (محمد زبیر سلفی سقیم دبئی امارات)

ج جس شخص کی نماز جمعہ کسی وجہ سے فوت ہو جائے تو اسے چار رکعت نماز ادا کرنی چاہئیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس آدمی نے جمعہ کی ایک رکعت پا لی وہ اس کے ساتھ پچھلی رکعت ملا لے اور جس کی دو رکعت فوت ہو جائیں وہ چار رکعت ادا کرے اسے طبرانی نے معجم کبیر میں

روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد كتاب الصلاة باب في من ادرك من الجمعة ركعةً (٣١٧١) ٢/٤٢٠)

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: جس سے (جمعہ کی) آخری رکعت فوت ہو جائے وہ چار رکعت پڑھے۔

معمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: چار رکعت ادا کی جائیں گی۔ تو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا۔ بے شک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو لوگ نماز کے آخر میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: بیٹھ جاؤ تحقیق تم نے نماز پالی ہے ان شاء اللہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔ انہوں نے فرمایا: تم نے اجر پالیا۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

(مجمع الزوائد كتاب الصلاة باب في من ادرك من الجمعة ركعة (٣١٧٠)

البتہ اس مسئلہ کے بارے میں مرفوع روایات ضعیف ہے جن کی مختصر سی توضیح درج ذیل ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً صَلَّى أليها اخرَى فَإِنْ أَدْرَكَهُمْ جُلُوْسًا صَلَّى الظُّهْرَ أَرْبَعًا جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ پچھلی رکعت ملا لے اگر لوگوں کو بیٹھا ہوا پالے تو ظہر کی چار رکعت ادا کرے۔ (دارقطني كتاب الجمعة باب في من ادرك من الجمعة ركعة اولم يدركها ١٥٨١،١٠٨٥،١٠٦١) اس کی سند میں یاسین بن معاذ متروک راوی ہے۔ یاسین بن معاذ کی امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے اس روایت میں کئی ایک ضعفاء متابع ہیں۔

جیسا کہ صالح بن ابی الاخضر (دارقطنی ۱۰۸۴) سلیمان بن ابی داؤد الحرانی (دارقطنی ۱۰۸۷) اس کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو التلخیص الحبیر (۵۹۳) کتاب صلاۃ الجماعۃ۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس آدمی نے امام کے ساتھ مکمل ایک رکعت پالی اس نے جمعہ کو پالیا جب امام سلام پھیر دے تو وہ اس کے ساتھ پچھلی رکعت ملا لے جمعہ مکمل ہو جائے گا۔ اگر امام کے ساتھ ایک مکمل رکعت نہ پائی اس طرح کہ اس نے امام کو دوسری رکعت میں رکوع کے بعد سر اٹھانے کی صورت میں پایا تو اس کا جمعہ فوت ہو گیا اس پر واجب ہے کہ وہ چار رکعت ادا کرے۔ اس لئے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے نماز کی ایک رکعت پالی تو اس نے نماز پالی۔''

(موطا' صحیح البخاری' صحیح مسلم)

یہی قول اکثر اہل علم کا ہے یہ بات عبداللہ بن مسعود' عبداللہ بن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی اور سعید بن المسیب' علقمہ' الاسود' عروہ اور حسن بصری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی قول زہری' ثوری' مالک' اوزاعی' عبداللہ بن المبارک' شافعی' احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ جیسے ائمہ فقہاء محدثین کا ہے۔

(شرح السنہ ۴/۲۷۳) نیز دیکھیں الاوسط لابن المنذر ۴/۱۰۰)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر تو اوپر گزر چکا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آدمی جمعہ کے دن ایک رکعت پالے تو اس کے ساتھ پچھلی رکعت ادا کر لے اور اگر لوگوں کو جلسہ کی حالت میں پائے تو چار رکعت ادا کرے۔

(عبدالرزاق ۳/۲۳۴ (۵۴۷۱) الاوسط لابن المنذر ۴/۱۰۱ (۱۸۵۱) ابن ابی شیبہ ۲/۱۲۸ المدونۃ الکبریٰ ۱/۱۴۷) اس کے بعد امام ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر نیشاپوری عبداللہ بن مسعود' انس' سعید بن المسیب اور حسن بصری رحمہم اللہ کے اس کے بارے اقوال نقل کر کے فرماتے ہیں۔ امام مالک اہل مدینہ کی متابعت میں اس بات کے قائل تھے ان کا قول ہے: اس مسلک پر میں نے اپنے شہر (مدینہ) میں اہل علم کو پایا ہے۔ اور یہی قول سفیان ثوری' شافعی' احمد بن حنبل' اسحاق' ابو ثور کا ہے۔ ان ائمہ کے اقوال کے مطالعہ کرنے کے لئے دیکھیں کتاب الام ۱/۲۰۲۔ مسائل احمد لابنہ عبداللہ ۲۲ والمسائل لابن

الھانی ۱/ ۸۹‘ ۹۰۔ فقہ ابی ثور ۲۵۹ فقہ الاوزاعی ۱/ ۲۷۴ وغیرھا۔

امام ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب لوگوں سے نماز جمعہ فوت ہو جائے تو وہ ظہر کی نماز ادا کریں۔

(الافصاح ۱/ ۱۲۵‘ موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی رقم ۲۴۶۳) ۲/ ۷۰۱)

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ اس بات پر ائمہ محدثین کا اجماع ہے کہ جس کا جمعہ فوت ہو جائے وہ نماز ظہر ادا کرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی بات ثابت ہے۔

نماز جمعہ کا صحیح وقت

س جمعہ کے دن زوال کی کیا حیثیت ہے ہم نے ایک امام مسجد سے سنا ہے کہ جمعہ کے دن زوال نہیں ہوتا لہٰذا جمعہ کے دن اس وقت نماز پڑھی جا سکتی ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟ آپ سے سوال یہ ہے کہ اگر زوال کا وقت جمعہ کے دن 12:38 ہو اور مسجد میں خطبہ 12:30 پر شروع ہوتا ہو تو کیا ایسی مسجد میں سنتیں خطبہ سے پہلے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں امام صاحب کا اتنا جلدی خطبہ دینا درست ہے؟ (محمد زبیر سلفی محلہ سقیم‘ دبئی‘ امارات)

ج جمعہ کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے کیونکہ یہ ظہر کا قائم مقام ہے امام مالک‘ امام شافعی‘ امام ابوحنیفہ‘ امام بخاری اور جمہور صحابہ و تابعین ائمہ محدثین رحمھم اللہ اجمعین کا یہی مذہب ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا۔

(صحیح البخاری کتاب الجمعه باب وقت الجمعة اذازالت الشمس (۹۰۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عمر فاروق‘ علی بن ابی طالب‘ نعمان بن بشیر اور عمرو بن حریث رضی اللہ عنہم سے اسی طرح مروی ہے۔ علامہ عبید اللہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں جمہور کی دلیل ہے کہ جمعہ کا اول وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب سورج ڈھل جائے جیسے ظہر کا وقت ہے اور جمعہ زوال کے بعد ہی

پڑھا جائے اسی طرح اس بات پر سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمعہ اس وقت ادا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا پھر ہم لوٹتے اور سایہ تلاش کرتے۔ (مرعاۃ المفاتیح ۴/۴۸۷)

اسی طرح جو بھائی جمعہ زوال سے قبل پڑھنے کے قائل ہیں ان کے دلائل کا تجزیہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: جو دلائل ہم نے ذکر کئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زوال سے قبل جمعہ ادا کرنے کی کوئی صحیح صریح دلیل موجود نہیں اور جمہور کا مذہب ہی راجح ہے۔

ہمارے شیخ نے ترمذی کی شرح میں فرمایا ہے: ظاہر اور قابل اعتماد وہی بات ہے جس طرف بعض ائمہ گئے ہیں کہ زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔ اس کے متعلق کوئی صحیح صریح حدیث موجود نہیں۔

(مرعاۃ المفاتیح ۴/۴۹۰ نیز دیکھیں تحفۃ الاحوذی ۳/۲۷ طبع بیروت)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابواب الجمعہ باب ما جاء فی وقت الجمعہ میں فرماتے ہیں: وہ بات جس پر اکثر اہل علم کا اجماع ہے کہ جمعہ کا وقت جب سورج ڈھل جائے تو شروع ہوتا ہے جیسے ظہر کا وقت ہے اور یہی قول امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا ہے۔

لہٰذا راجح اور درست بات جو صحیح صریح احادیث سے معلوم ہوتی ہے یہی ہے کہ نماز جمعہ زوال کے بعد ادا کی جائے۔ رہا مسجد میں آ کر سنت ادا کرنا، تو یاد رہے کہ تحیۃ المسجد جب بھی آپ مسجد میں داخل ہوں تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ کر بیٹھیں احادیث صحیحہ صریحہ سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

جمعہ کے روز سورۃ الکہف پڑھنے کی فضیلت

(س) جمعۃ المبارک کے دن سورۃ الکہف پڑھنے کی کیا فضیلت ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں۔ جزاک اللہ (سائل مذکور)

(ج) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس

آدمی نے جمعہ والے دن سورۃ الکہف کی قرأت کی اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور روشن ہو جاتا ہے''۔ (بیہقی ۳/ ۲۴۹' المستدرک ۲/ ۳۶۷)

اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ جس نے جمعہ والے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کی اس کے لیے اس کے اور بیت اللہ کے درمیان نور روشن ہو جاتا ہے۔

(بیہقی ۳/۲۴۹)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے جبکہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے نعیم بن حماد کو ذومنا کیر قرار دیا ہے۔ امام ذہبی کی جرح درست نہیں ہے کیونکہ نعیم اس روایت میں منفرد نہیں ہے۔ یزید بن مخلد' سعید بن منصور نے اس کی متابعت کر رکھی ہے اس کی مزید تفصیل کے لیے ارواء الغلیل (۶۲۶) ۳/ ۹۶۔۹۵ ملاحظہ ہو۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ والے دن سورۃ الکہف کی تلاوت کرنے سے دو جمعوں کے درمیان تک نور عطاء کر دیا جاتا ہے یا اس آدمی سے لے کر بیت اللہ تک نور روشن کر دیا جاتا ہے۔

لہٰذا اسے جمعۃ المبارک والے دن پڑھنا بالکل صحیح ہے۔

جمعہ کے روز عید آنے پر جمعہ کی رخصت

س اگر عید والے دن جمعہ آ جائے تو پھر کیا جمعہ ادا کرنے کی رخصت شرعی طور پر ہے؟

ج اگر عید والے دن جمعہ آ جائے تو عید کی نماز ادا کی جائے گی البتہ جمعہ کے بارے میں اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو نماز جمعہ میں شرکت کریں یا نہ کریں۔

ایاس بن ابی رملہ کہتے ہیں کہ میری موجودگی میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں دو عیدوں میں یعنی جمعۃ المبارک اور عید الفطر یا عید الاضحیٰ کو ایک دن جمع ہوتے دیکھا؟ انہوں نے کہا ہاں معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا محمد ﷺ نے اس موقع پر کیا کیا؟

انہوں نے کہا آپ نے عید پڑھائی اور جمعہ کے بارے رخصت دی اور فرمایا جو پڑھنا چاہے پڑھ لے۔ (ابوداؤد)

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عہد رسول ﷺ میں دو عیدیں اکٹھی ہوگئیں آپ نے لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی پھر فرمایا جو جمعہ ادا کرنا چاہے وہ آئے اور جو پیچھے رہنا چاہے وہ پیچھے رہ جائے۔ (ابن ماجہ)

علی رضی اللہ عنہ نے کہا ایک دن میں دو عیدیں اکٹھی ہوگئی ہیں جو جمع پڑھنا چاہے پڑھ لے اور جو (اپنے گھر میں) بیٹھنا پسند کرے بیٹھا رہے۔ (عبدالرزاق)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اگر عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھی جائے اور جمعہ کے لیے رخصت ہے۔

منبر کی تیسری سیڑھی پر خطبہ دینا

س کیا منبر کی تیسری سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ دینا جائز ہے اگر جائز ہے تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے یہ عمل سنت نبوی ﷺ ہے یا خاصہ نبوی ثابت کریں؟

(ابوطلحہ عبیدالرحمٰن سلفی ڈسکہ)

ج نبی کریم ﷺ کی بعض احادیث سے منبر کی تیسری سیڑھی پر چڑھنے کا ذکر ملتا ہے۔ جیسا کہ کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن منبر کی طرف تشریف لائے جب آپ پہلی سیڑھی پر چڑھے تو کہا ''آمین'' پھر دوسری پر چڑھے تو کہا ''آمین'' پھر تیسری پر چڑھے تو کہا ''آمین'' پھر جب آپ منبر سے نیچے فارغ ہو کر اترے تو ہم نے کہا یا رسول اللہ آج آپ کی خلاف معمول بات کو سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے میری بات کو سنا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں' آپ نے فرمایا جب میں سیڑھی پر چڑھا تو جبریل علیہ السلام میرے سامنے آئے اور کہا جس نے اپنے والدین یا ان دونوں میں سے ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر جنت میں داخل نہ ہوا وہ (رحمت الٰہی سے) دور ہوا۔ آپ نے فرمایا میں نے کہا آمین۔ جبریل

علیہ السلام نے پھر کہا جس کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا اور اس نے آپ پر درود نہ پڑھا وہ بھی (رحمت الٰہی سے) دور ہوا۔ اس پر میں نے آمین کہیں۔ پھر جبریل علیہ السلام نے کہا جس نے رمضان کو پایا لیکن گناہوں سے مغفرت حاصل نہ کی وہ بھی (رحمت الٰہی سے) دور ہوا میں نے کہا: ''آمین''۔ (طبرانی، مجمع الزوائد ۱۰/۱۶۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منبر کی تیسری سیڑھی پر چڑھنا بھی جائز و درست ہے۔ اس مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں۔



کتاب الزکوۃ

ارشاد ربانی ہے:

((والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم))

[التوبۃ : ٣٤]

''اور جو لوگ سونا چاندی خزانہ کرتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت سنا دو۔''

زیورات پر زکوٰۃ

س زیر استعمال زیورات' یا استعمال کے لئے عاریۃً دینے کے لئے تیار کرائے گئے زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں علماء کا اختلاف معروف ہے' اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اور اگر ان زیورات میں زکوٰۃ واجب ہونے کی بات مان لیں تو کیا اس کا بھی نصاب ہے؟ اور اگر کہتے ہیں کہ ان کا بھی نصاب ہے تو ان احادیث کا کیا جواب ہے جو زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں اور جن کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیورات کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کو جہنم کی آگ کی وعید سنائی ہے مگر ان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نصاب زکوٰۃ کو نہیں پہنچتے ہیں؟

ج سونے اور چاندی کے زیورات جو زیر استعمال ہیں یا استعمال کے لئے یا عاریۃً دینے کے لئے بنوائے گئے ہیں ان میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف معروف ومشہور ہے لیکن راجح قول یہی ہے کہ ان زیورات میں بھی زکوٰۃ واجب ہے' کیونکہ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ واجب ہونے کے جو دلائل ہیں وہ عام ہیں' نیز عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے کہ ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ان کی بیٹی کے ہاتھ میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے' اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا: کیا تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں آپ نے فرمایا ''کیا تم کو یہ اچھا لگے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے؟ چنانچہ اس نے وہیں دونوں کنگن نکال دیئے اور کہا یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔''

نیز ام سلمہ رضی اللہ عنھا کی حدیث ہے کہ وہ سونے کے زیورات پہنتی تھیں' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ''کیا یہ کنز ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''جو مال زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور پھر اس کی زکوٰۃ دے دی جائے تو وہ کنز نہیں آپ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔''

یہ ساری حدیثیں ان زیورات پر محمول کی جائیں گی جو نصاب زکوٰۃ کو پہنچ گئے ہوں تاکہ ان احادیث کے درمیان اور زکوٰۃ کے تعلق سے وارد دیگر دلائل کے درمیان تطبیق ہو جائے کیونکہ جس طرح قرآنی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں اور احادیث نبوی بھی آیات کی تفسیر کرتی ہیں۔ نیز آیات کے عام کو خاص اور مطلق کو مقید کرتی ہیں، اسی طرح احادیث بھی بعض، بعض کی تصدیق وتفسیر ہوتی ہے۔ زیورات میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے جس طرح ان کا مقدار نصاب تک پہنچنا ضروری ہے اسی طرح دیگر امور زکوٰۃ مثلاً روپے پیسے، سامان تجارت اور چوپایوں کی طرح زیورات پر ایک سال کی مدت کا گزرنا بھی ضروری ہے۔ واللہ ولی التوفیق.

صدقہ فطر کا حکم

س صدقہ فطر کا کیا حکم ہے؟ اور کیا اس میں بھی نصاب ہے؟ اور کیا صدقہ فطر میں جو غلہ نکالے جاتے ہیں وہ متعین ہیں؟ اور اگر متعین ہیں تو کیا کیا ہیں؟ اور کیا مرد پر گھر بھر کی جانب سے، جن میں بیوی اور خادم بھی ہیں، صدقہ فطر نکالنا واجب ہے؟

ج صدقہ فطر ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر فرض قرار دیا ہے اور مسلمانوں کے نماز عید کے لئے نکلنے سے پہلے ادا کر دینے کا حکم دیا ہے۔" (متفق علیہ)

صدقہ فطر کے لئے نصاب شرط نہیں بلکہ ہر وہ مسلمان جس کے پاس اپنے لئے اور اپنے بال بچوں کے لئے ایک دن اور ایک رات کی خوراک سے زائد غلہ ہو اسے اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے جن میں اس کے بچے، بیویاں اور زرخرید غلام اور لونڈی شامل ہیں، صدقہ فطر نکالنا ہوگا۔

وہ غلام جسے اجرت، تنخواہ پر رکھا گیا ہو وہ اپنے صدقہ فطر کا خود ذمہ دار ہے۔

اِلا یہ کہ مالک بطور احسان اپنی طرف سے ادا کر دے' یا غلام نے مالک پر صدقہ فطر کی شرط لگا رکھی ہو لیکن زرخرید غلام کا صدقہ فطر تو جیسا کہ حدیث میں مذکور ہوا' مالک کے ذمہ ہے۔ صدقہ فطر کا علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق شہر کی خوراک کی جنس سے نکالنا ضروری ہے' خواہ وہ کھجور ہو یا جو گیہوں ہوں یا مکئی ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور غلہ ہو اور اس لئے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کسی خاص قسم کے غلے کی شرط نہیں رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ اس سے غرباء و مساکین کے ساتھ ہمدردی مقصود ہوتی ہے۔

عشر اور زکوٰۃ کا مصرف

س مسجد کے امام کو عشر یا زکوٰۃ لگتی ہے یا نہیں جبکہ ہمارا امام عشر بھی لیتا ہے اور زکوٰۃ بھی۔ (سائل مذکور)

ج عشر و زکوٰۃ کے مستحقین فقراء و مساکین وغیرہ ہیں جن کا تذکرہ اللہ نے قرآن حکیم میں سورۃ توبہ کے اندر کیا ہے اور وہ آٹھ مصارف ہیں۔ فقراء' مساکین' عاملین زکوٰۃ' مولفۃ القلوب' غلام کی آزادی' مقروض' فی سبیل اللہ اور مسافر۔

اگر امام مسجد ان آٹھ مصارف میں سے کسی ایک مصرف کی جگہ پر آتا ہے تو اسے عشر و زکوٰۃ دی جا سکتی ہے بصورت دیگر نہیں۔

مقروض آدمی کا عشر دینا

س ایک ایسا آدمی جس نے کسی دوسرے آدمی سے زمین ٹھیکہ پر لے کر گندم کی فصل کاشت کی ہو اور دیگر اس پر قرض بھی ہو۔ تو کیا اس آدمی پر بھی پورا پورا عشر دینا فرض ہے یا کہ کمی بیشی ہو سکتی ہے؟ براہ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔ (عبداللہ عمر کوٹ رائے جعفر کھرل ضلع اوکاڑہ)

ج کوئی آدمی مقروض ہو اور اس کے پاس زمین کی آمدنی کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی ہوں جس میں سے قرض ادا کر سکتا ہو تو اسے زمین سے حاصل ہونے والی

ساری آمدنی سے عشر ادا کرنا ضروری ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ ''اے ایمان والو! خرچ کرو پاکیزہ چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔ اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے۔''

(البقرہ: ۲۶۵)

اس آیت میں اللہ نے زمین سے نکلنے والی ساری آمدنی میں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور اگر اس کے پاس زمینی آمدنی کے علاوہ اور کوئی ذریعہ آمدن نہیں تو وہ زمین کی آمدنی سے اپنا قرض اتارے اور باقی سے عشر دے اور اگر قرض اتنا ہے کہ آمدنی سے پورا پورا وضع ہوتا ہے تو قرض ادا کر دے۔ اس پر عشر فرض نہیں اس لیے کہ اللہ نے مسلمانوں پر جو صدقہ فرض کیا ہے وہ اغنیاء سے لیا جاتا ہے اور فقراء پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری (۴۳۴۵) میں موجود ہے۔

جس آدمی کا سارا مال ہی قرض میں جا رہا ہو تو وہ غنی نہیں بلکہ فقیر ہے۔ اور اللہ کسی آدمی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔
(احکام زکوٰۃ وعشر وصدقہ فطر از حافظ عبدالسلام بن محمد)

زمین کا ٹھیکہ، عشر کون دے؟

س: زمین ٹھیکے پر دینا جائز ہے یا ناجائز دلائل سے ثابت کریں اگر جائز ہے تو عشر مالک دے گا یا مزارع۔ (ابو عاصم محمد مشتاق مسئول سندھوالہ سیکٹر سیالکوٹ)

ج: زمین کو اگر کرائے پر دینا ہو تو روپے پیسے کے عوض یا کل پیداوار میں سے مقرر کردہ حصہ کے بدلے میں دے شرعی طور پر اس کی رخصت موجود ہے۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس میں کاشت کاری کریں تو کل پیداوار میں سے نصف حصہ ان کا ہوگا اور نصف ہمارا۔ اسی طرح بخاری و مسلم میں یہ بھی ہے کہ رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم زمین کو کرائے پر اس طرح دیتے تھے کہ طے کر لیتے کہ زمین کے اس حصے کی پیداوار ہماری

اور ان کے لئے اس حصے کی کبھی ایک طرف پیداوار ہوتی اور دوسری طرف نہ ہوتی آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع کر دیا لیکن چاندی کے عوض دینے سے منع نہیں کیا ان صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اگر کرائے یا ٹھیکے پر دینی ہو تو اس کا کرایہ یا ٹھیکہ رقم کی صورت میں بھی لیا جا سکتا ہے اور غلے کی صورت میں بھی' اس زمین سے جو پیداوار ہوتی ہے اس کا عشر مزارع دے گا کیونکہ فصل کا مالک کاشتکار ہے مالک زمین نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

"اے ایمان والو پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔" (البقرہ:۲٦۷)

اور جو زمین کا مالک ہے جس نے ٹھیکے یا کرائے پر زمین دی ہے اسے جو رقم ملے اگر اس کے پاس پہلے سے اتنی رقم جو نصاب زکوٰۃ کو پہنچتی ہے تو اس میں ملا کر زکوٰۃ کا حساب کر کے زکوٰۃ دے گا اور اگر اس سے پہلے وہ صاحب نصاب نہیں اور جو رقم اسے ٹھیکے میں ملی ہے وہ اتنی ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہوئی ہے تو سال کا عرصہ گزرنے پر اس میں سے زکوٰۃ دے گا۔

خواتین کے لئے سونے کے زیورات

س تحفۃ العروس ص ۱۴۴' ۱۴٦ ابو داؤد حاکم کے حوالے سے سونے کا استعمال عورتوں سمیت سب پر حرام لکھا ہے اس کے بارے رہنمائی فرمائیں۔

(کارکنان لشکر طیبہ' قصور)

ج اس کے متعلق جہاد ٹائمز میں ہمارا فتویٰ پہلے طبع ہو چکا ہے کہ عورتوں پر سونے کے زیورات اس صورت میں حرام جب وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کریں' اگر زکوٰۃ ادا کریں تو پھر مباح ہے' تفصیل کے لئے دیکھیں شیخ ابن باز رحمۃ اللہ کا فتاویٰ اردو جزء اول ص ۲۴۵ تا ۲۴۹ مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض۔

سونے چاندی کے نصاب پر زکوٰۃ

س اگر کسی کے پاس تین چار تولے سونا اور چھ سات سو روپے کی چاندی ہے تو اس صورت میں اس مال پر زکوٰۃ عائد ہوگی؟

ج نبی کریم ﷺ نے سونے اور چاندی کو الگ الگ نصاب مقرر کیا ہے جس پر سال کا عرصہ گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے جو کہ چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد ہوتی ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں صدقہ نہیں۔ (بخاری)

علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب تمہارے پاس دو سو درہم ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو ان میں ۵ درہم ہیں اور تم پر کچھ لازم نہیں آتا جب تک تمہارے پاس بیس دینار یعنی سونے میں نہ ہوں جب تمہارے پاس بیس دینار ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو نصف دینار ہے پھر جو زیادہ ہو وہ اس کے حساب سے ہوگا۔ (ابوداؤد)

معلوم ہوا ہے کہ سونے کا نصاب ۲۰ دینار اور چاندی کا نصاب ۵ اوقیہ چاندی یعنی ۲۰۰ درہم ہے ان کا وزن پاک و ہند کے عام علماء کے ہاں مشہور و معروف ہے کہ سونا ساڑھے سات تولے اور چاندی ساڑھے باون تولے پر مشتمل ہے۔ بعض علماء کے ہاں ۷۰ گرام سونا اور ۴۶۰ گرام چاندی ہو تو زکوٰۃ پڑتی ہے۔

(احکام زکوٰۃ وعشر ۲۱ حافظ عبدالسلام بھٹوی)

لہٰذا آپ کے پاس موجود مقدار پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ ہاں اگر خوشی سے نفلی صدقہ کریں تو وہ آپ کی مرضی ہے۔

زکوٰۃ وصدقہ کے مستحقین

س کیا دین کے طالب علم کو صدقہ لینا جائز ہے وہ اپنی تعلیمی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوران تعلیم ملازمت نہیں کر سکتا؟

ج اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورۃ توبہ ۶۰ میں مصارف زکوٰۃ آٹھ بیان کئے ہیں' ① فقراء' ② مساکین ③ عاملین ④ تالیف قلوب کے لئے ⑤ غلام آزاد کرنے میں ⑥ مقروض ⑦ فی سبیل اللہ (جہاد) ⑧ مسافر۔

اگر طالب علم ان آٹھ میں سے کسی شق میں آتا ہو تو اس کو صدقہ و زکوٰۃ دی جاسکتی ہے وگرنہ نہیں جیسے طالب علم فقیر و مسکین ہو تو اس کے فقر کی بنا پر اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ وغیرہ

کالے بکرے کا صدقہ

س صدقہ کیا ہے' صدقہ دینے کا طریقہ کیا ہے' عزیز و اقارب جو غریب ہوں معذور ہوں ان کو صدقہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ کیا مجاہدین اس کے مستحق ہیں کہ نہیں' مروجہ طریقہ کہ کالا بکرا یا کالی بکری کی سری جو کہ مسجد یا مدرسہ وغیرہ میں صدقہ کے طور پر دی جاتی ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے کتاب و سنت کی رو سے واضح کریں۔
(شکیل احمد' داماں ضلع اٹک)

ج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كل معروف صدقة (متفق علیہ) ہر نیکی صدقہ ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلاشبہ ہر تسبیح صدقہ ہے' ہر تکبیر صدقہ ہے' ہر تحمید صدقہ ہے' ہر تہلیل صدقہ ہے' امر بالمعروف صدقہ ہے' نہی عن المنکر صدقہ ہے' آدمی کا اپنی اہلیہ سے صحبت کرنا صدقہ ہے''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم میں سے کوئی جب اپنی شہوت کے لئے اپنی اہلیہ کے پاس آتا ہے تو اس کا اس میں اجر ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم

بتاؤ اگر وہ فعل حرام میں واقع ہوتا تو کیا اسے گناہ ہوتا؟ پس اس طرح جو فعل حلال طریقے سے کرے گا تو اسے اجر ملے گا"۔ (صحیح مسلم)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نیکی کا کام انسان کے لئے صدقہ ہوتا ہے البتہ عرف عام میں وہ مال و متاع جو آدمی اللہ کو راضی کرنے کے لئے کسی فقیر مسکین محتاج اور مجاہد کو دیتا ہے وہ صدقہ کرتا ہے جس طرح محتاج کو صدقہ دینا درست ہے مجاہدین اسلام کو بھی اسی طرح صدقہ و خیرات دیا جا سکتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے صدقات ان فقراء کے لئے ہے جو اللہ کی راہ (جہاد) میں روکے ہوئے ہیں زمین میں (کاروبار وغیرہ کے لئے) سفر نہیں کر سکتے سوال سے بچنے کی وجہ سے ناواقف انہیں غنی گمان کرتا ہے تو انہیں ان کی علامت سے پہچانے گا لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔ (البقرہ ۲۸۳)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے صدقات و خیرات کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے مجاہدین کے لئے صدقات بالکل درست ہیں بلکہ موجودہ حالات میں مجاہدین کو زکوۃ و صدقات دے کر کفر کے خاتمے کے لئے میدانوں میں روانہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ یہ مجاہدین کا ہی ایسا گروہ ہے جس سے کفر اور اس کے لیڈر دن رات پریشان رہتے ہیں اور کئی حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ اگر ان مجاہدین کی مدد نہ کی گئی تو پھر پاکستان کے لئے بھی انتہائی زیادہ خطرات ہیں، ہماری مساجد، مدارس، گھر بار تب ہی محفوظ ہوں گے جب جہاد صحیح معنوں میں قائم ہو گا لہٰذا ان مجاہدین کے لئے فنڈز صدقات دیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے بلکہ یہ بھی یاد رہے کہ مجاہدین غنی اور دولت مند بھی ہو تو اسے صدقہ دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچ افراد کے علاوہ کسی دولت مند کو صدقہ حلال نہیں جن میں سے ایک غازی فی سبیل اللہ ہے۔ (ابوداؤد کتاب الزکاۃ باب من یجوز لہ اخذ الصدقۃ وھو غنی ۱۶۳۵، ۱۶۳۶)

اور لوگوں میں جو کالا بکرا یا کالی بکری وغیرہ صدقہ دینے کا تصور ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں صدقہ کسی بھی پاک و حلال مال سے دیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے سیاہ و سفید جانور کی کوئی قید نہیں۔

کتاب المساجد

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله احدا﴾

[الجن: ١٨]

''اور بلاشبہ تمام مسجدیں اللہ ہی کے لیے ہیں تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔''

مساجد میں اعلانات

س مسجد میں فوت ہونے والے کے علاوہ اعلان کرنا مثلاً کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو یا کسی بندے کو بلانا ہو وغیرہ جائز ہے یا نہیں اگر نہیں تو معسکرات میں مسجد میں یہ اعلان کیوں کئے جاتے ہیں کہ فلاں کلاس کا فلاں گروپ اس بستی میں چلا جائے اس کی شرعی دلیل دیں۔ (ابوعبدالرحمٰن سیاف، شیخوپورہ)

ج مساجد میں جن اعلانات سے روکا گیا ہے ان میں گمشدہ چیز کا اعلان ہے جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص کسی آدمی کو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتے ہوئے سنے تو وہ اسے کہہ دے اللہ تعالیٰ تیری چیز تجھ پر نہ لوٹائے کیونکہ مسجدیں اس لئے نہیں بنائی گئیں۔'' (صحیح مسلم کتاب المساجد: ۵۶۸)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم کسی آدمی کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے ہوئے دیکھو تو اسے کہہ دو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے۔'' (ترمذی ۱۳۲۱)

جنازے کے اعلان کو مستثنیٰ کرنے کی بھی کوئی دلیل نہیں ملاحظہ ہو۔

(اصلاح المساجد ص ۱۶۰)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں گمشدہ چیز کا اعلان اور اشیاء کی خرید وفروخت منع ہے۔ ایسا کام کرنے والے کے لئے بددعا کی گئی ہے جبکہ مساجد میں مختلف دینی امور کی تقسیم کے لئے افراد کی ذمہ داریاں تقسیم کرنا منع نہیں ہے۔ معسکرات میں جو مساجد میں ذمہ داریاں بانٹ دی جاتی ہیں جیسے پہرے کے لئے بھیجنا، کھانا تقسیم کرنا، سونے کے لئے کہہ دینا تو ایسے امور کی ممانعت میں کوئی دلیل مجھے معلوم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے امور کے فیصلے مسجد میں ہی کیا کرتے تھے۔

كتاب الجنائز

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ((من تبع جنازۃ مسلم ایمانا واحتسابا وکان معہ حتی یصل علیہا ویفرغ من دفنہا فانہ یرجع من الاجر بقیراطین کل قیراط مثل احد ومن صلی علیہا ثم رجع قبل ان تدفن فانہ یرجع بقیرط))

[صحیح البخاری: ۱۳۲۵۔ صحیح مسلم۵۲/۹۴۵۔ مشکوۃ ۱۶۵۱]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی کسی مسلم کے جنازہ کے پیچھے ایمان وثواب سمجھ کر گیا اور اس کے ساتھ رہا یہاں تک کہ اس نے جنازہ پڑھا اور اس کے دفن سے فارغ ہوا تو وہ دو قیراط اجر لیکر واپس لوٹتا ہے دو قیراط احد پہاڑ کی مثل ہے اور جو جنازہ پڑھ کر دفن سے پہلے واپس آ جاتا ہے وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹتا ہے۔''

نماز جنازہ میں تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا

س: کیا نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھائے یا ہر تکبیر کے ساتھ اٹھانے چاہئیں؟

ج: نماز جنازہ میں تکبیرات کے ساتھ ہاتھ نہ اٹھانے کے متعلق کوئی صحیح مرفوع روایت موجود نہیں جو لوگ صرف پہلی تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں وہ درج ذیل دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

❶ ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنازے میں تکبیر کہی اور پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھائے۔ (کتاب الجنائز باب رفع الیدین علی الجنائز ۱۰۷۷)

❷ دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ دارقطنی میں ہے بلا شبہ رسول اللہ ﷺ جنازے میں پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر ایسا نہیں کرتے تھے۔

(دارقطنی ۲/۷۵)

حالانکہ یہ دونوں روایتیں اسنادی لحاظ سے کمزور ہیں ان کی اسانید میں ابوفروہ یزید بن سنان، یحیٰی بن یعلی ضعیف اور کمزور راوی ہیں اور الفضل بن السکن مجہول ہے تفصیل کے لئے نصب الرایۃ للزیلعی اور بیان الوہم والایہام لابن القطان ملاحظہ کریں۔ بعض موقوف صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا چاہیے السنن الکبریٰ للبیہقی میں اسانید صحیحہ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے مروی ہے کہ وہ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے تابعین میں سے سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر کا بھی یہی عمل مروی ہے۔ قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح، عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہم اللہ اجمعین اس بات کے قائل تھے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ صحابہ کرام، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

میت کو قبر میں کس جانب سے داخل کرنا چاہیے

س میت کو قبر میں کس جانب سے داخل کرنا سنت ہے؟

ج میت کو قبر میں ٹانگوں والی جانب سے اتارنا سنت ہے' ابو اسحاق فرماتے ہیں حضرت حارث رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ ان کی نماز جنازہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ پڑھائیں' چنانچہ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی پھر انہیں قبر کی ٹانگوں والی طرف سے قبر میں داخل کیا اور فرمایا یہ مسنون طریقہ ہے (ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی المیت یدخل من قبل رجلیہ ۳۲۱۱ بیہقی ۴/۵۴) جب صحابی رسول کسی بات کے بارے کہے کہ یہ سنت میں سے ہے تو اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوتی ہے امام ابن سیرین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''میں انس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک جنازے میں تھا ان کے فرمانے پر میت کی ٹانگوں کی طرف سے اسے قبر میں اتارا گیا۔''

(مسند احمد ا/ ۴۲۹ ابن ابی شیبہ ۴/ ۱۳۰)

کیا شوہر بیوی ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں؟

س کیا شوہر اور بیوی وفات کے بعد ایک دوسرے کو غسل دے سکتے ہیں یعنی شوہر اگر پہلے فوت ہو جائے بیوی اسے غسل دے سکتی ہے اسی طرح کیا اگر بیوی پہلے فوت ہو جائے تو شوہر اسے غسل دے سکتا ہے کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں۔

(ابوانس خالد محمود ھیلاں گجرات)

ج زوجین میں سے کوئی ایک پہلے وفات پا جائے تو دوسرا اسے غسل دے سکتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک آدمی کے جنازے سے) بقیع سے واپس آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حالت میں پایا کہ میرے سر میں درد ہو رہا تھا اور میں ہائے ہائے کر رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا بلکہ میرے سر میں بھی درد ہو رہا ہے پھر فرمایا تجھے فکر مند ہونے کی

ضرورت نہیں اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوگئی تو میں تجھ پر کھڑا ہوں گا اور تجھے غسل دوں گا اور کفن پہناؤں گا اور تیرا جنازہ پڑھوں گا اور تجھ کو دفن کروں گا

(ابن ماجه كتاب الجنائز باب ما جاء غسل الرجل امرته وغسل المراة زوجها ١٤٦٥۔ سنن الدار قطني كتاب الجنائز (١٨٠٩، ١٨١٠، ١٨١١۔ السنن الكبرىٰ للبيهقي كتاب الجنائز باب الرجل يغسل امرته اذا ما تت ٣/٣٩٦۔ مسند احمد ٦/٢٢٨۔ سنن الدارمي ١/٣٩۔ مسند ابو يعلى ٨/٥٦ سيرت ابن هشام ٢/٦٦٦)

قاضی شوکانی رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر والی حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں اس میں دلیل ہے کہ عورت جب مر جائے تو اس کو اس کا خاوند غسل دے سکتا ہے اور اس دلیل سے عورت بھی خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ شوہر اور بیوی کا ایک پردہ ہے جس طرح مرد عورت کو دیکھ سکتا ہے عورت بھی مرد کو دیکھ سکتی ہے۔

(نیل الاوطار ۴/۳۱)

علامہ محمد بن اسماعیل صاحب سبل السلام رقمطراز ہیں اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور یہی قول جمہور محدثین کا ہے۔

(سبل السلام ۲/۷۴۲)

اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی اہلیہ محترمہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے انہیں غسل دیا۔ (الموطا لامام مالک کتاب الجنائز ص ۱۳۳ مع ضوء السالک المصنف لعبدالرزاق ۳/۴۱۰ الاوسط لابن منذر ۵/۳۳۵ شرح السنہ ۵/۳۸)

اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ بلاشبہ سیدہ فاطمہ نے وصیت کی کہ انہیں ان کے خاوند علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا غسل دیں۔

(دارقطنی ۱۸۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/۳۹۶)

عورت کا اپنے شوہر کو غسل دینا سب اہل علم کے ہاں متفق علیہ ہے الاوسط لابن المنذر ۵/۳۳۴ البتہ مرد کا اپنی بیوی کو غسل دینا مختلف فیہ ہے جمہور محدثین کے ہاں جائز اور درست ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے امام ابوبکر محمد بن ابراہیم المعروف لابن المنذر نے علقمہ' جابر بن زید' عبدالرحمٰن بن الاسود' سلیمان' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' قتادہ' ابی سلیمان' مالک' اوزاعی' شافعی' احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ جیسے کبار آئمہ محدثین سے یہی بات نقل کی ہے۔ (الاوسط ۵/ ۳۳۵'۳۳۶)

کیا قبر کو پختہ کرنا صحیح ہے......؟

س: کیا قبر کو پختہ کرنا کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے؟

ج: قبروں کو پکا رکھنا شرعاً معیوب ہے ان کی پختگی کرنا' ان پر عمارتیں بنانا' کتبے قائم کرنا' سنگ مرمر سے مزین کرنا اور گنبد بنانا غلط ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ کرنے' اس پر عمارت بنانے اور اس پر کتبہ لگانے سے منع کیا ہے۔'' (مسند احمد' مسلم وغیرھا) اور صحیح مسلم وغیرہ میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابوالھیاج الاسدی کو کہا کہ میں تمہیں اس کام کے لیے روانہ کرتا ہوں جس کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے روانہ کیا تھا تم کوئی مورتی نہ چھوڑو مگر اسے مٹا دو اور کوئی بلند قبر نہ چھوڑو مگر اسے برابر کر دو یعنی عام قبروں کے۔

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں کو پختہ کرنا ان پر گنبد و کتبے وغیرہ بنانا منع ہے اور ائمہ اربعہ بلکہ فقہ جعفریہ میں بھی قبروں کو پختہ کرنے کی اجازت نہیں اس کی تفصیل کے لیے راقم کی کتاب ''ردشرک اور اثبات توحید المعروف کلمہ گو مشرک'' ملاحظہ ہو۔

میت کو دیکھ کر کھڑے ہونا

س: کیا میت کو دیکھ کر کھڑے ہو جانا چاہیے یا بیٹھے رہنا چاہیے؟ قرآن وسنت کی

رو سے وضاحت فرمائیں۔ (محمد اکرم' ٹیکسلا)

ج نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ کی اسلامی ریاست کی جب بنیاد رکھی تو اس کے مستحکم ہونے کے ساتھ کئی احکام نازل ہوئے کئی ایسے تھے جن پر پہلے عمل تھا لیکن بعد میں ان میں تغیر و تبدل ہوا۔ مثال کے طور پر پہلے آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر آپ ﷺ کی دلی خواہش پر بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔ اسی طرح شروع میں شراب کی کلی ممانعت نہ تھی لیکن بعد میں اس کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا اسی طرح پہلے جب آپ ﷺ کے پاس سے کوئی جنازہ گزر جاتا تو آپ ﷺ اسے دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ آپ یہودی اور یہودیہ کی میت کے لیے بھی کھڑے ہوئے جب آپ ﷺ کو کہا گیا کہ آپ ﷺ یہودی کے جنازہ کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا اس میں جان نہ تھی۔ (بخاری ۱۔۱۷۵' مسلم ۱/۳۱۰)

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی فرمایا جب تم جنازہ دیکھو تو اس کے لیے کھڑے ہو جایا کرو اور جو ساتھ چل رہا ہو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک اسے زمین پر نہ رکھ دیا جائے۔ (بخاری ۱/۱۷۵' مسلم ۱/۳۱۰)

لیکن اس کے بعد نبی ﷺ کھڑے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

رسول اللہ ﷺ جنازے کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم بھی کھڑے ہوئے۔ پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے ہم بھی بیٹھ گئے۔ موطا اور ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ آپ جنازوں کے لیے کھڑے ہوتے تھے پھر بعد میں بیٹھ گئے۔

غیر محرم عورت کے جنازے کو کندھا دینا

س کیا غیر محرم مرد غیر محرم عورت کی میت کو کندھا دے سکتا ہے؟ اکثر دوست تو کہتے ہیں دے سکتا ہے بلکہ دینا چاہئے' اس سے اجر و ثواب ملتا ہے کہنے والے بھائی نے اپنی طرف سے وضاحت نہیں کی۔ آپ برائے مہربانی قرآن و سنت کی رو سے

وضاحت کریں۔ (محمد وسیم سلفی، کوٹ رادھا کشن)

ج جب مسلمان مرد یا عورت فوت ہو جائے تو حقوق العباد میں سے ایک حق یہ ہے کہ اس کے جنازے کے پیچھے جائیں اور جنازے کو اٹھائیں اور جنازہ اٹھانے والے اور پیچھے جانے والے مرد ہی ہوتے ہیں۔ عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔ نبی ﷺ نے عورت کے جنازے کو کندھا دینے کے لیے محرم اور غیر محرم کا فرق نہیں کیا۔ کوئی بھی مسلمان میت کو کندھا دے سکتا ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

''مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں، سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازوں کے پیچھے جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک مارنے والے کو جواب دینا۔'' (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بیماروں کی عیادت کرو، جنازوں کے پیچھے جاؤ، یہ تمہیں آخرت یاد دلائیں گے۔'' (مسند ابی یعلی، مسند احمد، بیہقی)

معلوم ہوا کہ جنازوں کے ساتھ جانے کا حکم مردوں کو ہے، عورتوں کو نہیں لہذا مرد ہی جنازے کو کندھا دیں گے۔ میت کو اٹھانے اور قبر میں اتارنے کے لیے محرم کی شرط کا کوئی ثبوت نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح البخاری میں باب حمل الرجال الجنازہ دون النساء میں بھی یہ سمجھایا ہے کہ جنازہ اٹھانا مردوں کا کام ہے، عورتوں کا نہیں بلکہ ایک صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر محرم آدمی عورت کی میت کو قبر میں اتار سکتا ہے جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم نبی ﷺ کی بیٹی کے جنازے میں موجود تھے، آپ قبر پر بیٹھے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، آپ نے فرمایا: ''کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے صحبت نہیں کی، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں، آپ نے فرمایا تم اس کی قبر میں اترو تو

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ قبر میں اترے اور انہیں قبر میں دفنایا۔'' (صحیح البخاری)

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کو قبر میں اتارنا اس بات کی دلیل ہے کہ غیر محرم مرد عورت کو جب قبر میں اتار سکتا ہے تو اسے جنازے میں کندھا دینے سے کون سی چیز مانع ہے۔

غمی کے موقعہ پر گریبان پھاڑنا یا سینہ پیٹنا

س کیا کسی غمی کے موقع پر اپنے گریبان کو پھاڑنا چہرے یا سینے کو پیٹنا یا واویلا کرنا جائز ہے کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

ج اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں مصیبت اور پریشانی کے وقت صبر وتحمل کی تلقین کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' (البقرہ: ۱۵۳)

اسی طرح فرمایا: ''جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے اور ہم ضرور تمہاری کسی چیز کے ساتھ آزمائش کریں گے خوف سے اور بھوک سے اور جانوں' مالوں اور پھلوں کی کمی سے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔ (البقرہ)

مندرجہ بالا آیات مجیدہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مومن آدمی مصیبت و پریشانی کے موقع پر صبر وتحمل سے کام لیتا ہے گریبان چاک کرنا یا چہرہ نوچنا اور سینہ کوبی کرنا صبر وتحمل کے خلاف ہے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس آدمی نے رخسار پیٹے اور گریبان چاک کیا اور جاہلیت کے واویلے کی طرح واویلا کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ (بخاری' مسلم)

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مصیبت کے وقت آواز بلند کرنے والی بال منڈانے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے برأت کی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان)

آپ کا ایک اور ارشاد گرامی ہے کہ

''نوحہ کرنے والی نے اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت والے دن اس طرح اٹھائی جائے گی کہ اس پر گندھک کا کرتہ اور خارش کی قمیص ہوگی۔'' (صحیح مسلم، کتاب الجنائز)

لہٰذا آفات اور مصائب و آلام میں صبر و تحمل کا دامن تھامنا چاہئے جزع و فزع اور بے صبری کا مظاہر کرنے سے باز رہنا چاہئے۔

کیا تین دن کے بعد تعزیت ہو سکتی ہے؟

س کیا تعزیت صرف تین دن تک ہی محدود ہے یا اس کے بعد بھی جا کر اہل میت کے ہاں تعزیت کر سکتے ہیں؟

ج تعزیت تین دن کے بعد بھی ہو سکتی ہے آدمی جب بھی مفید محسوس کرے تعزیت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا ان پر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور کہا اگر زید شہید کر دیئے گئے تو تمہارے امیر جعفر رضی اللہ عنہ ہوں گے اور اگر جعفر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے تو تمہارے امیر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہوں گے اس لشکر کی دشمن سے جب مڈبھیڑ ہوئی تو زید رضی اللہ عنہ جھنڈا پکڑے ہوئے لڑے اور شہید ہو گئے پھر جعفر رضی اللہ عنہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ پھر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا اور وہ بھی لڑے اور شہید ہو گئے۔ پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا پکڑا تو اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح دے دی۔ ان کی خبر جب نبی ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ لوگوں کی طرف نکلے اللہ کی حمد و ثناء کی اور فرمایا بلاشبہ تمہارے بھائیوں

نے دشمن کا سامنا کیا زید نے جھنڈا پکڑا لڑے اور شہید ہو گئے ..... پھر خالد بن ولید سیف من سیوف اللہ نے جھنڈا پکڑا تو اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح دی' پھر آپ تین دن تک آل جعفر کے ہاں جانے سے رکے رہے پھر اس کے بعد ان کے ہاں تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا آج کے بعد میرے بھائی تم مت رونا' میرے بھائی کے دونوں بیٹوں کو بلاؤ' ہمیں لایا گیا ہم ایسے لگتے تھے جیسے چوزے ہوتے ہیں' آپ نے فرمایا سر مونڈنے والے کو بلاؤ' سر مونڈنے والا لایا گیا اس نے ہمارے سر مونڈ دیئے پھر آپ نے فرمایا محمد بن جعفر ہمارے چچا ابو طالب کا ہم شکل ہے اور عبداللہ شکل اور اخلاق میں میرے مشابہ ہے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ بلند کر کے دعا کی' اے اللہ جعفر کے پیچھے اس کے اہل کا والی بن جا اور عبداللہ کے ہاتھ میں برکت دے' یہ بات آپ نے تین مرتبہ کہی' کہتے ہیں پھر ہماری والدہ آئیں انہوں نے ہماری یتیمی کا ذکر کیا اور آپ کو اپنا غم بتانے لگیں' آپ نے فرمایا تمہیں ان کی تنگ دستی کا فکر کیوں ہے میں دنیا اور آخرت میں ان کا سرپرست ہوں۔ (مسند احمد ۱/۲۰۴ (۱۷۵۰) تحقیق احمد شاکر)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن کے بعد بھی تعزیت ہو سکتی ہے۔

جمعہ کے روز فوت ہونا

س: کیا جمعہ کے دن فوت ہونے کی کوئی فضیلت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن فوت ہو وہ جنتی ہوتا ہے قرآن وسنت سے اس کی وضاحت کریں۔

(محمد سلیمان سعید' رحیم یار خان)

ج: جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے بارے میں ذکر کردہ فضیلت کا مجھے علم نہیں البتہ یہ بات یاد رکھیں کہ جنت میں داخلے کے لئے صحیح اور اعمال صالحہ اور خاتمہ بالخیر کی ضرورت ہے جس شخص کا عقیدہ بالکل صحیح عقیدہ ہو وہ کسی کفر و شرک کے ارتکاب کے بغیر اس دنیا سے چلا گیا تو اللہ اسے ضرور اپنی جنت میں داخل کرے گا۔ نبی ﷺ کی کئی ایک احادیث صحیحہ میں یہ بات موجود ہے کہ جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوا

وہ جنت میں داخل ہوگا اور اگر اللہ کے ساتھ شرک کیا ہو یا کسی صریح کفر کا ارتکاب کیا ہو اور اس پر توبہ نہیں کی اور موت آ گئی تو ایسے شخص کا جنت میں داخلہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ ہمیں اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ پر قائم رکھے اور کفر و شرک سے محفوظ فرمائے۔ آمین

قریب المرگ شخص کو کلمہ توحید کی تلقین کرنا

س کیا قریب المرگ شخص کو کلمہ توحید کی تلقین کرتے ہوئے پڑھنے کے لئے کہنا چاہئے یا اس کے پاس یاد دہانی کے لئے کلمہ پڑھا جائے، صحیح رہنمائی فرمائیں۔

ج قریب المرگ شخص کو کلمہ توحید کی تلقین کا حکم ہے اور تلقین سے مراد صرف کلمہ توحید پڑھ کر سنانا نہیں بلکہ اسے کہا جائے کہ وہ بھی پڑھے اس کے اوپر کئی ایک دلائل موجود ہیں۔ ایک دلیل پیش کرتا ہوں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا ماموں جان لا الہ الا اللہ کہو اس انصاری نے کہا ماموں یا چچا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ ماموں اس نے پوچھا کیا لا الہ الا اللہ کہنا میرے حق میں بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ (مسند احمد ۳/۱۵۴ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے)

اس صحیح حدیث سے پتا چلا کہ قریب المرگ کو کلمہ پڑھنے کے لیے کہہ سکتے ہیں۔

غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت

س کیا شہید کی غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (ابومعاذ ثاقب شیخ، وہاڑی)

ج شہید ہو یا غیر شہید اس کا نماز جنازہ غائبانہ جائز ہے اس کے متعلق جہاد ٹائمز اور مجلہ الدعوۃ میں تفصیلی فتویٰ کئی بار طبع ہو چکا ہے۔

تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' ملاحظہ کر لیں وہاں باحوالہ مفصل بحث موجود ہے یاد رہے کہ ماہ اگست ۲۰۰۰ء کے شمارہ منہاج القرآن

میں بھی غائبانہ جنازہ کے جواز کا مفصل فتویٰ چھپا ہے۔ جس میں بریلوی حضرات نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ بالکل صحیح و درست ہے اور اب یہ فتویٰ ''منہاج الفتاوی'' میں بھی جامع ہو چکا ہے شائقین اس کی طرف مراجعت کر لیں۔

میت کو غسل دینے والے پر غسل نہیں ہے

س کیا میت کو غسل دینے والے پر غسل اور کندھا دینے والے پر وضو واجب ہو جاتا ہے۔ (ابو مجاہد شمعون، دیپالپور)

ج ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی الغسل من غسل المیت ۳۱۶۱ میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو میت کو غسل دے وہ غسل کرے اور جو اسے اٹھائے وہ وضو کرے اور ابن ماجہ کتاب الجنائز میں ہے ''جو میت کو غسل دے وہ غسل کرے'' امام ابوداؤد تو اسے منسوخ سمجھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اس حدیث کے بعد لکھا ہے لیکن انہوں نے ناسخ بیان نہیں کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری میں باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کیا ہے کہ انہوں نے سعید بن زید کے ایک بیٹے کو خوشبو لگائی۔ اٹھایا نماز پڑھی وضو نہیں کیا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ گویا امام بخاری نے اشارہ کیا ہے کہ ابوداؤد والی روایت کمزور ہے پھر انہوں نے اس پر کلام کیا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سعد بن ابی وقاص کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب ان کو سعید بن زید بن عمرو کی وفات کی خبر ملی تو اس وقت وہ عقیق میں تھے خبر ملتے ہی آئے اور ان کو غسل دیا کفنایا اور خوشبو لگائی پھر اپنے گھر آئے اور غسل کیا غسل کرنے کے بعد انہوں نے واضح کیا کہ میں نے غسل دینے کی وجہ سے غسل نہیں کیا۔ اگر وہ نجس ہوتے تو میں انہیں ہاتھ نہ لگاتا میں نے تو گرمی کی وجہ سے غسل کیا ہے۔ (فتح الباری ۳/۱۲۵)

ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ ''میت

کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں۔''

معلوم ہوتا ہے کہ میت کو غسل دینے والے پر غسل واجب نہیں اور اٹھانے والے پر وضوء البتہ اگر کوئی غسل یا وضو کرے تو درست ہے۔

عورتوں کا قبرستان جانا

(س) عورتوں کا قبرستان جانا کیسا ہے؟ (کارکنان جماعت الدعوۃ، قصور)

(ج) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت کے ساتھ قبرستان جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

ابن ماجہ ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶ ابو ہریرہ، ابن عباس حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

البتہ اگر صبر و تحمل اختیار کریں، جزع فزع، واویلا، رونا دھونا نہ کریں۔ شرعی آداب کا لحاظ رکھیں تو پھر کبھی کبھار جانے کی رخصت معلوم ہوتی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بقیع میں جانا صحیح مسلم ۹۸۳/۱۰۳ نسائی ۲۰۳۷ وغیرھما میں موجود ہے اس سے بھی آئمہ حدیث نے عورت کے لئے زیارت قبر کے جواز کی دلیل لی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قبرستان میں جا کر دعا کرنا سکھلایا ہے۔ قصہ مختصر عورت کبھی کبھار زیارت قبور کو جا سکتی ہے اگر وہ شرعی پابندیاں ملحوظ خاطر رکھے وگرنہ نہیں اور عصر حاضر میں عورتیں اکثر بن سنور کر قبروں پر جاتی ہیں اور وہاں رونا دھونا اور واویلا بھی کرتی ہیں ان کا زیارت قبر کو جانا درست نہیں پھر یہ کثرت سے حاضری دیتی ہیں جو کہ لعنت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔ آمین

خواتین کی نماز جنازہ میں شرکت

(س) کیا خواتین نماز جنازہ میں شرکت کر سکتی ہیں؟

(ج) خواتین نماز جنازہ اگر ادا کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں عبداللہ بن ابی طلحہ اپنے

باپ ابوطلحہ سے بیان کرتے ہیں کہ جب عمیر بن ابی طلحہ فوت ہوئے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو بلایا تو ان کے ہاں اللہ کے نبی ﷺ تشریف لائے تو عمیر پر ان کے گھر میں نماز جنازہ ادا کی نبی ﷺ آگے بڑھے اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پیچھے تھیں اور ان کے ساتھ ان کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔ (المستدرک للحاکم ۱/۵۱۹ ۱۳۵۰ط جدید)

امام حاکم اور امام ذہبی نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے' امام حاکم فرماتے ہیں عورتوں کے نماز جنازہ ادا کرنے کی اباحت پر یہ ایک سنت غریبہ ہے۔ اسی طرح سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پر امہات المومنین رضی اللہ عنھن کا نماز جنازہ پڑھنا' صحیح مسلم کتاب الجنائز ۹۹/۹۷۳ وغیرہ میں مذکور ہے لہٰذا خواتین اگر نماز جنازہ ادا کرنا چاہیں تو وہ بھی شرکت کرسکتی ہیں البتہ انہیں اپنے حجاب اور پردے کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

کسی کی وفات پر خاموشی اختیار کرنا

س کسی کے مرنے پر ایک منٹ یا اس سے زیادہ عرصہ خاموش رہنے کی شرعی حیثیت کیا ہے یہ سوگ کا صحیح طریقہ ہے؟ (ابوعثمان ننکانہ)

ج مذکورہ لوگوں کا طریقہ کسی دلیل سے ثابت نہیں' البتہ اگر کوئی آدمی کسی کی موت کا سن کر اچانک سکتے میں آجائے تو وہ امر دیگر ہے فطرتی طور پر ایسا ہو جاتا ہے جب کسی انتہائی عزیز کی موت کی خبر ملتی ہے تو یکدم سکتہ طاری ہو جاتا ہے' انسان منہ سے کچھ بول نہیں سکتا لیکن کسی کی وفات کی خبر سن کر اپیل کرنا اور ایک یا دو تین منٹوں کی خاموشی کے لئے کہنا یہ کوئی سوگ کا طریقہ نہیں ہے۔

عورت کا کفن

س عورت کا کفن کیسا ہونا چاہیے یعنی اس کے کفن کے کتنے کپڑے ہوتے ہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاجامہ عورت کو جائز نہیں وضاحت کریں۔

(اخت ابوحنظلہ چیچہ وطنی چک L-۱۲/۴۷)

ج عام فقہاء محدثین کا کہنا ہے کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے۔ ❶ ازار (تہبند) ❷ کرتا یا قمیض۔ ❸ خمار یعنی اوڑھنی (جس کو دامنی یا سر بند بھی کہتے ہیں) ❹۔❺ دو لفافے یعنی دو بڑی چادریں جس میں لپیٹا جائے اس کی دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ لیلیٰ بنت قائف ثقفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں ان عورتوں میں تھی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہمیں تہبند دیا پھر کرتا پھر خمار (اوڑھنی) پھر ایک چادر پھر اس کے بعد ایک دوسرے کپڑے میں لپیٹی گئیں اور رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا کفن تھا آپ ہمیں ایک ایک کپڑا کر کے دیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الجنائز باب فی کفن المراۃ (۳۱۵۸) مسند احمد (۶/۳۸۰)

لیکن یہ روایت درست نہیں اس کی سند میں نوح بن حکیم مجہول آدمی ہے اس کی عدالت نامعلوم ہے اسی طرح اس میں داؤد نامی آدمی کا بھی پتہ نہیں وہ کون ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جب فوت ہوئی تھیں رسول اللہ ﷺ میدان بدر میں تھے ان کے پاس موجود نہ تھے۔ ملاحظہ ہو (نصب الرایۃ ۲:۲۵۸)

اسی لئے علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَالْمَرْأَةُ فِيْ ذٰلِكَ كَالرَّجُلِ إِذْلَا دَلِيْلٌ عَلَى التَّفْرِيْقِ."

''اس مسئلہ میں عورت بھی مرد کی طرح ہے عورت اور مرد کے کفن میں فرق کی کوئی دلیل موجود نہیں۔'' (احکام الجنائز ص ۸۵)

نبی کریم ﷺ کو تین سفید سوتی سحولی چادروں میں کفن دیا گیا اس میں نہ قمیض تھی اور نہ پگڑی۔ (مسند احمد ۶/۴۰، ۱۱۸، ۱۳۲، ۲۰۳)

لہٰذا مسنون یہی ہے کہ میت مرد ہو یا عورت اسے تین کپڑوں میں دفنا دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

قبروں کی اونچائی کتنی ہونی چاہیے

س میں نے ایک حدیث کافی مرتبہ پڑھی ہے کہ قبر زمین کے برابر ہونی چاہیے جب کہ ہمارے پورے ملک میں تمام قبریں زمین کے اوپر بنی ہوئی ہیں اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمائیں۔ (محمد جاوید خاں' ناکھے پسرور)

ج ہمارے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں یہ حکم ہو کہ قبریں زمین کے برابر ہونی چاہئیں۔ شاید آپ کی مراد صحیح مسلم کی وہ حدیث ہو جس میں ابو الھیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھے علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا وہ یہ ہے کہ جو تصویر دیکھو اسے مٹا دو اور جو قبر اونچی دیکھو اسے برابر کرو' مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اونچی قبر کو دوسری قبروں کے برابر کر دو۔ یہ نہیں کہ زمین کے برابر کر دو کیونکہ اگر قبر زمین کے برابر بنائی جائے تو ظاہر ہے قبر کا نشان باقی ہی نہیں رہے گا پھر قبروں کی زیارت جس کی تلقین رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے کیسے کی جائے گی؟ خود رسول اللہ ﷺ کی قبر زمین سے تقریباً ایک بالشت اونچی بنائی گئی ہے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان میں ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے لحد بنائی گئی اس پر کچھ کچی اینٹیں نصب کی گئی ہیں اور آپ ﷺ کی قبر زمین سے تقریباً ایک بالشت بلند کی گئی۔ (حدیث ۲۱۷۰) اس لئے مسنون طریقہ یہی ہے کہ قبر سے نکلنے والی مٹی ہی اوپر ڈالی جائے اسے کوہان نما بنایا جائے اور مزید مٹی لا کر اسے اونچا نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔



كتاب العيدين

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو لوگوں کے لیے دو دن ایسے تھے جن میں وہ کھیلتے تھے آپ نے پوچھا یہ دو دن کیا ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ان دو دنوں میں جاہلیت میں کھیلتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قد أبد لکم الله بهما خیراً منهما یوم الاضحی و یوم الفطر))

[ابوداؤد ١١٣٤۔ مشکوۃ ١٤٣٩]

”تحقیق اللہ نے تمہارے لیے ان دو دنوں کے بدلے میں ان سے بہتر دن عطا کر دیے ہیں۔ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر۔“

نمازِ عید کے لیے عورتوں کا عیدگاہ جانا

﴿س﴾ کیا نمازِ عیدین کے لیے عورتوں کا عیدگاہ میں جانا ضروری ہے؟

﴿ج﴾ عیدین کی نماز میں عورتوں کی شرکت لازمی ہے جو عورتیں ایام ماہواری میں بھی ہوں وہ بھی عیدگاہ کی طرف جائیں اگرچہ نماز تو وہ ادا نہیں کریں گی لیکن مسلمانوں کی دعاؤں میں شرکت کریں گی۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم عیدین کے دن حیض والی اور پردہ دار دوشیزاؤں کو نکالیں تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں شریک ہو جائیں اور حائضہ عورتیں نماز والی جگہ سے علیحدہ رہیں ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں سے کسی کے پاس بڑی چادر نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا اسے اس کے ساتھ والی چادر اوڑھا دے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ۱۴۳۱) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ خواتین کو عیدین کی نماز ادا کرنے کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلنا چاہیے اگر عورت کو ایام ماہواری آ جائیں تب بھی وہ عیدگاہ کی طرف جائے گی، مسلمانوں کی دعا میں شرکت کرے گی، امام ابن قدامہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''المغنی'' میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد بعض ایسے حضرات کے اقوال نقل کیے ہیں جو عورتوں کے لیے عیدگاہ کی طرف جانا پسند نہیں کرتے پھر اس کے متعلق انتہائی جامع اور موثر تبصرہ یوں کیا ہے ''رسول اللہ ﷺ کی سنت سب سے زیادہ اتباع کا حق دار ہے''۔ (المغنی ۲۶۵/۴)

اسی لیے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خواتین عیدگاہ میں حاضر ہوتی تھیں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ عید الفطر کے دن اٹھے پہلے نماز ادا کی پھر خطبہ دیا جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو اتر کر عورتوں کے پاس تشریف لائے آپ نے انہیں نصیحت کی اور آپ بلال رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ٹیک لگائے ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب العیدین) الغرض اس معنی کی کئی ایک احادیث صحیحہ موجود ہیں کہ عورتوں کو نمازِ عید کی ادائیگی کے لیے عیدگاہ کی طرف جانا چاہیے۔

نماز عید کہاں ادا کی جائے؟

س کیا عید کی نماز مسجد میں ادا کرنی چاہیے یا مسجد سے باہر کھلے میدان میں؟ کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں۔

ج رسول اکرم ﷺ کی سنت یہ ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کی جائے آپ عید والے دن مدینہ سے نکل کر باہر عیدگاہ میں نماز عید ادا کرتے تھے' ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے تھے۔ (صحیح البخاری کتاب العیدین)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ''اخبار المدینہ'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''المصلی (عیدگاہ)'' مدینہ میں ایک معروف جگہ ہے اس کے اور مسجد کے دروازے کے درمیان ایک ہزار ہاتھ کی مسافت ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ کی طرف نکلتے تھے اور نیزہ آپ کے آگے ہوتا اور اسے آپ کے آگے عیدگاہ میں نصب کیا جاتا آپ اس کی طرف نماز ادا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری) معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ ہے کہ نماز مسجد کی بجائے عیدگاہ میں پڑھی جائے البتہ عذر کی صورت میں مسجد میں ادا کی جا سکتی ہے اس کے بارے مرفوع روایت تو ضعیف ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ بارش کی صورت میں مسجد میں نماز عید ادا کی البتہ امام ابن حزم فرماتے ہیں عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے عید کے دن بارش ہونے کی بنا پر لوگوں کو مسجد میں نماز عید پڑھائی۔ (المحلی ۵/ ۱۲۸۔۱۲۹)

لہٰذا عذر کی وجہ سے نماز عید مسجد میں ادا کی جا سکتی ہے۔

عید کے دن روزہ رکھنا کیسا ہے؟

س عید والے دن روزہ رکھنے کے بارے کیا حکم ہے؟ کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عید

والے دن قربانی کرنے تک روزہ ہوتا ہے۔

ج عید والے دن روزہ رکھنے کی شریعت میں ممانعت ہے' ابوعبید مولی ابن ازہر سے روایت ہے کہ میں عید کے موقع پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حاضر ہوا انہوں نے کہا ان دو دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے سے منع کیا ہے' تمہارے روزے چھوڑنے کا دن اور دوسرا دن جس میں تم اپنی قربانی (کے گوشت) سے کھاتے ہو (بخاری و مسلم) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں یہ حدیث عیدین کے دونوں دنوں میں روزے رکھنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے وہ روزے خواہ نذر کے ہوں یا کفارہ کے' یا نفلی یا حج تمتع کے اور اس بات پر اجماع ہے (فتح الباری ۴/۲۳۹) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو روزوں سے منع کیا ہے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دنوں کے (صحیح مسلم) امام نووی فرماتے ہیں۔ ان دو دنوں میں کسی بھی قسم کے روزے رکھنے کے حرام ہونے پر علماء کا اجماع ہے' خواہ کوئی شخص روزے نذر کے پورا کرنے کی نیت سے رکھے یا نفلی روزوں کی نیت سے یا کفارہ کی نیت سے یا کسی اور نیت سے۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں ''ان دو دنوں میں روزے رکھنے کی ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لیے تیار کردہ ضیافت سے اعراض ہے''۔ (نیل الاوطار ۴/۳۵۱'۳۵۲)

ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد بال اور ناخن نہ اتروانا

س جس شخص نے قربانی کرنی ہو وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد بال اور ناخن اتروائے یا پہلے بھی اتروا سکتا ہے' اسی طرح جس شخص نے قربانی نہ کرنی ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

ج جو آدمی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد بال یا ناخن کاٹنے سے باز رہنا چاہیے' ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھ لو اور تمہارا قربانی کرنے کا ارادہ ہو

تو بالوں اور ناخنوں کو تراشنے سے رک جاؤ۔ (صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب نھی من دخل علیه عشر ذی الحجه وهو مرید التضحیه ان یاخذ من شعره و اظفاره شیاء ٤١)

اور جس شخص نے قربانی نہ کرنی ہو وہ عید والے دن اگر ناخن تراش لے' بال اتار لے' مونچھیں کاٹ لے' زیر ناف بال اتار لے تو اسے بھی قربانی کا ثواب مل جاتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے یوم الاضحیٰ کو عید کا حکم دیا گیا ہے اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے مقرر کیا ہے ایک آدمی نے کہا آپ مجھے یہ بات بتائیں کہ اگر میں قربانی کے لئے مونث دودھ دینے والی بکری کے سوا نہ پاؤں تو کیا اس کی قربانی کروں؟ آپ نے فرمایا نہیں لیکن تم اپنے بال' ناخن تراش لینا اور اپنی مونچھیں کاٹنا اور شرمگاہ کے بال مونڈ دینا اللہ کے ہاں یہ تیری پوری قربانی شمار ہوگی۔ (ابو داؤد کتاب الضحا یا باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی ۲۷۸۹۔ نسائی کتاب الضحا یا باب من لم یجد الاضیحة ٤٣٧٧) اسے امام ابن حبان ۱۰۴۳۔ اور امام حاکم ۴/۲۲۳ اور امام ذہبی نے صحیح کہا ہے' اس کی سند میں عیسیٰ بن ہلال الصدفی صدوق ہے تقریب مع تحریر ۳/۱۴۵ جس کی وجہ سے یہ روایت حسن ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے قربانی نہ کرنی ہو وہ اپنے بال اور ناخن عید والے دن تراش لے تو اس کو بھی اللہ کے ہاں سے پوری قربانی کا ثواب مل جائے گا۔

عید کے دن جمعہ پڑھنا

س ایک ہی دن عید یا جمعۃ المبارک ہوں تو عید پڑھ لینے سے جمعہ ساقط ہو جاتا ہے یا کہ نہیں جمعہ پڑھنا ضروری ہے اس کی وضاحت کریں۔

(محمد آصف ارشاد فیصل آباد)

ج اگر کسی روز عید اور جمعۃ المبارک اکٹھے آ جائیں تو نماز عید ادا کر لینے کے بعد

نماز جمعہ کی رخصت ہے چاہے تو جمعہ پڑھ لیں یا گھر میں ہی نماز ظہر ادا کر لیں اور نماز جمعہ کے لئے اہتمام کر کے نہ آئیں۔

وہب بن کیسان سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور میں جمعہ کے دن عید ہوئی تو انہوں نے عید پڑھائی اور جمعہ نہ پڑھایا اس بات کی خبر جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا ان کا یہ عمل سنت کے موافق ہے۔ (سنن النسائی ۱۵۹۱ ابن خزیمہ ۱۴۶۵)

ابن ابی شیبہ اور ابن خزیمہ کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کیے جب انہیں ان اعتراضات کا علم ہوا تو وہ فرمانے لگے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

ابوعبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک دفعہ عید اور جمعہ جمع ہو گئے تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص جمعہ ادا کرنا چاہتا ہے وہ ادا کرے اور جو (گھر میں) بیٹھا رہنا چاہتا ہے بیٹھا رہے۔ (عبدالرزاق: ۳/۳۰۵)

لہٰذا جمعہ اور عید جمع ہو جائیں تو عید کی نماز پڑھیں اور جمعہ کے لئے رخصت ہے جمعہ پڑھنے آئے یا نماز ظہر پڑھ لیں۔



كتاب الصيام

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ﴾

[بقرہ: ۱۸۳]

''اے ایمان والو! تمہارے اوپر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

روزہ میں منجن کا استعمال

س روزہ دار کے لئے دانتوں کے پیسٹ (منجن) استعمال کرنے' نیز کان کے' ناک کے اور آنکھ کے قطرے (دوائیں) ڈالنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر روزہ دار پیسٹ منجن کا اور ان قطروں کا اپنی حلق میں ذائقہ محسوس کرے تو کیا کرے؟

ج پیسٹ منجن کے ذریعہ دانت صاف کرنے سے مسواک کی طرح روزہ نہیں ٹوٹتا' اور اگر ان قطروں کا ذائقہ حلق میں محسوس کرے تو اس روزہ کی قضا کر لینا احوط ہے' واجب نہیں کیونکہ آنکھ اور کان کھانے پینے کے راستے نہیں ہیں البتہ ناک کے قطرے استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ ناک کھانے پینے کے راستہ میں شمار ہوتی ہے' اور اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے' اور ناک میں (وضو کرتے وقت) خوب اچھی طرح پانی چڑھاؤ' الا یہ کہ تم روزہ سے ہو۔''

لہٰذا مذکورہ حدیث اور اس معنی کی دیگر احادیث کی روشنی میں اگر کسی نے روزہ کی حالت میں ناک کے قطرے استعمال کیے اور حلق میں اس کا اثر محسوس ہوا تو اس روزہ کی قضاء کرنی واجب ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

حیض و نفاس والی عورتوں کے لئے روزوں کی قضا

س حیض اور نفاس والی عورتوں کے لئے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر انہوں نے چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا آئندہ رمضان تک موخر کر دی تو ان پر کیا لازم ہے؟

ج حیض اور نفاس والی عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ حیض اور نفاس کے وقت وہ روزہ توڑ دیں' حیض اور نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا جائز نہیں' اور نہ ہی ایسی حالت میں نماز اور روزہ صحیح ہے انہیں بعد میں صرف روزوں کی قضا کرنی ہوگی' نماز کی نہیں' عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے ان سے سوال کیا گیا کہ کیا حائضہ

عورت نماز اور روزے کی قضاء کرے؟ تو انہوں نے فرمایا: ''ہمیں روزوں کی قضاء کرنے کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضاء کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔'' (متفق علیہ)

عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ حدیث پر علماء کا اتفاق ہے کہ حیض و نفاس والی عورتوں کو صرف روزوں کی قضا کرنی ہے نماز کی نہیں اور یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے ایک طرح کی رحمت اور آسانی ہے کیونکہ نماز ایک دن میں پانچ مرتبہ پڑھی جاتی ہے اس لئے نماز کی قضاء مذکورہ عورتوں پر بھاری تھی' اس لئے برخلاف روزہ سال میں صرف ایک بار فرض ہے اور وہ ماہِ رمضان کا روزہ ہے اس لئے اس کی قضاء میں کوئی مشقت و دشواری نہیں۔

رہا مسئلہ چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا میں تاخیر کا تو جس عورت نے رمضان کے چھوڑے ہوئے روزے کسی شرعی عذر کے بغیر دوسرے رمضان کے بعد تک مؤخر کر دیئے' اسے قضا کرنے کے ساتھ ہی ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہوگا۔ ور اللہ سے توبہ کرنی ہوگی۔ البتہ اگر مرض یا سفر دوسرے رمضان تک مسلسل جاری و برقرار رہا تو مرض سے شفایاب ہونے اور سفر سے لوٹنے کے بعد صرف روزوں کی قضاء کرنی ہوگی' ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا نہیں کھلانا ہوگا۔

اذان کے دوران کھانا پینا

س کیا اذان شروع ہونے کے ساتھ ہی سحری کھانے سے رک جانا ضروری ہے یا اذان ختم ہونے تک کھا' پی سکتے ہیں؟

ج مؤذن کے بارے میں اگر یہ معروف ہو کہ وہ فجر طلوع ہونے کے ساتھ ہی اذان دیتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی اذان سنتے ہی کھانے پینے اور دیگر تمام مفطرات سے رک جانا ضروری ہے' لیکن اگر کیلنڈر کے اعتبار سے ظن و تخمین سے اذان دی جائے تو ایسی صورت میں اذان کے دوران کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے' آپ نے فرمایا:

''بلالؓ رات میں اذان دیتے ہیں سو کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔'' (متفق علیہ)

نیز فرمایا:

''جو شخص شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔'' (صحیح البخاری)

لیکن اگر یہ بات متعین ہو کہ موذن کچھ رات باقی رہنے پر ہی طلوع فجر سے پہلے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے اذان دیتا ہے' جیسا کہ بلال کرتے تھے' تو ایسی صورت میں مذکورہ بالا حدیث پر عمل کرتے ہوئے کھاتے پیتے رہنے میں کوئی حرج نہیں' یہاں تک کہ طلوع فجر کے ساتھ اذان دینے والے موذن کی اذان شروع ہو جائے۔

رمضان کے روزوں کی قضا

(س) جس شخص کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضا ہو اس کے لئے نفلی روزے مثلاً شوال کے چھ روزے' عشرہ ذی الحجہ کے روزے اور عاشوراء کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟

(ج) جس کے ذمہ رمضان کے روزوں کی قضا ہو علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق نفلی روزوں سے پہلے اس پر رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہے' کیونکہ فرائض' نوافل سے اہم ہیں۔ (ابن بازؒ)

روزہ میں بھول کر کھانا پینا

(س) جس شخص نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لیا اس کا کیا حکم ہے؟

(ج) ایسے شخص پر کچھ نہیں' اور اس کا روزہ صحیح ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۸۶)

''اے ہمارے رب! ہم اگر بھول گئے یا غلطی کر بیٹھے تو ہماری گرفت نہ کر۔''

نیز ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھالیا یا پی لیا' وہ اپنا روزہ پورا کرلے' کیونکہ اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔'' (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

''جس نے رمضان میں بھول کر روزہ توڑ دیا تو اس پر نہ قضا ہے نہ کفارہ۔''

اس حدیث کی امام حاکمؒ نے تخریج کی ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے الفاظ میں جماع اور دیگر تمام مفطرات شامل ہیں۔

تارک نماز کے روزے کا حکم

س تارک نماز کے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر وہ روزہ رکھے تو کیا اس کا روزہ درست ہے؟

ج صحیح بات یہ ہے کہ عمداً نماز ترک کرنے والا کافر ہے' لہٰذا جب تک وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ نہ کرلے اس کا روزہ اور اسی طرح دیگر عبادات درست نہیں' کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (سورۃ الانعام:۸۸)

''اور اگر انہوں نے شرک کیا ہوتا تو وہ سب اکارت ہو جاتا جو وہ کرتے تھے۔''

نیز اس معنی کی دیگر آیات اور احادیث بھی تارک نماز کے اعمال اکارت ہو جانے کی دلیل ہیں۔

لیکن کچھ اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ تارک نماز اگر نماز کی فرضیت کا معترف ہے لیکن سستی و لاپرواہی کی وجہ سے نماز چھوڑتا ہے' تو اس کا روزہ اور دیگر عبادات برباد نہیں ہوں گی' لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے' یعنی عمداً نماز ترک کرنے والا کافر ہے' بھلے وہ نماز کی فرضیت کا معترف ہو' کیونکہ اس قول پر بے شمار دلائل موجود ہیں'

انہیں دلائل میں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

"بندہ کے درمیان اور کفر و شرک کے درمیان بس نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔"

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور آپ ﷺ کی یہ حدیث بھی:

"ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان جو معاہدہ ہے وہ نماز ہے' تو جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔"

اس حدیث کو امام احمد ابوداؤد' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ نے بریدہ بن حصین اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس بارے میں امام ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے نماز کے احکام اور نماز چھوڑنے کے احکام پر مشتمل ایک مستقل رسالہ (حکم تارک الصلاۃ) میں سیر حاصل گفتگو کی ہے' یہ رسالہ بڑا مفید اور قابل مطالعہ ہے' اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

روزے کی حالت میں قے کا آنا

س روزہ کی حالت میں کسی کو خود بخود قے ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ وہ اس روزہ کی قضا کرے یا نہ کرے؟

ج روزہ کی حالت میں خود بخود قے ہو جانے سے روزہ کی قضا نہیں' لیکن اگر کسی نے عمداً قے کیا ہے تو اسے اس روزہ کی قضا کرنی ہوگی' کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"جسے خود بخود قے ہو جائے اس پر قضا نہیں' اور جس نے عمداً قے کی اس پر قضا ہے۔"

اس حدیث کو امام احمد نیز اصحاب سنن اربعہ (ابوداؤد' نسائی' ترمذی اور ابن ماجہ) نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

جائے اعتکاف میں کس وقت داخل ہونا چاہیے

س جائے اعتکاف میں کس وقت داخل ہونا چاہیے اور اعتکاف میں جائز امور کون کون سے ہیں؟ (حافظ آصف شیخوپورہ)

ج اعتکاف کے متعلق اللہ کے نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے تھے۔ دوسری حدیث یہ ہے:

''سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول ﷺ جب اعتکاف بیٹھنے کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز پڑھ کر جائے اعتکاف میں داخل ہو جاتے۔''

(صحیح مسلم، ابوداؤد ۲۴۶۴)

ان احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے عام اہل علم یہ بات لکھتے ہیں کہ آخری عشرہ کا آغاز بیس رمضان کا سورج غروب ہوتے ہی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا معتکف کو چاہیے کہ اکیسویں رات شروع ہوتے ہی مسجد میں آ جائے۔ رات بھر تلاوت قرآن، ذکر الٰہی، تسبیح وتہلیل اور نوافل میں مصروف رہے اور صبح نماز فجر ادا کر کے اپنے اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جائے۔

جبکہ دوسرا موقف جو ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری عشرے کا اعتکاف بیٹھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اعتکاف کا آغاز نماز صبح کے بعد کرتے اکیس یا بیس کی صبح کو اس کا تعین واضح نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ معتکف بیس رمضان کی فجر کی نماز پڑھ کر اعتکاف کا آغاز کرے تاکہ اکیس کی رات معتکف میں آئے کیونکہ اعتکاف لیلۃ القدر کی تلاش کا ایک ذریعہ ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے لیلۃ القدر میں دو عشرے اعتکاف کیا۔ نہ ملی تو پھر آپ ﷺ نے تیسرے اور آخری عشرے کا اعتکاف کیا تسلسل بھی جاری رکھا حتیٰ کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ساتھ اعتکاف کر رہے تھے ان میں سے بعض بیسویں کی صبح اپنا بوریا بستر اٹھا کر گھر میں بھی پہنچا چکے تھے۔ تب آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جو میرے ساتھ اعتکاف کر رہا ہے وہ

اپنے اعتکاف کو جاری رکھتے۔بیسویں رمضان تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر سے آخری عشرے کا آغاز کردیا۔(بخاری)

ذرا غور فرمائیں کہ آخری عشرے کا اعتکاف اکیسویں رات بعد از غروب آفتاب شروع ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے بیسویں کے دن کا اعتکاف صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیوں کروایا۔آپ ﷺ انہیں اکیسویں رات کو ہی بلا لیتے اور کہہ دیتے کہ تم نے معتکف تو توڑ پھوڑ دیا ہے اب رات مسجد میں گزارو اور کل صبح یعنی اکیسویں کی صبح کی نماز کے بعد دوبارہ داخل ہو جاؤ۔(مولانا عبدالسلام بستوی کے ''اسلامی خطبات'') ان حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اگر ۲۰ کی صبح کو مسجد میں آ جائے تو ذہنی طور پر لیلۃ القدر کی تلاش کے لیے اکیسویں کو پورا تیار ہو جاتا ہے جبکہ دوسرے موقف کے لحاظ سے اکیسویں رات جائے اعتکاف سے باہر گزاری اور اعتکاف کے ارادے سے اکیس کی صبح کو معتکف میں داخل ہوا تو آخری عشرے سے ایک رات خارج ہو جائے گی جو ایک نقص بھی ہے لہٰذا زیادہ مناسب اور موزوں یہ ہے کہ بیسویں کی صبح کو مسجد میں آ جائے اور نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے معتکف میں تیار ہو کر بیٹھ جائے۔اس صورت میں دونوں احادیث پر بہتر عمل ہو جائے گا صرف آخری عشرہ سے ۱۲ گھنٹوں کا اضافہ ہوگا اور اس اضافے میں کوئی مضائقہ نہیں۔حافظ عبداللہ بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی موقف کے قائل تھے اور یہ موقف مبنی بر احتیاط ہے۔واللہ اعلم۔

جائز امور:۔معتکف کے لیے حالت اعتکاف میں نہانا' سر میں کنگھی کرنا' تیل لگانا اور حاجات ضروریہ مثلاً پیشاب' پاخانہ' فرض غسل وغیرہ کے لیے جانا درست ہے۔

(بخاری ۲۷۲/۱)

اعتکاف بیٹھنے والے کو بلا عذر شرعی اپنے معتکف سے باہر نہیں جانا چاہیے۔

لیلۃ القدر پہچاننے کی علامات؟

س لیلۃ القدر کی کیا فضیلت ہے اور اس کو پہچاننے کے لیے کیا علامات ہیں؟

ج لیلۃ القدر کی کچھ علامات احادیث میں اس طرح آئی ہیں۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لیلۃ القدر کی صبح کو سورج کے بلند ہونے تک اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ وہ ایسے ہوتا ہے جیسا کہ تھالی (پلیٹ)۔'' (مسلم ۷۶۲)

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کون اسے یاد رکھتا ہے (اس رات) جب چاند نکلتا ہے تو ایسے ہوتا ہے جیسے بڑے تھال کا کنارہ۔'' (مسلم ۱۱۷۰)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لیلۃ القدر آسان و معتدل رات ہے جس میں نہ گرمی ہوتی ہے اور نہ ہی سردی، اس کی صبح کو سورج اس طرح طلوع ہوتا ہے کہ اس کی سرخی مدھم ہوتی ہے۔'' (مسند بزار ۱/ ۴۸۶، مسند طیالسی ۳۴۹، ابن خزیمہ ۳/ ۲۳۱)

شیخ سلیم الہلالی اور شیخ علی حسن عبدالحمید نے صفۃ صوم النبی ﷺ کے صفحہ ۹۰ پر اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

روزہ رکھ کر جھوٹ بولنے والے کے روزہ کی حیثیت

س جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولے یا جھوٹی بات پر عمل کرے تو کیا اس کا روزہ اللہ کے ہاں قبول ہو جاتا ہے؟

ج روزے کی حالت میں جھوٹ بولنے والے یا جھوٹی باتوں پر عمل کرنے والے کا روزہ ضائع ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی نے روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الصوم ۱۹۰۳۔ بحوالہ مشکوۃ ۱۹۹۹۔ عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ)

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث میں ہے کہ '' کتنے ہی روزہ

دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں اور کتنے ہی قیام کرنے والے ایسے ہیں جنہیں اپنے قیام سے بیداری کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا (سنن الدارمی کتاب الرقاق ۲۷۲۳) مذکورہ احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ روزہ دار آدمی کو حالت روزہ میں گالی گلوچ' تہمت طرازی' عیب جوئی' جھوٹ پر عمل اور اس کی اشاعت وغیرھا جیسے اعمال قبیحہ سے مکمل اجتناب کرنا چاہیئے ورنہ اسے روزے سے سوائے فاقہ کے کچھ حاصل نہ ہوگا اللہ کریم کو وہی روزہ قبول ہوگا جو منہیات سے بچایا ہوا ہوگا۔

کیا روزہ رکھنے کے لیے چاند دیکھنا ضروری ہے؟

س کیا روزہ رکھنے کے لیے چاند دیکھنا ضروری ہے؟ مثلاً شعبان کی ۲۹ تاریخ ہو اور رمضان المبارک کے لیے چاند دیکھے بغیر روزہ رکھ لینا چاہیئے؟

ج روایت ہلال کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور نہ ہی افطار کرو حتیٰ کہ تم اسے دیکھ لو اگر تمہارے اوپر مطلع ابر آلود ہو تو اس کے لیے گنتی کرو۔ (صحیح البخاری کتاب الصوم ۱۹۰۶' صحیح مسلم ۱۰۸۱)

یعنی ہمیں شعبان کی ۲۹ تاریخ کو چاند دیکھنا چاہیئے اگر نظر آ جائے تو دوسرے دن روزہ رکھنا چاہیئے اور اگر چاند نظر نہ آئے تو پھر شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے رمضان کا روزہ رکھنا چاہیئے۔ شک والے دن کا روزہ کسی صورت میں بھی نہیں رکھنا چاہیئے کہ آدمی متردد ہو کہ پتہ نہیں شعبان کی ۳۰ تاریخ ہے یا یکم رمضان ہے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جس آدمی نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم محمد ﷺ کی نافرمانی کی۔

(ابوداؤد کتاب الصوم ۲۳۳۴ ترمذی کتاب الصوم ۶۸۶)

رمضان المبارک کے چاند کے لیے ایک فرد کی گواہی کافی ہے؟

(س) کیا رمضان المبارک کا چاند دیکھنے کے لیے ایک شخص کی گواہی کفایت کرتی ہے؟

(ج) رمضان کی رؤیت ہلال کے لیے ایک عادل اور قابل اعتماد شخص کی گواہی کافی ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی میں نے رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔'' (ابوداؤد کتاب الصوم باب فی شہادۃ الواحد علی رؤیۃ ہلال رمضان ۲۳۴۲، سنن الدارمی ۱۶۹۸، ابن حبان ۸۷۱)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کے چاند کی رؤیت کے بارے ایک مسلمان عادل شخص کی گواہی کافی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی گواہی پر خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ اس مسئلہ کی تائید ایک اور روایت سے بھی ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا میں نے رمضان کا چاند دیکھا لیا ہے تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اس نے کہا ہاں پھر آپ نے فرمایا ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟'' اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا: ''لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔'' (ابوداؤد ۲۳۴۰، بیہقی ۲۱۲/۴) لہٰذا ایک عادل کی گواہی پر روزہ رکھ لیا جائے۔

چاند دیکھنے والا کیا پڑھے؟

(س) چاند دیکھنے والے شخص کو کیا دعا پڑھنی چاہیے؟

(ج) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چاند دیکھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ رَبُّنَا وَ تَرْضَى رَبُّنَا وَ رَبُّكَ اللّٰهُ.

''اللہ سب سے بڑا ہے' اے اللہ تو اس چاند کو ہم پر امن وایمان اور سلامتی واسلام کے ساتھ طلوع کر' اور اس چیز کی توفیق کے ساتھ جس سے تو محبت کرتا ہے اے ہمارے رب اور جسے تو پسند کرتا ہے۔ (اے چاند) ہمارا اور تیرا رب اللہ ہے''۔ (سنن الدارمی ۱۶۹۴' سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ) یہ روایت کثرت شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

روزے کا کفارہ؟

س روزے کا کفارہ کیا ہے؟

ج جو شخص حالت روزہ میں بیوی سے صحبت کرے اس کے لیے کفارہ یہ ہے کہ وہ ایک غلام آزاد کرے اگر یہ طاقت نہ ہو تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے اگر یہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے۔ (صحیح البخاری ۱۹۳۶)

کیا شب برأت شب قدر کی طرح ہے؟

س جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برات' شب قدر کی طرح ہے کیا یہ موقف درست ہے۔ (ابوعبداللہ بہاولپور)

ج نصف شعبان کی رات کو شب قدر قرار دینا باطل ہے محققین محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس کو باطل قرار دیا ہے اور امام ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں ''جمہور علماء کے نزدیک لیلۃ مبارکۃ سے مراد لیلۃ القدر ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔ یہ قول باطل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی قطعی کتاب میں فرمایا ہے کہ ''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔'' اور اس پر نص بھی وارد کی ہے کہ اس کے نزول کا وقت رمضان ہے پھر اس مقام (سورۃ دخان) پر اس کے نزول کا زمانہ رات ذکر کیا ہے جس آدمی نے یہ سمجھا کہ یہ

رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے کی رات ہے اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے اور نصف شعبان کی رات، اس کی فضیلت اور لوگوں کی تقدیر نقل کرنے کے بارے کوئی قابل اعتماد روایت نہیں اس کی طرف التفات نہ کرو۔ (ملاحظہ ہو احکام القرآن ۴/۱۶۹۰)

شیخ محمد عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ''السنن والمبتدعات'' ص ۱۰۲ میں ذکر کیا ہے کہ سورۃ الدخان میں ہر حکمت والے معاملہ کے فیصلے کا جو ذکر ہے یہ شب قدر میں ہی ہے جیسا کہ سورۃ القدر میں نزولِ ملائکہ کا ذکر ہے۔ نصف شعبان کی رات میں یہ بات نہیں ہے۔

بہر کیف نصف شعبان کی رات کو شب قدر یا شب برأت یا لیلۃ مبارکہ سمجھنا درست نہیں شب قدر و برات رمضان المبارک میں آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے یہی بات کتاب وسنت سے ثابت ہوتی ہے۔

عورتوں کا گھر میں اعتکاف

س: نماز ایک عبادت ہے جو کہ عورت گھر میں ادا کرسکتی ہے تو پھر عورت گھر میں اعتکاف کیوں نہیں کرسکتی جبکہ یہ بھی عبادت ہے اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مردوں کے لئے کہ ''اور نہ ملو اپنی عورتوں سے اور تم اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں''۔ (ایک سائلہ، فیصل آباد)

ج: ہمارے لئے حجت اللہ کی شریعت ہے اور شریعت قرآن و حدیث کا نام ہے عبادت کے احکامات وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائے ہیں عورت کے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کے متعلق شرعی نصوص موجود ہیں جبکہ اعتکاف بیٹھنے کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں قرآن حکیم نے بھی اعتکاف کا محل مساجد ذکر کیا ہے اور رسول کریم ﷺ کے دور میں عورتیں مسجد میں بھی اعتکاف بیٹھا کرتی تھیں۔ کسی بھی صحیح دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ عورتوں کے لئے مسجد کی بجائے گھر کو جائے اعتکاف قرار دیا گیا ہو لہٰذا ہمیں اپنی طرف سے احکامات گھڑنے کی بجائے شریعت کے نصوص کو دیکھنا چاہیے۔

كتاب الاضحية

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إنا اعطيناك الكوثر فصل لربك وانحر ان شانئك هو الابتر﴾
[الکوثر]

''بلاشبہ ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا۔ آپ اپنے رب کے لیے نماز ادا کریں اور قربانی کریں یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہو گا۔''

مردہ بچے کا عقیقہ

س اگر عورت کو مردہ بچہ پیدا ہو تو اس بچے کا عقیقہ کرنا چاہیے یا نہیں۔ قرآن و سنت سے وضاحت فرمائیں۔

(عبدالناصر ولد عبدالستار چک نمبر 318/HR فورٹ عباس)

ج مردہ بچے کے بارے میں عقیقہ کے متعلق مجھے کسی صحیح حدیث کا علم نہیں۔

میت کی طرف سے قربانی کرنا

س کیا میت کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے؟

ج میت کی طرف سے مستقل قربانی کرنے کی کوئی خاص دلیل موجود نہیں البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت ہے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا لانے کا حکم دیا جس کے ہاتھ، پاؤں، پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں وہ آپ کے پاس قربانی کے لئے لایا گیا پھر آپ نے کہا اے عائشہ چھری لاؤ پھر آپ نے کہا اس کو پتھر پر تیز کرو میں نے ایسا کیا پھر آپ نے چھری پکڑ لی اور مینڈھے کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دیا پھر فرمایا: ''اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما''۔ پھر اسے ذبح کر دیا۔ (صحیح مسلم کتاب الاضاحی ۱۹/ ۱۹۸۷)

یہ قربانی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں کی اس سے دلیل لی جاتی ہے کہ آپ نے یہ قربانی اپنی امت کی طرف سے بھی کی جب کہ آپ کے کئی امتی اس سے پہلے فوت ہو چکے تھے اسی طرح جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کے پاس دو مینڈھے سینگوں والے چتکبرے بڑے بڑے خصی شدہ لائے گئے آپ نے ان دونوں میں سے ایک کو لٹایا اور کہا ''اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، محمد ﷺ کی طرف سے اور محمد ﷺ کی امت میں سے جس نے تیری توحید کی

گواہی دی اور میرے لئے پیغام پہنچانے کی شہادت دی کی طرف سے"

(مجمع الزوائد ۴/ ۱۲۷ارواء الغلیل ۴/ ۲۵۱)

ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قربانی کا ارادہ کرتے تو دو موٹے تازے سینگوں والے چتکبرے مینڈھے خریدتے، جب آپ نماز اور خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو عید گاہ ہی میں ان دو میں سے ایک مینڈھے کو لایا جاتا آپ اسے ذبح کرتے اور کہتے "اے اللہ یہ میری امت کے ان سب لوگوں کی طرف سے ہے جنہوں نے تیری توحید کی گواہی دی اور میرے پیغام پہنچانے کی شہادت دی' پھر دوسرا مینڈھا لایا جاتا آپ اس کو ذبح کرتے اور فرماتے "اے اللہ یہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کی طرف سے ہے، آپ ان دونوں کے گوشت کو مسکینوں کو کھلاتے خود بھی کھاتے اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلاتے (مسند احمد، مسند بزار، طبرانی بحوالہ مجمع الزوائد کتاب الاضاحی باب اضحیہ رسول اللہ ﷺ ۴/ ۲۱، ۲۲)

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے ان تمام لوگوں کی طرف سے قربانی کرتے تھے جو اللہ کی توحید اور آپ کے پیغام الٰہی پہنچانے کی شہادت دیتے تھے اور آپ کی امت میں آپ کی زندگی میں موجود اور فوت ہونے والے سب ہی شامل ہیں۔

عورت قربانی کا جانور ذبح کرسکتی ہے؟

س کیا عورت اپنا قربانی کا جانور خود ذبح کرسکتی ہے؟

ج مسلمان عورت اگر جانور ذبح کرنے کا سلیقہ رکھتی ہو تو اپنی قربانی خود ذبح کرسکتی ہے۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ صحیح بخاری کتاب الاضاحی میں روایت لائے ہیں کہ "ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کریں۔ یہ روایت مصنف عبدالرزاق کتاب المناسک ۴/ ۳۸۹ (۸۱۶۹) میں بھی موجود ہے۔

علامہ عینی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورتیں جب اچھی طرح ذبح کرسکتی ہوں تو وہ اپنی قربانیاں خود ذبح کرسکتی ہیں۔'' (عمدۃ القاری ۲۱/۱۵۵) اسی طرح صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی عورتوں کے لئے جانور کا ذبح کرنا جائز معلوم ہوتا ہے۔ کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ایک عورت نے پتھر کے ساتھ ایک بکری ذبح کردی تو نبی ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس کے کھانے کا حکم دیا۔'' اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ عورت کا ذبیحہ جائز و درست ہے۔

حاملہ جانور کی قربانی

س کیا حاملہ جانور کی قربانی درست ہے؟ اور اس کے پیٹ کے بچے کا کیا حکم ہے اسے کھانا درست ہے یا نہیں؟

ج حاملہ جانور کی قربانی کرنا درست ہے اور اس کے پیٹ کا بچہ حلال ہے' ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ ہم اونٹنی' گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں تو اس کے پیٹ میں بچہ پاتے ہیں کیا ہم اسے پھینک دیں یا کھالیں؟ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اسے کھالو بے شک اس کا ذبح اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے۔ (ابوداؤد کتاب الضحایا باب ماجاء فی ذکاۃ الجنین ۲۸۴۲)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ اونٹنی بکری یا گائے کی قربانی درست ہے اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی حلال ہے۔ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں ''اس حدیث میں ماں کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ کا بچہ ذبح کئے بغیر کھانے کا جواز ہے' بعض لوگوں نے اس حدیث کی تاویل کی ہے جو پیٹ کے بچے کو کھانا جائز نہیں سمجھتے تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ بچے کو اسی طرح ذبح کیا جائے جیسا کہ اس کی ماں کو ذبح کیا جاتا ہے لیکن یہ واقعہ اس تاویل کا مکمل طور پر ابطال کرتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے ارشاد میں فرمایا ہے ''پس یقیناً اس کا ذبح

کرنا اس کی ماں کا ذبح کرنا ہے''۔ ذبح کئے بغیر بچے کے حلال ہونے کی علت ذکر کی ہے۔

تمام گھر والوں کی طرف سے ایک قربانی

س: کیا تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کفایت کرتی ہے؟

ج: کئی ایک احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کفایت کر جاتی ہے جیسا کہ کئی ایک احادیث صحیحہ میں ہے کہ آپ نے مینڈھے کو ذبح کرتے وقت فرمایا: ''اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ محمد ﷺ' آل محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کی طرف سے قبول فرما' (صحیح مسلم وغیرہ)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک ہی مینڈھے کی قربانی میں اپنے آپ کو' آل محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کو شامل کیا ہے۔ امام خطابی نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے کہ ''آپ کا مذکورہ فرمان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایک بکری کی قربانی آدمی اور اس کے گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے اگرچہ وہ تعداد میں زیادہ ہوں۔'' عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سارے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتے تھے۔ (مستدرک حاکم ۲۲۹/۴ بیہقی ۲۶۸/۹) اس حدیث کو امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح کہا ہے' امام حاکم نے کتاب الاضاحی باب الدعاء عند الذبح میں کئی ایک احادیث کے ذکر کے بعد فرمایا ہے۔

''یہ تمام صحیح الاسانید حدیثیں ایک بکری کی قربانی پوری جماعت میں جس کی تعداد شمار نہیں کی جاتی کی طرف سے رخصت کے بارے میں ہیں اور اس شخص کے خلاف ہیں جو اس وہم میں ہے کہ بکری کی قربانی صرف ایک کی طرف سے ہوتی ہے ابو سریحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے میرے گھر والوں نے غلط روی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جب کہ مجھے سنت کا علم ہو چکا تھا کہ ایک گھر والے ایک یا دو بکریاں قربانی کرتے تھے۔ اب اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ہمسائے ہمیں کنجوسی کا

طعنہ دیں گے۔ (ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب من ضحیٰ بشاۃ من اھلہ ۳۱۴۸)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بکری کی قربانی پورے گھر کی طرف سے کفایت کرتی ہے' اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ قربانیاں کرنا چاہے تو وہ افضل ہے' نبی ﷺ نے خود کئی قربانیاں بھی کی ہیں۔

بھینس کے بچھڑے کا عقیقہ

س لڑکے کے عقیقہ میں کٹا ذبح کیا جا سکتا ہے' اسی طرح اگر کٹا بڑا ہو تو اس کے حصے تصور کر کے لڑکی اور لڑکے کا عقیقہ شمار کیا جا سکتا ہے؟ (سابقہ سائلین)

ج عقیقے کے متعلق سنت سے جو چیز ثابت ہے وہ بکری' مینڈھا ہے جیسا کہ مجلہ الدعوۃ اپریل کے شمارہ نمبر ۴' ۲۰۰۱ء میں تفصیل سے احادیث صحیحہ رقم کی گئی ہیں رسول اللہ ﷺ کے دور میں گائے' اونٹ وغیرہ بھی موجود تھے لیکن یہ بات ثابت نہیں کہ آپ نے عقیقے کے لئے یہ جانور ذبح کئے ہوں یا اس میں حصے ڈالنے کے بارے میں کچھ بتایا ہو لہٰذا جو چیز مسنون ہے اس پر اکتفا کریں۔

قربانی کا جانور ذبح کرنا

س قربانی کا جانور خود ذبح کرنا بہتر ہے یا کہ دوسرے آدمی سے ذبح کروانا نیز کیا عورت بھی قربانی کا جانور ذبح کر سکتی ہے؟

ج قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل و بہتر ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ خود ذبح کیا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مینڈھا پکڑا پھر اسے لٹا کر ذبح کیا۔

(ابوداؤد ۲۷۹۲ صحیح مسلم' مسند احمد ۶/۷۸)

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ کے جانور کو ذبح کرنے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے یہ بھی بیان فرمایا کہ آپ نے دونوں جانوروں کو اپنے

دست مبارک سے ذبح کیا۔ (صحیح البخاری ۵۵۵۸، صحیح مسلم، ابوداؤد ۲۷۹۴، ابن الجارود ۹۰۹)

لہٰذا بہتر اور افضل عمل وہ ہے جسے خود ہمارے پیارے رسول ﷺ نے کیا ہے اور ذبح کا یہ حکم صرف مردوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ خواتین بھی اپنے قربانی کے جانور خود ذبح کر سکتی ہیں صحیح البخاری میں امام بخاری نے تعلیقاً اور امام حاکم نے المستدرک میں موصولاً بیان کیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے قربانی کا جانور ذبح کریں۔

(صحیح البخاری، فتح الباری ۱۰/۱۹، عبدالرزاق ۸۱۶۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری نے فتح الباری ۱۰/۱۹ میں اس کی ایک اور صحیح سند بھی ذکر کی ہے جس میں ہے ''سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ اپنی قربانیوں کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا کریں۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے پتھر کے ساتھ ایک بکری کو ذبح کیا اور یہ واقعہ رسول کریم ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا آپ ﷺ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا (سنن ابن ماجہ کتاب الذبائح باب ذبیحة المرأة ۱۳۸۳۔ صحیح البخاری ۵۵۰۱، ۵۵۰۴) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں وہ بکری کھانے کا حکم دیا تھا۔

ان صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت بھی خود جانور ذبح کر سکتی ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

نحر کرنے کا طریقہ

س نحر کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

ج جانوروں کو ذبح کرنے کے رسول اللہ ﷺ نے دو طریقہ بتائے ہیں ان میں سے ایک تو وہ طریقہ ہے جو معروف ہے کہ جانور کو لٹا کر تکبیر کہہ کے اس کے گلے پر چھری پھیر دی جاتی ہے اور دوسرا طریقہ نحر کرنا ہے یہ اونٹ کے ساتھ خاص ہے اگر کسی شخص نے اونٹ کی قربانی کرنی ہو تو اس کا سنت طریقہ نحر کرنے کا یہ ہے کہ اسے اس

طرح کھڑا کریں کہ اگلی بائیں ٹانگ کو ران کے ساتھ ملا کر باندھ دیں اور تین ٹانگوں پر کھڑا کر دیں پھر تکبیر پڑھ کر اس کے سینے اور گردن کی جڑ کے درمیان والے گڑھے میں نیزہ، خنجر یا تیز دھار والا کوئی آلہ ماریں جس سے اس کی شاہ رگ کٹ جائے۔
(ملاحظہ ہو۔ مرعاۃ ۱۷/۲۷۷، ۱۲۷ الفتح الربانی ۱۳/ ۵۵، ۵۷)

جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ لٹانا

س کیا جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کرنا کسی حدیث سے ثابت ہے؟
ج جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کرنا درست وصحیح ہے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذبیحہ والے دن دو سینگوں والے چتکبرے خصی مینڈھے ذبح کئے جب انہیں قبلہ رخ کیا تو آپ نے یہ دعا پڑھی۔ "اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفاً وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْكَ لَهُ وَبِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَامِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهِ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" پھر آپ نے انہیں ذبح کر دیا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الضحایا ۲۷۹۵۔ ابن ماجہ کتاب الاضاحی ۳۱۲۱ ابن خزیمہ ۲۸۹۹۔ مسند احمد ۳/ ۳۷۰)
اس حسن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کر لیا جائے۔

قربانی کا جانور کیسا ہو؟

س قربانی کا جانور کیسا ہونا چاہیے؟
ج نبی کریم ﷺ جب مینڈھا قربانی کرتے تو وہ خوبصورت موٹا تازہ ہوتا تھا جیسا کہ ابھی حدیث گزری ہے کہ آپ نے دو سینگوں والے چتکبرے خصی مینڈھے ذبح کئے۔
عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا مینڈھا خرید کر

لانے کا حکم دیا جو سینگوں والا ہو جس کی ٹانگیں' پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہوں۔

(ابوداؤد ۲۷۹۶ مسند احمد ۶/ ۷۸)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ایسا مینڈھا قربانی کیا کرتے تھے جو موٹا تازہ ہوتا جس کی آنکھیں' ٹانگیں اور منہ سیاہ ہوتا۔ (ابوداؤد ۲۷۹۶۔ ترمذی ۴۹۶۔ نسائی ۷/ ۲۲۱) جانور خریدتے وقت اس کے کان اور آنکھیں اچھی طرح دیکھ لینی چاہئیں علی رضی اللہ عنہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم (قربانی کا جانور خریدتے وقت) اس کی آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیں۔ (ابن خزیمہ ۲۹۱۴' ۲۹۱۵۔ مستدرک حاکم ۱/ ۴۶۷' ۴/ ۲۲۰۔ مسند ابی یعلی ۳۳۳۔ مسند بزار ۱۲۰۳۔ مجمع الزوائد ۴/ ۲۲)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ قربانی والے جانوروں میں کن عیوب سے بچنا ضروری ہے؟ تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا چار عیوب ہیں۔

1. لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔
2. بھینگا پن ظاہر ہو۔
3. بیمار جس کی بیماری عیاں ہو۔
4. لاغر و کمزور جس کے جسم میں چربی اور ہڈی میں گودا نہ ہو۔

(ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' نسائی' ابن الجارود ۴۸۱)

علی رضی اللہ عنہ کی اوپر ذکر کردہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایسا جانور نہ لیا جائے جس کا کان سامنے یا پیچھے کی جانب سے کٹا ہوا ہو اور نہ ایسا جانور ہو جس کے کان لمبائی میں چیرے ہوئے ہوں یا جس کے کان میں گول سوراخ ہو۔ لہٰذا قربانی کا جانور موٹا تازہ ہونا چاہئے اور مذکورہ عیوب سے مبرا اور پاک ہونا چاہئے۔

اونٹ کی قربانی میں کتنے آدمی شریک ہوں؟

س کیا اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟

ج عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے عیدالاضحیٰ آئی تو ہم گائے میں سات افراد اور اونٹ میں دس اشخاص شریک ہوئے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حدیبیہ کے سال سات سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ اور گائے کو ذبح کیا۔ (مسلم)

ان دونوں صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ میں سات حصے بھی ہو سکتے ہیں اور دس بھی یہ شرعی سہولت ہے اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔



کتاب الحج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیہ سبیلاً ﴾

[آل عمران: ۹۷]

"اور اللہ ہی کے لیے لوگوں کے ذمہ بیت اللہ کا حج ہے جو اس کی طرف راستے کی استطاعت رکھتا ہو۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من حج للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ))

[صحیح البخاری ۱۵۲۱۔ ظحیح مسلم ۴۳۸ / ۱۳۵۰۔ مشکوۃ ۲۵۰۷]

"جس آدمی نے اللہ کے لیے حج کیا فحش گوئی نہیں کی اور نہ ہی فسق کیا وہ (گناہوں سے صاف ستھرا ہو کر) اس دن کی طرح واپس پلٹا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔"

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا

س: جب کسی آدمی کے پاس حج کرنے کے لیے زادِ راہ موجود ہو تو کیا اس پر حج فرض ہو جاتا ہے اور اگر رقم موجود ہونے کے باوجود حج نہ کرے تو گناہ گار ہوگا یا نہیں؟
(سائل ابو ہاشم خلیل' لاہور)

ج: حج دین اسلام کا ایک رکن ہے اور صاحب استطاعت پر فرض ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی کا انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔'' (آل عمران: ۳/۹۷)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کی طرف جانے کی طاقت ہو تو حج کرنا۔'' (صحیح مسلم' مشکوٰۃ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے پس تم حج کرو' ایک آدمی نے کہا' کیا ہر سال اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ خاموش ہو گئے حتیٰ کہ اس نے یہ کلمہ تین بار کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔'' (مسلم)

ان آیات و احادیث صریحہ سے معلوم ہوا کہ صاحب استطاعت پر عمر میں ایک بار حج فرض ہے' امام ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ صاحب استطاعت پر عمر میں ایک

مرتبہ حج واجب ہے''۔

''من استطاع الیه سبیلا'' کی تفسیر نبی ﷺ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ''الزاد والراحلة'' یعنی سفر اور سواری مروی ہے''۔ (ابن کثیر ۱/۴۱۴)

اس سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کے پاس سامان سفر اور سواری کا انتظام موجود ہو اس پر حج فرض ہے اور جو آدمی طاقت کے باوجود حج نہ کرے وہ ایک فرض کا تارک ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو آدمی حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے برابر ہے اس پر خواہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔'' (تفسیر ابن کثیر' ابن ابی شیبہ)

حج کے جملہ مسائل واحکام

اقسام حج

حج تین قسم کا ہوتا ہے ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے:

حج افراد

افراد کا معنی اکیلا ہے۔ حج افراد کا شرعی معنی یہ ہے کہ حج کرنے والا صرف حج ہی کی نیت کر کے میقات سے احرام باندھے' اس میں عمرہ شامل نہیں ہوتا' حج کا احرام باندھ کر ایک بار یوں کہے اللهم لبیك بالحج (بخاری ۲۱۳) (اے اللہ میں حج کے لیے حاضر ہو گیا ہوں) پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف (طواف قدوم) کرے' پھر حالت احرام ختم کیے بغیر آٹھ ذوالحج کو حج کی ادائیگی کے لئے منیٰ کی جانب روانہ ہو جائے۔

حج افراد کرنے والا شخص اگر طواف قدوم کے بعد صفاء و مروہ کی سعی سے بھی فارغ ہو جائے تو وہ (دس ذوالحجہ کو رش سے بچنے کی وجہ سے) سہولت میں رہے گا۔

(ابوداؤد ۲/۱۶۰)

مفرد پر قربانی فرض تو نہیں البتہ اگر وہ ثواب کی خاطر کرلے تو بہتر ہے۔

حج قران

قران کا معنی ''ملانا'' ہے۔ حج قران کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حج اور عمرہ دونوں کی نیت کر کے میقات سے احرام باندھ لے۔ ایک مرتبہ کہے اللھم لبیك بالحج والعمرہ ایسا شخص عمرہ ادا کر کے نہ حجامت بنوائے گا اور نہ احرام کھولے گا بلکہ اسی حالت میں آٹھ ذوالحج کو حج کے مناسک ادا کرنے کے لئے منیٰ کے میدان میں پہنچ جائے گا واضح رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران ہی کیا تھا۔ (مسلم ۱/۳۹۰)

حج قران کرنے والے پر ایک ہی سعی ہے اگر وہ طواف کے بعد سعی کر کے فارغ ہو جائے تو (دس ذوالحجہ کو رش سے بچنے کی وجہ سے) سہولت میں رہے گا۔ (ابوداؤد)

حج قران کرنے والے کے ذمے قربانی واجب ہے۔ اگر قربانی نہ پائے تو دس روزے رکھے۔ تین حج کے دنوں میں اور سات واپس آ کر رکھے۔ (سورۃ البقرہ: ۱۹۶/۲)

حج تمتع

تمتع کا مطلب ''فائدہ اٹھانا'' ہے۔ تمتع کا لفظ کبھی حج قران پر بھی اس معنی میں بولا جاتا ہے کہ دونوں ایک ہی سفر میں ادا ہو گئے البتہ تمتع کا خاص مطلب یہ ہے کہ حاجی عمرہ کی نیت سے احرام باندھے اور کہے اللھم لبیك بالعمرہ (اے اللہ میں عمرہ کے لئے حاضر ہو گیا) پھر عمرہ سے فارغ ہو کر حجامت بنوائے اور احرام کھول دے۔ پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کی ادائیگی کے لئے اپنی رہائش گاہ سے دوبارہ احرام باندھے اور کہے (ایک مرتبہ) اللھم لبیك بالحج اور منیٰ کے میدان میں پہنچ جائے۔

حج تمتع کرنے والے پر بھی قربانی واجب ہے وگرنہ حسب مذکور دس روزے رکھے۔ (سورۃ البقرہ: ۱۹۶/۲)

افضل قسم کون سی ہے؟

احادیث صحیحہ پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو شخص قربانی کا جانور لے کر جائے۔ اس کے حق میں حج قران افضل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حج قران اس وجہ سے کیا تھا کہ قربانی ساتھ لے کر گئے تھے۔

لیکن جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو اس کے حق میں حج تمتع افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ان حضرات کو جو قربانی ساتھ لے کر نہ آئے تھے مگر قربانی کرنی تھی، عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا حکم دیا تھا تا کہ ان کا حج تمتع ہو جائے۔ عمومی طور پر حج تمتع ہی افضل ہے۔ (مسلم ۱/۳۹۰)

چہرے کا پردہ

مرد کے لئے احرام دو صاف ستھری چادریں ہیں جو سفید ہوں تو بہتر ہیں اگر کنارے اور درمیان سے سلی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ایک چادر کو تہبند بنا لے اور دوسری چادر اوپر اوڑھ لے۔ سر اور چہرہ کھلا رکھے جوتا جیسا بھی ہو، پہن لے البتہ ٹخنے چھپے ہوئے نہ ہوں، پھر عبادت حج میں مشغولیت کی نیت کرے اور تلبیہ پڑھے۔

عورت معمول کے مطابق سادہ لباس اور صاف ستھرے کپڑے پہنے، کسی رنگت کی کوئی پابندی نہیں، پورے جسم پر بڑی اور موٹی سی چادر استعمال کرے۔ نظر نیچی رکھے غیر مردوں سے آمنا سامنا ہو تو گھونگھٹ سے چہرے کا پردہ کرے۔ اگر چہرے کے ساتھ کپڑا (اتفاقاً) الگ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج پر تھیں جب آدمی قریب آتے تو ہم چادر اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور جب گزر جاتے تو کپڑا اوپر کر لیتیں۔ (ابوداود ۲/۱۰۴)

سیدہ فاطمہ بنت منذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہم مل کر حج کرتیں تو حالت احرام میں غیر مردوں سے چہروں کا پردہ

کرتیں۔ (موطا: ۳۱۰)

احرام کے بعد ممنوع چیزیں

حج وعمرہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام کی حالت اپنا لینے کے بعد درج ذیل ممنوعات سے بچے ورنہ ارتکاب کی صورت میں گنہگار ہوگا۔

❶ قمیص، جبہ، شلوار، پگڑی، ٹوپی، موزے پہننا۔ (بخاری ۱/ ۲۴۸)

❷ احرام کے بعد خوشبو کا استعمال کرنا۔ (بخاری ۱/ ۲۴۸)

❸ دستانے استعمال کرنا۔ (بخاری ۱/ ۲۴۸)

❹ نکاح و منگنی کرنا۔ (مسلم ۱/ ۴۵۳)

❺ ہر قسم کی معصیت، جھگڑا اور بیوی سے شہوائی گفتگو یا بوس وکنار کرنا۔ (بقرۃ ۲/ ۱۹۷)

❻ محرم ہو یا غیر محرم حدود حرم میں شکار بھگانا، درخت یا گھاس کاٹنا البتہ اذخر گھاس کی اجازت ہے۔ (بخاری ۱/ ۲۴۷)

❼ عورت کا برقعہ یا مخصوص عربی نقاب (جو چہرے پر باندھا جاتا ہے) استعمال کرنا۔ (بخاری ۱/ ۲۴۸)

❽ ناخن تراشنا۔

دوران حج مسجد نبوی ﷺ کی زیارت

مسجد نبوی ﷺ میں (فرض یا تحیۃ المسجد) ادا کر کے جب رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی قبروں پر حاضر ہوں تو وہی دعا پڑھیں جو رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت سکھائی تھی، جب انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ قبروں کی زیارت کے موقعوں پر کیا کہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم یہ کلمات کہو:

''دیار (گھروں) میں رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو اور اللہ

تعالیٰ رحم فرمائے جو ہم سے پہلے چلے گئے اور جو ہم سے پیچھے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم تمہیں ملنے والے ہیں۔" (مسلم ۱/۳۱۴)

مسلم شریف کی ایک دوسری روایت میں یہ لفظ بھی ہیں جو آخر میں کہے جائیں:

((نسئال الله لناولكم العافية.))

"ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت طلب کرتے ہیں۔"

علاوہ ازیں کثرت سے درود شریف پڑھا جائے۔ یہ آپ ﷺ کا عام حکم ہے۔

عمرہ بدل

سیدنا ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! بے شک میرا باپ بہت بوڑھا ہے، وہ حج اور عمرہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر"۔ (ترمذی ۲/۱۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں کسی کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔

نابالغ بچے کا حج

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اس نے پوچھا کہ کیا اس بچے پر حج ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! اور تیرے لئے (تعاون کرنے کی وجہ سے) اس کا اجر ہے۔ (مسلم ۱/۴۳۲)

بلوغت کے بعد حج فرض ہوا تو بچپن کا حج کافی نہ ہوگا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بچے نے حج کیا، بلوغت کے بعد (حج فرض ہونے کی صورت میں) اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوبارہ حج کرے۔

(ابن ابی شیبہ قال ابن باز اسنادہ حسن)

میت کی طرف سے حج کرنا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا' میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن پہلے ہی فوت ہوگئی تو کیا اس کی طرف سے حج ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس کے ذمہ قرض ہوتا تو تم اسے ادا کرتے؟ کہا ہاں! تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کا قرض زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

(بخاری ۱/۲۲۰)

حائضہ اور نفاس والی عورت کا حج

آٹھ ذوالحجہ کو جب منیٰ کی روانگی کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو روتے دیکھا۔ آپ ﷺ نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتی (عمرہ نہ ہوا) اب سب لوگ منیٰ جارہے ہیں اور میں بدستور حالت حیض میں ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: غسل کرو اور حج کا احرام باندھ لو اور سب ارکان ادا کرو جو حاجی ادا کریں' البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا۔ (بخاری ۱/۴۴)

احرام باندھنے کے بعد دو نفل ادا کرنا

س: احرام باندھنے کے بعد دو نفل نیت احرام عمرہ یا حج پڑھنا کیسا ہے؟

ج: نبی کریم ﷺ سے احرام کی نیت کرنے اور تلبیہ پڑھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا ثابت ہے۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ کی طرف نکلنے کا ارادہ کرتے تو ایسا تیل استعمال کرتے جس کی مہکنے والی عمدہ خوشبو نہ ہوتی' پھر مسجد ذوالحلیفہ میں آکر دو رکعت نماز ادا کرتے پھر اونٹنی پر سوار ہوجاتے جب وہ سیدھی کھڑی ہوجاتی تو تلبیہ کہتے اور فرماتے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الحج باب الاھلال مستقبل القبلہ صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام باندھنے اور تلبیہ کہنے سے پہلے دو رکعت پڑھنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اسی طرح ابوداؤد کتاب المناسک باب فی وقت الاحرام میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

حالت احرام میں جوتا کیسا ہو؟

س حالت احرام میں چپل کیسی استعمال کرنے کی اجازت ہے؟

ج مرد ایسا جوتا پہنیں جو ٹخنوں کو ڈھانپنے والا نہ ہو البتہ خواتین کوئی سا بھی جوتا پہن لیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا احرام باندھنے والا کون سے کپڑے پہنے تو آپ نے فرمایا نہ قمیص پہنو' نہ پگڑیاں باندھو شلواریں پہنو نہ سر پر ٹوپی پہنو' نہ موزے پہنو' ہاں اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو وہ موزے پہن لے مگر انہیں ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ لے اور کوئی ایسا کپڑا بھی نہ پہنو جسے زعفران یا ورس (خوشبو) لگی ہو۔ (صحیح البخاری کتاب الحج باب مالا یلبس المحرم من الثیاب صحیح مسلم' ابو داؤد' نسائی) اس حدیث سے معلوم ہوا اگر کسی کے پاس جوتا نہ ہو تو وہ موزے پہن لے البتہ انہیں ٹخنوں سے نیچے تک کاٹ لے تا کہ موزہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے۔

دوران طواف چپل ساتھ اٹھانا

س حالت طواف میں چپل اپنے ساتھ اٹھائی جا سکتی ہے؟

ج بیت اللہ کے طواف کے وقت چپل ساتھ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں اگر جوتا صاف وستھرا ہو کوئی گندگی ساتھ نہ لگی ہو تو اسے پاؤں میں پہنے رکھیں پھر بھی درست ہے کیونکہ صاف وستھری جوتی کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثبوت کئی ایک احادیث صحیحہ صریحہ میں موجود ہے۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ فی النعل میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ ننگے پاؤں اور جوتا پہن کر بھی نماز پڑھتے تھے لہٰذا عبادت صاف جوتے

کے ساتھ جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

کیا ہر طواف میں اضطباع ضروری ہے؟

س: اضطباع کسے کہتے ہیں کیا ہر طواف میں اضطباع ضروری ہے اگر نہیں تو کم از کم کتنے چکروں میں ضروری ہے؟

ج: اضطباع یہ ہے کہ احرام کی اوپر والی چادر کو اپنی دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر اپنے بائیں کندھے پر ڈال لیں اور اپنا دایاں کندھا ننگا رکھیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے جعرانہ سے (احرام باندھ کر) عمرہ کیا اور بیت اللہ کے گرد رمل چال سے طواف کیا اور اپنی اوپر والی چادروں کو اپنی دائیں بغلوں کے نیچے سے گزار کر انہیں اپنے بائیں کندھوں پر ڈال لیا۔ (ابوداؤد کتاب المناسک باب الاضطباع فی الطواف' مسند احمد' بیہقی' طبرانی)

یعلی بن امیۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف اضطباع کی حالت میں کیا' آپ پر سبز چادر تھی۔

(سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب الاضطباع فی الطواف' ترمذی' ابن ماجہ' دارمی' مسند احمد)

علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اضطباع اور رمل ہر اس طواف میں سنت ہے جس کے بعد سعی ہے اور اضطباع تمام چکروں میں سنت ہے رمل کے خلاف طواف کے درمیان اضطباع مستحب نہیں اور عوام الناس جو ابتداء احرام سے لے کر حج یا عمرے میں اضطباع کئے رکھتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ نماز کی حالت میں مکروہ ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ۲/۹۲' مرعاۃ المفاتیح ۹/۱۲۳)

مقام ملتزم پر دعا کرنا

س: مقام ملتزم پر آپ ﷺ نے کس وقت گڑگڑا کر دعا کرنے کا حکم دیا ہے؟ حج یا عمرہ یا دونوں میں۔

ج حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان والی جگہ جسے ملتزم کہتے ہیں اس کے ساتھ چمٹنا اور اس پر اپنا سینہ ہاتھ بازو اور چہرہ رکھنا رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جیسا کہ ابوداؤد کتاب المناسک باب الملتزم ابن ماجہ باب الملتزم وغیرھما میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اس التزام کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں یہ پورے موسم حج میں کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ دخول مکہ کے وقت ہی کر لیا کرتے تھے۔ (مناسک الحج والعمرۃ حاشیہ ص ۲۳)

رمل کس طواف میں ضروری ہے؟

س رمل کس طواف میں ضروری ہے؟

ج پہلے طواف کے صرف پہلے تین چکروں میں مردوں کے لئے رمل چال اور بقیہ چار چکروں میں عام چال سے چلنا سنت سے ثابت ہے۔ امام نووی نے اس پر تمام ائمہ و فقہاء کا اجماع نقل کیا ہے۔ (الفتح الربانی ۱۲/۲۳) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ حج اور عمرہ کے لئے آنے پر سب سے پہلے جو طواف کرتے اس میں تین چکر دوڑ کر (رمل) چلتے اور چار چکر عام چال چلتے پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت پڑھتے پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے۔ (صحیح البخاری ۱۶۰۳ مسلم' ابوداؤد' نسائی وغیرہ) پہلے طواف کے علاوہ کسی میں رمل مشروع نہیں۔

حج کے لئے جانا اور کئی عمرے کرنا کیسا ہے؟

س حج کے لئے جانے والوں کو کئی بار عمرہ کرنا کیسا ہے' اور وہ اس کا احرام کہاں سے باندھے گا؟

ج حج کے دنوں میں حرم کے قریب کرائے کی گاڑیوں والے کاروباری ڈرائیور آوازیں لگاتے سنائی دیتے ہیں کہ چھوٹا عمرہ' بڑا عمرہ اور ہمارے لوگ ان کے ساتھ سوار ہو کر بار بار عمرے کرتے رہتے ہیں اور اپنے عزیز و اقارب کی طرف سے درجنوں عمرے

کرتے ہیں حالانکہ ان کے اس فعل کا کوئی شرعی ثبوت موجود نہیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے ''نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام مکہ سے نکل کر عمرہ نہیں کیا کرتے تھے سوائے عمرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مکہ مکرمہ میں مقیم ہو جاتے تو بکثرت طواف کیا کرتے تھے اور مکی عمرہ سے طواف کی کثرت ہی افضل ہے حج سے فارغ ہونے کے بعد یہ لوگ جو ماہ ذوالحجہ میں بکثرت عمرے کرتے رہتے ہیں سلف الصالحین ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔ حج کے بعد عمرہ نبی ﷺ نے نہیں کیا اور اس پر علمائے امت کا اتفاق ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی صحابی نے بھی ایسا نہیں کیا اور نہ ہی خلفائے راشدین ایسا کیا کرتے تھے اور عمرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اہل علم کا کہنا ہے کہ انہیں نبی ﷺ نے یہ عمرہ محض ان کی طیب خاطر کے لئے کرایا تھا۔

حج کتنی مرتبہ فرض ہے؟

س کیا ایک حج کر لینے والے کو اگر موقع مل جائے اور وہ عمرہ کر لے تو اس پر دوبارہ حج فرض ہو جائے گا نیز صرف پہلی بار عمرے کا کیا حکم ہے؟

ج حج صرف زندگی میں ایک بار فرض ہے' عمرہ کر لینے پر دوبارہ حج فرض ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا آپ نے فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے پس تم حج کرو تو ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ اس نے یہ بات تین مرتبہ کہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہیں رکھ سکو گے' پھر آپ نے فرمایا تمہارے لئے جو چیزیں چھوڑ دوں اسے تم چھوڑ دیا کرو اس کے پیچھے نہ پڑو کیونکہ تم سے پہلے لوگ کثرت سوال (کھود کرید) اور اپنے انبیاء سے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہو گئے' پس جب میں تمہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو اسے حسب استطاعت کرو اور جب کسی چیز سے منع کر دوں تو اسے چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے دوبار نہیں۔

عمرہ بھی پہلی بار بندے پر واجب ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا نہیں مگر اس پر حج اور عمرہ ضروری ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا اللہ کی کتاب میں حج کے ساتھ عمرے کا بھی ذکر ہے جیسا کہ فرمایا ''حج اور عمرہ پورا کرو۔'' (البقرہ ۱۹۴) امام بخاری نے صحیح البخاری کتاب العمرہ باب وجوب العمرہ و فضلها قائم کر کے یہ آثار ذکر کئے ہیں کہ اور سمجھایا ہے کہ عمرہ واجب ہے۔

حج کی کون سی قسم افضل ہے

س ہمارے لئے حج کی کونسی قسم افضل ہو گی جبکہ ہم نے ابھی سے قربانی کے جانور کے لئے رقم اپنے وکیل کو جمع کرا دی ہے۔

ج حج کی تین قسمیں ہیں پہلے ان کی معرفت اچھی طرح سمجھ لیں تا کہ آپ نے کون سا حج کا طریقہ اختیار کرنا ہے۔

۱۔ حج تمتع :۔ حج تمتع یہ ہے کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھیں لبیك اللهم عمرة کہیں پھر تلبیہ کہتے جائیں مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کریں۔ مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت پڑھیں اس کے بعد صفا و مروہ کی سعی کریں بال کٹوائیں اور احرام کھول دیں اور عام حالت کے مطابق زندگی بسر کریں اور اب احرام کی پابندیوں سے آزاد ہیں پھر آٹھ ذوالحج کو حج کا احرام باندھیں اور مناسک حج ادا کریں۔

۲۔ حج قرآن :۔ اس صورت حال میں میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھیں مکہ پہنچ کر عمرہ کریں لیکن احرام نہیں کھولیں گے اور نہ ہی احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوں گے بلکہ حالت احرام میں ہی رہیں گے اور اسی حالت میں ۸ ذوالحج کو منی چلے جائیں اور احکام حج ادا کریں

حج مفرد :۔ اس صورت میں صرف منی سے حج کی نیت کر کے احرام باندھیں طواف قدوم اور سعی کریں مگر احرام نہ کھولیں بلکہ اسی طرح منیٰ چلے جائیں اور تمام

مناسک پورے کر کے احرام کھول دیں۔ یہ حج کی تینوں اقسام بالاتفاق صحیح ہیں اب اختلاف یہ ہے کہ ان میں سے افضل قسم کون سی ہے بعض نے حج قرآن کو افضل قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حج کیا تھا اور اور بعض نے تمتع کو افضل قرار دیا۔ کیونکہ آپ نے اس کی تمنا کی تھی بعض نے کہا اگر قربانی لے کر جا رہا ہو تو حج قرآن افضل ہے اور اگر قربانی لے کر نہ گیا ہو تو تمتع افضل ہے۔

ہمارے نزدیک صحیح دلائل کی رو سے حج تمتع افضل ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اگرچہ حج قرآن کیا تھا مگر اس پر افسوس کا اظہار کیا تھا اور فرمایا تھا جو بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی ہے وہ اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو اپنے ساتھ قربانی نہ لاتا۔ (صحیح البخاری ۲۲۹۷ ابوداؤد ۱۷۸۴)

نیز جن صحابہ کرام کے پاس قربانی کے جانور بھی نہیں تھے اور انہوں نے حج قرآن کی نیت سے احرام باندھے ہوئے تھے آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں اور قرآن کی نیت ختم کر کے تمتع کر لیں جیسا کہ صحیح مسلم ۱۶۸/۸ اور بیہقی ۳۳۸/۴ میں موجود ہے۔

اور جنہوں نے آپ کے اس حکم کو مشورہ سمجھا اور احرام نہ کھولا آپ نے ان پر شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا جیسا کہ (صحیح مسلم ۱۵۵،۱۵۴/۸ ابن خزیمہ ۲۶۰۶ بیہقی ۱۹/۵ مسند احمد ۱۷۵/۶) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں موجود ہے۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کا حج تمتع کی تمنا کرنا اور جن صحابہ کے پاس قربانیاں نہ تھیں انہیں عمرہ کر کے احرام کھولنے کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ حج تمتع افضل ہے اور یہی کثیر اہل علم کا موقف ہے جیسا کہ (نیل الاوطار ۳۱۰/۴، ۳۱۴ الفتح الربانی ۹۰/۱۱۔۹۹۔ وغیرہ میں مرقوم ہے)

کیا حرام کی کمائی سے حج اور صدقہ جائز ہے؟

﴿ س ﴾ کیا حرام کی کمائی سے حج کیا جا سکتا ہے اور یہ رقم صدقہ خیرات میں خرچ ہو سکتی ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیل سے جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(ڈاکٹر ظہور احمد، رحمان کالونی اوکاڑہ)

﴿ج﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو پاکیزہ اشیاء میں سے کھانے اور عمل صالح سرانجام دینے کا حکم دیا ہے اور اہل ایمان کو بھی اس حکم کی پابندی کا آرڈر دیا ہے۔ حرام اشیاء کے استعمال سے منع کیا ہے۔ حرام مال سے دیا گیا صدقہ و زکوٰۃ وغیرہ قبول نہیں کیا جاتا۔ آج کل لوگ حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر ہر طرح کا مال استعمال کئے جا رہے ہیں۔ مساجد و مدارس تک لوگ سود یا رشوت وغیرہ کی حرام کمائی استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَمِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ)). (بخاری بحواله مشکوة کتاب البیوع ۲۷۶۱)

لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ جو چیز اس نے لی ہے وہ حلال میں سے ہے یا حرام سے' رسول اللہ ﷺ کی یہ بات بالکل سچی ثابت ہو رہی ہے لوگ حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر ہر قسم کا مال ومتاع استعمال کر رہے ہیں۔ مساجد و مدارس کی تعمیر' صدقہ وخیرات' حج وجہاد جیسے پاکیزہ کاموں میں حرام کی کمائی صرف کر رہے ہیں حالانکہ مشرکین مکہ نے جب مسجد حرام کی تعمیر کی تو اس وقت ابو وہب بن عابد بن عمران بن مخزوم نے قریش سے کہا:

تم اس مسجد کی تعمیر میں اپنے پاکیزہ مال سے ہی خرچ کرو اور اس میں زانیہ عورت کی کمائی' سودی رقم اور دیگر کسی قسم کے ظلم سے حاصل کی ہوئی رقم صرف نہ کرو۔

(فتح الباری ۳/۴۴۴)

تعجب وحیرانگی ہے کہ مکہ کے لوگ مشرک ہو کر بیت اللہ کی تعمیر میں حرام کی کمائی ہوئی دولت صرف کرنے کو تیار نہیں جبکہ عصر حاضر میں لوگ مسلمان ہو کر حرام کی کمائی اپنی عبادات پر صرف کر رہے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ خود پاک وصاف ہے اور پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک چیز ہی قبول کرتا ہے اور بلاشبہ اللہ نے مومنوں کو اسی بات کا حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو دیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے اے رسولو!

پاکیزہ اشیاء میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ (مومنون ۵۱) اور فرمایا اے ایمان والو پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطاء کیں۔ (بقرہ: ۱۷۲)

پھر ایک آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے اے میرے رب' اے میرے رب حالانکہ اس کا کھانا حرام اور اس کا پینا حرام اور اس کا لباس حرام اور وہ حرام غذا دیا گیا ہے تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی؟ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ۲۷۶۰)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکیزہ اور حلال اشیاء ہی قبول ہوتی ہیں جس آدمی نے حرام اشیاء استعمال کی ہوں' کھانا پینا لباس وغیرہ تو اس کی دعا اللہ کے ہاں قبول کیسے ہوتی ہے لہٰذا حرام مال سے صدقہ وخیرات' حج وغیرہ ادا نہیں کرنا چاہیے۔ حرام مال بربادی اعمال کا سبب ہے اس سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔



كتاب الجهاد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كتب عليكم القتال وهو كره لكم وعسى ان تكرهوا شيأ وهو خير لكم وعسى ان تحبوا شيئا وهو شر لكم والله يعلم وانتم لا تعلمون ﴾

[البقرہ: ٢١٦]

''تمہارے اوپر قتال فرض کیا گیا اور وہ تمھیں ناپسند لگتا ہے قریب ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ تم کسی چیز سے محبت کرو اور وہ تمہارے حق میں بری ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

جہاد کے لئے والدین کی اجازت

س جہاد میں شریک ہونے کے لئے والدین کی اجازت کا شرعی طور پر کیا مسئلہ ہے کتاب وسنت کی رو سے واضح کریں۔

ج جہاد میں شرکت کے لئے والدین کی اجازت کے متعلق دو طرح کی احادیث موجود ہیں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ آپ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا: پھر انہیں میں جہاد کرو۔ (صحیح البخاری کتاب الجہاد)

اسی طرح عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس نے پوچھا سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز اس نے کہا پھر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جہاد کرنا تو اس نے کہا میرے والدین ہیں آپ نے فرمایا میں تجھے والدین کے ساتھ خیر کا حکم دیتا ہوں اس نے کہا "وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَأُجَاهِدَنَّ وَلَأَ تْرُكَنَّهُمَا قَالَ فَأَنْتَ أَعْلَمُ" اس ہستی کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں ضرور جہاد کروں گا اور انہیں ضرور چھوڑ کر جاؤں گا آپ نے فرمایا پھر تو بہتر جانتا ہے۔ (ابن حبان ۴/۱۱)

اہل علم نے ان دونوں احادیث کے متعلق دو قسم کی توجیہ بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں دونوں احادیث میں موافقت کرتے ہوئے یہ صورت نکلتی ہے کہ فرض عین جہاد پر محمول ہے۔ یعنی جب جہاد فرض عین ہو تو والدین کی اجازت ضروری نہیں۔ (فتح الباری ۶/۱۴۱)

دوسری توجیہ یہ ہے کہ والدین کی اجازت والے مسئلہ کو امام یا شرع کے مکلف آدمی کے سپرد کر دیا جائے اب دونوں صورتوں میں مصلحت جس کا تقاضا کرے اسے مقدم کرنا واجب ہے۔ انصار و مہاجرین جہاد کرتے تھے اور ہم نے ذخیرہ احادیث

میں سے کسی بھی حدیث میں نہیں دیکھا کہ وہ ہر غزوے میں والدین کی اجازت کا التزام کرتے ہوں۔ (کتاب الروضۃ الندیہ ۲/۳۳۳ طجدید محقق ۲/۱۹/۷)

ہمارے نزدیک یہ دوسری توجیہ زیادہ وزنی ہے اس لئے کہ دونوں احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے اپنے امام اور قائد رسول اللہ ﷺ کے ہاں پیش کیا آپ نے ان کا فیصلہ کیا اور ابن حبان کی صحیح حدیث کے مطابق بات یہ ہے کہ جب مجاہد صحابی نے والدین کو چھوڑ کر جہاد میں جانے کا عزم کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈانٹا یا منع نہیں کیا بلکہ معاملہ اس کے سپرد کر دیا اور فرمایا تو اپنی حالت کو بہتر جانتا ہے۔ اسی لئے اگر کوئی شرع کا مکلف آدمی اپنے گھریلو حالات کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لے کہ وہ جہاد پر جانا چاہتا ہے تو والدین کی اجازت کے بغیر بھی جا سکتا ہے۔

کیا طالبان کسی غیر مسلم ملک سے مدد لیتے ہیں....؟

نوٹ:۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے ایک سوال کے جواب میں جو مفصل جواب تحریر کیا ہے وہ موجودہ حالات میں اس موقف کی بھی تائید کرتا ہے کہ افغانستان کی موجودہ امارت اسلامی برطانیہ اور امریکہ کی دہشت گردی اور جارحیت کے خلاف چین' روس' کوریا یا کسی دوسرے غیر مسلم ملک سے مدد لے سکتی ہے' اس میں کوئی حرج نہیں۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ روس کے خلاف جنگ کے دوران افغانستان کے مجاہدین نے امریکہ اور یورپ کا جو تعاون حاصل کیا تھا وہ درست' صحیح اور بروقت تھا۔

(مدیر غزوۂ ٹائمز)

سوال: کیا میدان جہاد میں کفار و مشرکین سے مدد لینا جائز ہے' بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں ایک مشرک آپ کی مدد کے لئے آیا تو آپ نے فرمایا ''إِرْجِعْ فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ'' لوٹ جاؤ میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا' تو کیا واقعی یہ درست ہے کہ کفار و مشرکین سے تعاون لینا درست نہیں' کتاب و سنت کی رو سے واضح

کریں۔ (عبید اللہ طاہر مہر فاروقہ سرگودھا)

ج علماء محدثین رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان جب کفار کی طرف سے مطمئن نہ ہوں اور یہ ڈر لاحق ہو کہ یہ لوگ ہمارے دشمنوں کے لئے ہمارے راز افشاء کر دیں گے اور ہماری قوت کو کمزور کر دیں گے تو ایسی صورت میں کفار و مشرکین سے استعانت نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ ایسی حالت میں استعانت مقصود و مطلوب کی نقیض ہوگی۔ ایسے کفار جن پر اعتماد نہ ہو انہیں بالخصوص لشکروں کی تیاری میں' خندقیں اور سرنگیں کھودنے میں' قلعے اور بنکرز تعمیر کرنے میں' راستوں کی ہمواری اور اصلاح آلات و حرب میں ساتھ ملانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ البتہ اگر کسی کافر و مشرک پر اعتماد ہو اور وہ جنگ میں ہمارا حلیف ہو اور دوسرے کفار کے خلاف اور نصرت اسلام کے لیے اس کی مدد کی حاجت ہو تو اس وقت اس سے تعاون لینا راجح موقف کی رو سے درست ہے۔ یہ تعاون خواہ آلات حرب کی صورت میں ہو یا مال و متاع کی شکل میں' افرادی قوت ہو یا راستے کے لئے گائیڈز ہوں اس میں کوئی قباحت نہیں۔ رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد بہت سے مواقع پر کفار سے کروائی ہے۔ یہاں پر محمد ﷺ کی حیات مبارکہ میں سے بعض واقعات درج ذیل ہے جن میں کفار سے حسب ضرورت تعاون لیا گیا ہے۔

❶ جب قریش نے رسول اللہ ﷺ کا معاملہ بڑھتا ہوا دیکھا اور محسوس کیا کہ لوگ دن بدن محمد ﷺ کے حلقہ بگوش ہو رہے ہیں تو انہوں نے آپ کا بائیکاٹ کیا اور آپ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔ اس وقت بنو ہاشم اور بنو المطلب نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کی حمایت و نصرت میں وہ بھی شعب ابی طالب میں آپ کے ساتھ تھے۔ (زاد المعاد ۳/ ۳۰ سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۱۷۵ السیرۃ لابن کثیر ۲/ ۴۴)

نبی کریم ﷺ نے اس موقع پر نہیں فرمایا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب چلے جاؤ مجھے تمہاری حمایت و نصرت کی کوئی حاجت نہیں۔

❷ پھر جب شعب ابی طالب کا حصار ختم ہوا ابو طالب اور آپ ﷺ کی اہلیہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو رسول اللہ ﷺ پر اپنی قوم کے بے وقوف لوگوں کی جانب سے آفات و بلیات کی شدت ہوئی اور انہوں نے آپ کو تکالیف و مصائب سے دو چار کیا تو آپ طائف کے کافروں کی طرف نکل گئے تاکہ وہ آپ کی نصرت کے لیے آپ کی حمایت کریں اور آپ کو جگہ دیں۔ (زاد المعاد ۳/۳۱)

❸ پھر جب وہاں سے امداد نہ ملی تو مکہ کی جانب آپ مقہور و محزون ہو کر واپس پلٹے اور نخلہ میں چند دن قیام کیا تو زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا آپ کفار مکہ کے ہاں کیسے داخل ہوں گے انہوں نے تو آپ کو نکال دیا ہوا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے زید جو حالات تم دیکھ رہے ہو اللہ تعالیٰ ان سے نکلنے کے لئے کوئی راستہ بنا دے گا اور اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنے نبی کو غلبہ دے گا پھر آپ ﷺ مکہ کے قریب ہوئے تو بنو خزاعہ قبیلے کے ایک کافر مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کیا میں تیرے پڑوس میں داخل ہو سکتا ہوں اس نے کہا ہاں اس نے اپنے بیٹوں اور قوم کو آواز دی اور کہا اسلحہ پہن لو اور بیت اللہ کے ارکان کے پاس جاؤ اور زبان سے کہہ رہا تھا میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ داخل ہوئے یہاں تک کہ جب مسجد حرام کے قریب پہنچے تو مطعم بن عدی اپنی سواری پر کھڑا ہو گیا اس نے بلند آواز سے کہا اے قریش کے لوگو! میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے تم میں سے کوئی شخص بھی انہیں نقصان نہ پہنچائے رسول اللہ ﷺ رکن کے قریب ہوئے اس کا استلام کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنے گھر چلے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹوں کے اسلحے کی چھاؤں میں آپ اپنے گھر داخل ہوئے۔ (زاد المعاد ۳/۳۱، ۳۴ السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۲/۱۰۳، ۱۰۴) اس لئے آپ نے بدر کے قیدیوں کے بارے کہا تھا اگر مطعم زندہ ہوتا پھر وہ ان بدبودار لوگوں کے لئے مجھے کہتا میں اس کے لئے انہیں چھوڑ دیتا۔ (صحیح البخاری کتاب فرض الخمس ۳۱۳۹)

❹ جب قریش نے اصحاب رسول ﷺ کو سخت ایذا دی تو آپ نے انہیں حبشہ کی

طرف ہجرت کا حکم دیا تاکہ انہیں اس کافر حکومت کی جانب سے حمایت نصیب ہو جائے اس وقت نجاشی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

5 اسی طرح آپ کا مشرک چچا ابو طالب جس نے مرتے دم تک کلمہ طیبہ نہیں پڑھا تھا اس کی حمایت ونصرت آپ کو حاصل رہی۔

6 ہجرت مدینہ سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایام ہائے مصائب میں ابن الدغنہ کافر کی پناہ لی۔ (صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار ۳۹۰۵)

7 جب آپ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو عبداللہ بن اریقط الدیلی جو مشرک تھا اور راستوں کا بڑا ماہر تھا اسے راستہ بتانے کے لئے اجرت پر رکھ لیا۔

(صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار ۳۹۰۵)

اس میں بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جب کسی مشرک پر اعتماد ہو کہ وہ دھوکہ نہیں دے گا تو اس سے تعاون لیا جا سکتا ہے۔ اسے راستے کا گائیڈ بنایا جا سکتا ہے۔ کفار نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کا منصوبہ تیار کر رکھا تھا اگر کفار سے راستے میں آمنا سامنا ہو جاتا اور وہ آپ کی مدد کرتا تو کیا رسول اللہ ﷺ اسے کہتے کہ تم مشرک ہو ہماری مدد نہ کرو۔

8 اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ہجرت مدینہ کے وقت سراقہ بن مالک سے بھی مدد لی سراقہ اس وقت مشرک تھا وہ فتح مکہ کے دن اسلام لایا تھا۔

(الاصابۃ ۳/۳۵ ۱اسد الغابۃ رقم ۱۹۰۰)

آپ نے سراقہ کو امان لکھ کر دی وہ جسے بھی راستہ میں ملتا کہتا تم کفایت کئے گئے ہو وہ ادھر نہیں ہیں اور جسے بھی ملتا اسے واپس لوٹا دیتا۔ (صحیح البخاری ۳۹۰۵، ۳۹۰۶)

یہ تو چند ایک واقعات تھے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ملی زندگی میں کفار سے حسب ضرورت تعاون لیا اور مسلم و مسند احمد مسند الدارمی کی حدیث عائشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے میدان میں لڑنے والے مشرک سے آپ نے کہا تھا واپس پلٹ جاؤ۔ ہم مشرک سے ہرگز مدد نہیں لیں گے۔ اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ

مدینہ میں مشرک سے مدد لینا ناجائز ہوگئی تھی ہم وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جس میں مدنی زندگی میں مشرکین و کفار سے حسب حاجت تعاون لینے پر راہنمائی ملتی ہے۔

❶ غزوہ حنین میں جانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے زرہیں عاریۃً لی تھیں۔ (مسند احمد ۳/۴۰۰،۴۰۱،۶/۳۶۰ ابو داؤد (۳۰۶۲) نسائی کبریٰ (۴۱۰) مستدرک حاکم ۲/۴۷) غزوہ حنین فتح مکہ کے بعد ۸ ھ میں ہوا اور صفوان اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

❷ نبی کریم ﷺ نے کفار کے ساتھ جو صلح حدیبیہ کی اس معاہدے کی شرائط میں سے ایک شق یہ تھی جو شخص محمد ﷺ کا حلیف بننا چاہے وہ ان کا حلیف بن جائے اور جو قریش کا حلیف بننا چاہے اسے بھی اجازت ہے، بنوخزاعہ مسلمانوں کے اور بنوبکر کے لوگ قریش کے حلیف بن گئے۔ (السیرۃ لابن ہشام ۳/ ۳۱۸ السیرۃ لابن کثیر ۳/ ۳۲۱) یہ صلح نبی کریم ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان تھی بنوخزاعہ کے مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کا حلیف بننا پسند کیا جس کا تقاضا تھا کہ وہ لڑائی میں مسلمانوں کے مددگار ہوں گے۔ اور جب بنوخزاعہ پر ان کے دشمن حملہ کریں گے تو مسلمان ان کی مدد کریں گے پھر یہ ہوا کہ بنوخزاعہ پر بنوبکر نے حملہ کر دیا اور قریشیوں نے ان کا ساتھ دیا تو نبی ﷺ نے بدلہ لینے کے لئے ان پر چڑھائی کر دی اور یہ فتح مکہ کا سبب بن گیا تفصیل کے لئے دیکھیں الرحیق المختوم غزوہ فتح مکہ ص ۶۳۶۔ اس واقعہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسب ضرورت کفار سے معاہدہ کر کے اپنے دشمنوں کے ساتھ لڑا جا سکتا ہے۔

❸ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں (احد کے میدان میں) مقتولین میں بنوثعلبہ کا ایک یہودی تھا اس نے اس وقت جبکہ جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے اپنی قوم سے کہا اے جماعت یہود، خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ کی مدد تم پر فرض ہے یہود نے کہا مگر آج سبت (سنیچر) کا دن ہے اس نے کہا تمہارے لئے کوئی سبت نہیں پھر اس نے اپنی تلوار لی، ساز و سامان اٹھایا اور بولا اگر میں مارا جاؤں تو میرا مال محمد ﷺ کے لئے ہے وہ اس میں جو چاہیں گے کریں گے، اس کے بعد میدان جنگ میں گیا اور لڑتے ہوئے مارا

گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مخیریق بہترین یہودی تھا۔ (الرحیق المختوم ص ۴۵۵)

اس کی موت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے اموال کو قبضے میں لے لیا اور عام صدقات مدینہ اسی مال سے ہوتے تھے (مزید دیکھیں سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۲۶ سیرۃ ابن ہشام مع روض الانف ۲/ ۵ ۳۷ مطبوعہ بیروت البدایہ والنہایہ ۴/ ۳۲ سیرۃ النبی اردو لابن کثیر ۲/ ۵۹ طبقات ابن سعد ۱/ ۵۱ تاریخ مدینہ دمشق لابن عساکر ۱۰/ ۲۲۹)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان کے حق میں بہتر ہو تو اسے لڑائی میں حسب ضرورت شریک کیا جا سکتا ہے اور اس کے مال و متاع کو اسلام کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

❹ ذی مخمر صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تم رومیوں کے ساتھ امن والی صلح کرو گے پھر تم اور وہ ایک دشمن سے لڑائی کرو گے تم مدد کئے جاؤ گے اور صحیح سلامت رہو گے غنیمت کا مال پاؤ گے پھر تم واپس پلٹو گے یہاں تک کہ ٹیلے والی چراگاہ کے پاس اترو گے تو عیسائیوں میں سے ایک آدمی صلیب اٹھا کر کہے گا صلیب غالب آ گئی اس پر مسلمانوں میں سے ایک آدمی غضبناک ہو کر اسے توڑ ڈالے گا اس وقت روم کے عیسائی غدر کریں گے یعنی صلح والا معاہدہ توڑ ڈالیں گے اور جنگ کے لئے جمع ہو جائیں گے اور اسی ۸۰ جھنڈوں تلے آئیں گے ہر جھنڈے کے ساتھ دس ہزار آدمی ہوں گے اور اللہ مسلمانوں کی جماعت کو شہادت کے ساتھ عزت عطا کرے گا۔ (مسند احمد ۴/ ۹۱، ۵/ ۳۷۲، ۴۰۹۔ ابوداؤد ۴۲۹۲، ۴۲۹۳) اور اس معنی کی ایک حدیث صحیح البخاری ۳۱۷۶ میں بھی موجود ہے۔

اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین و کفار سے صلح کر کے مشترکہ دشمن کے ساتھ لڑا جا سکتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ جب چاہے اپنے دین کی مدد کسی فاسق و فاجر عیسائی کافر سے لے لے جیسا کہ صحیح البخاری ۳۰۶۲ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے بارے کہا یہ جہنمی ہے پھر جنگ کے وقت وہ بڑی شدت سے لڑا اور زخمی ہو گیا آپ سے کہا گیا یا رسول اللہ جس کے بارے میں آپ نے جہنمی ہونے کا کہا

تھا وہ آج بڑی شدت سے لڑا ہے۔

بالآخر رات کے وقت وہ زخموں پر صبر نہ کر سکا اور اپنے آپ کو قتل کر بیٹھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی تو آپ نے کہا: الله اكبر اشهد أبي عبدالله رسوله.
(اللہ سب سے بڑا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں)

پھر آپ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے لوگوں میں اعلان کیا کہ مسلمان کے سوا کوئی بھی جنت میں نہیں داخل ہوگا۔ اور بلاشبہ اللہ اس دین کی مدد فاجر آدمی سے بھی لے لیتا ہے۔ اس مفہوم کی کئی ایک احادیث مجمع الزوائد کتاب الجہاد باب في من يؤيدهم الاسلام ۵/ ۵۴۸ تا ۵۵۰ ط جدید میں موجود ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا نہ ہوتا کہ "بے شک اللہ اس دین کی مدد فرات کے کنارے ربیعہ قبیلے کے نصاریٰ سے لے لے گا تو میں کوئی اعرابی نہ چھوڑتا مگر اسے قتل کر دیتا یا وہ مسلمان ہو جاتا۔"

(مسند بزار ۲۳ /۱۷ ۔ مجمع الزوائد ۹۵۶۵ ۔ ابو یعلی ۲۳۶)

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ بوقت ضرورت اگر کافر سے مسلمان کو مدد حاصل کرنی پڑے تو مدد لی جا سکتی ہے' امام شافعی نے کتاب الام ۴/ ۲۷۶ میں بھی تقریباً یہی موقف اختیار کیا ہے اور علامہ البانی نے التعلیقات الرضیہ علی الروضۃ الندیہ ۳/ ۴۴۳ میں اسے جید قرار دیا ہے اسی طرح دیکھیں الروضۃ الندیہ ۳/ ۵۴۲' ۴۴۳ مع التعلیقات الرضیہ' السیل الجرار ۳/ ۱۷ بیہقی ۹/ ۳۷' حنفی فقہاء کا موقف ملاحظہ ہو رد المختار لابن عابدین شامی ۴/ ۱۴۷' ۱۴۸ شرح السیر الکبیر للسرخسی ۴/ ۱۵۱۶ حنبلی مذہب کے لئے المغنی لابن قدامہ ۹/ ۲۵۶ اور اس مسئلہ کی مفصل بحث کے لئے کتاب "صد عدوان الملحدین" للشیخ ربیع بن ہادی المدخلی کا مطالعہ مفید رہے گا۔ واللہ اعلم امام نووی فرماتے ہیں:

وقال الشافعي و آخرون' إِنْ كَانَ الْكَافِرُ حُسْنَ الرأى فِيْ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعَتِ الْحَاجَةُ اِلَى الِاسْتِعَانَةِ اُسْتُعِيْنَ بِهِ وَاِلَّافَيُكْرَهُ وحمل

الحديثين على هذين الحالين واذا حضرت الكافر بالاذن رضح له من الغنائم ولايسهم له هذا مذهب مالك والشافعي وابي الحنيفه والجمهور (شرح صحیح مسلم للنووی ۱۲/ ۷۷ ط دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام شافعی اور دیگر فقہاء محدثین نے کہا ہے کہ اگر کافر مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں اور ان کی مدد کی حاجت ہو تو ان سے مدد لی جائے گی وگرنہ مکروہ ہوگی اور دونوں قسم کی احادیث کو ان حالتوں پر محمول کیا ہے اور جب کافر اجازت کے ساتھ میدان جنگ میں حاضر ہو تو اسے غنیمت کے مال سے کچھ عطیہ دیا جائے گا باقاعدہ اس کا حصہ نہیں نکالا جائے گا۔ یہ مذہب امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور محدثین کا ہے۔

کافروں کی گردنیں کاٹنا

﴿س﴾ پچھلے دنوں دلجوت کی کارروائی میں کافر مسلمانوں کی گردنیں کاٹ کر ساتھ لے گئے اس کے جواب میں ہمارے ساتھیوں نے بھی انڈین آرمی کی گردنیں کاٹیں پاکستان آرمی کے کرنل نے کہا یہ مسئلہ ہے اور شرعی طور پر ٹھیک نہیں ہے آپ اس کو شرعی طور پر ثابت کریں ورنہ جرمانہ ہوگا۔ (ابو عادل)

﴿ج﴾ کفار کے ساتھ میدان قتال میں سختی کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ (الانفال:۱۲)

''تم ان کفار کی گردنوں اور جوڑ جوڑ پر مارو۔''

اس آیت کریمہ میں مجاہدین کو شجاعت اور پامردی سے لڑنے کا کہا جا رہا ہے اور حکم دیا جا رہا ہے کہ میدان کارزار میں جب کفار کا سامنا ہو تو ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں کے جوڑ جوڑ پر مارو تاکہ وہ لڑنے کے قابل نہ رہیں۔ معلوم ہوا کہ کفار کی گردنیں کاٹنا بالکل درست اور جائز ہے اور کتب احادیث و تواریخ

میں بے شمار واقعات کفار کی گردنیں کاٹنے کے موجود ہیں۔ صحیح البخاری کتاب المغازی باب قصة عکل وعرینة میں واقعہ موجود ہے کہ قبیلہ عکل اور عرینہ کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھیر دینے اور ہاتھ پیر کاٹنے کا حکم دیا۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات میں قصاص کے اندر قتل کرنا، نفس کے بدلے نفس، آنکھ کے بدلے آنکھ، کان کے بدلے کان وغیرہ کاٹنے کا حکم ہے۔ کفار مسلمانوں کے مقابلے میں جب میدان میں اتر آئیں تو ان کو قتل کرنا، گردنیں مارنا، ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنا، جوڑ جوڑ پر ضربیں لگانا درست و جائز ہے تفصیل بڑی کتابوں میں موجود ہے۔

مسلمانوں سے لڑائی نہ کرنے والے کافروں سے سلوک

س کیا جو کفار مسلمانوں سے لڑائی نہیں کرتے ان سے انصاف کا سلوک کر سکتے ہیں؟ (ابوالجہاد ملتان)

ج جو لوگ مسلمانوں سے ان کے دین کے متعلق جنگ نہیں کرتے اور نہ ہی انہوں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا ہو ان کے ساتھ بھلائی و انصاف کا سلوک کرنے سے شریعت مانع نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں قتال نہیں کیا اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان سے بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' (ممتحنہ ۸)

البتہ جو کفار مسلمانوں کے خلاف دین اسلام کے بارے میں جنگ چھیڑیں، انہیں ایذا پہنچائیں، ان کے بچوں، اہل وعیال، بوڑھے جوانوں کا قتل عام کریں اور انہیں ان کے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیں بلکہ کئی ایک اسلامی حکومتیں انہوں نے ختم کر دیں اور دن رات ان کی کوشش امت مسلمہ کے خاتمہ کی ہو ان سے لڑائی کرنا فرض

ہے تا کہ دین اسلام کا غلبہ جو مقصود و مطلوب ہے حاصل کر لیا جائے اللہ تعالیٰ نے سورہ ممتحنہ کی اگلی آیت میں فرمایا ہے ''اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑائی کرتے ہیں اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں وہی ظالم ہیں۔''

اس آیت مجیدہ سے یہ بات عیاں ہو گئی جو کفار مسلمانوں سے ان کے دین کے بارے میں جنگ کریں انہیں گھروں سے نکالیں یا نکالنے پر کسی دوسری قوم کی مدد کریں ان سے دوستی و تعاون کا ہاتھ بڑھانے والا ظالم ہے لہٰذا امریکہ' برطانیہ وغیرہ جیسے بلاد کفار جنہوں نے صلیبی جنگ چھیڑ رکھی ہے اور لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا' ان پر آتش کی بارش کر دی ان سے لڑنا فرض عین ہے اور ان سے دوستی کرنا ظلم ہے جو ایسے کفار سے دوستی کرتا ہے اور ان کا تعاون کرتا ہے وہ انہیں جیسا ہے۔

کیا فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے؟

س سورۃ توبہ میں ''فی سبیل اللہ'' کی مد جو ذکر کی گئی ہے اس سے کیا مراد ہے کیا اس میں دینی ادارے کا قیام و عمارت شامل ہے یا نہیں یعنی یہ اصطلاح عام ہے یا خاص۔ (عبدالرحمٰن' کہروڑ پکا)

ج سورۃ توبہ کی اس آیت میں مصارف صدقات بیان کرتے ہوئے ایک مصرف ''فی سبیل اللہ'' ذکر کیا ہے یہاں پر فی سبیل اللہ خاص اصطلاح ہے جو کہ باقی سات کے مقابلے میں استعمال کی گئی ہے اگر اسے عام سمجھا جائے تو فقراء و مساکین وغیرہ کو علیحدہ ذکر کرنے کی حاجت نہ تھی وہ سب بھی فی سبیل اللہ ہیں۔ کتاب و سنت میں فی سبیل اللہ عام معنی میں بھی آیا ہے جس سے مراد اسلام اور اللہ کی رضا والا راستہ

ہے یا پھر خاص اصطلاح فی سبیل اللہ ہے جو کہ جہاد کے لئے ہے مذکورہ آیت میں یہاں اس سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے جیسے کہ خود قرآن حکیم نے سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۷۳ میں فرمایا صدقات ان فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں روکے گئے اسی طرح وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اس میں انفاق فی سبیل اللہ جہاد کے لئے ہے جیسا کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے وضاحت کی ہے ملاحظہ ہو (ابوداؤد ترمذی، نسائی وغیرہ)

اور کئی ایک مفسرین نے بھی یہاں سے جہاد و قتال ہی مراد لیا ہے امام قرطبی نے اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں فرمایا ہے اس سے مراد لڑنے والے غازیان ہیں اور اکثر علماء کا یہی قول ہے اور امام مالک کے مذہب کا حاصل بھی یہی ہے۔ مشہور درسی کتاب "بدایۃ المجتہد'' میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد اور باط کو امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب بتایا گیا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں ''احکام زکوٰۃ وعشر'' از حافظ عبدالسلام بھٹوی صاحب اور ''مسائل عشر پر تحقیقی نظر'' از مفتی عبدالرحمٰن الرحمانی صاحب' حافظ عبدالسلام فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ فی سبیل اللہ دین کی سر بلندی کے لئے جہاد و قتال کرنے والے لوگ ہیں اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو کسی طرح بھی دنیا میں اسلام کو غالب اور کفر کو مغلوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں خواہ وہ دلیل و برھان کے ساتھ ہو یا ہاتھ اور زبان کے ساتھ البتہ اس مد کا اولین مصداق وہی لوگ ہیں جو کفار سے لڑائی میں مصروف ہیں یا کفار کے خلاف لڑائی کے کسی بھی شعبہ میں شریک ہیں۔ (احکام زکوٰۃ وعشر ص ۴۳)

البتہ یاد رہے کہ مدارس و مساجد یا دیگر اسلام کی سربلندی کے جو ادارے ہیں ان پر بھی اپنے اموال میں سے ضرور خرچنا چاہئے تاکہ یہاں سے حفاظ' علماء وغیرہ تیار ہو کر نکلیں اور دین اسلام کی سربلندی کے لئے کام کریں مجاہدین کے کمانڈرز، اساتذہ کی کثیر

تعداد انہیں مدارس سے ہی پیدا ہوئی ہے اس لئے ان کے حقوق کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔
صدقات کے جو مصارف اللہ نے بیان کئے ہیں ان سب میں بقدر ضرورت حصہ ڈالنا چاہئے مگر حالات کے مطابق جس مد میں زیادہ ضرورت ہو اس کا زیادہ خیال رکھیں اللہ تعالیٰ ہمیں امور خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق بخشے آمین۔



کتاب النکاح



ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ ﴾

[النساء: ۳]

''نکاح کرو عورتوں سے جو تمھیں اچھی لگیں دو دو' تین تین' چار چار اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی کافی ہے۔''

شہید کی اہلیہ سے نکاح

س: کیا شہید کی اہلیہ سے نکاح کیا جا سکتا ہے اسلام میں اس کی کوئی مثال ملتی ہے کہ شہداء کی ازواج نے دوسری شادی کی ہو۔ تفصیل سے ذکر کریں۔

ج: شہید کی اہلیہ عدت گزار کر اگر عقد ثانی کروانا چاہے تو کرواسکتی ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے تاریخ اسلام میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں چند ایک ذکر کی جاتی ہیں۔

❶ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ایک ہمشیرہ عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا تھیں ان کی شادی عبداللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے طے پائی تھی بہت خوبصورت تھیں ان کا خاوند ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ عبداللہ بن ابی بکر نے اپنے والد کے کہنے پر انہیں طلاق دے دی تھی۔ انہوں نے اپنی اہلیہ کی جدائی میں کچھ شعر کہے جو ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سن لئے پھر انہوں نے رجوع کی اجازت دے دی اس کے بعد طائف کے حصار میں انہیں تیر لگا اور شدید زخمی ہوئے اور مدینہ جا کر فوت ہو گئے۔

ان کی وفات کے بعد عاتکہ بنت زید سے زید بن الخطاب نے شادی کر لی وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے ان کی شہادت کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کی ان کی شہادت کے بعد ان سے زبیر بن عوام نے شادی کی۔

(تفصیل کے لئے الاصابہ: ۴/ ۳۵۸، ۳۵۶)

اسی طرح اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے جعفر بن ابی طالب المعروف جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے شادی کی ان کی شہادت کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا پھر ان سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے شادی کی۔ (تفصیل کے لئے الاصابہ: ۴/ ۲۳۱ وغیرہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا نے علی رضی اللہ عنہ

سے نکاح کیا ان کی شہادت کے بعد امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ بن نوفل سے شادی کر لی۔ دیکھیں (طبقات ابن سعد: ۸/ ۱۲۷ اسد الغابہ: ۵/ ۴۰۰ استیعاب: ۲/ ۷۲۸)

ام حرام رضی اللہ عنہا کا نکاح عمرو بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

(تعذیب)

احد کے میدان میں ان کی شہادت ہوئی اس کے بعد ام حرام رضی اللہ عنہا نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا اور قبرص میں اپنے خاوند کے ساتھ شریک ہو کر شہید ہو گئیں۔ (الاصابہ: ۴/ ۴۴۱ وغیرہ)

ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا مہاجرات صحابیات میں سے ہیں ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ زید رضی اللہ عنہ جب غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہو گیا پھر ان سے طلاق ہو گئی تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں ان کی وفات کے بعد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ (الاصابہ: ۴/ ۴۹۱)

الغرض تاریخ اسلام میں اس بات کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ شہداء کی ازواج نے اپنے خاوندوں کی شہادت کے بعد شادیاں کی ہیں اسلام میں ایسی شادی میں کوئی قباحت نہیں جاہل لوگ بیوہ عورت سے شادی کرنا اچھا نہیں سمجھتے اسلام نے اس بدرسم کو بھی ختم کیا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی شادیاں بیوہ خواتین سے کیں اور امت مسلمہ کو بتا دیا کہ بیوہ عورت سے شادی کرنا معیوب نہیں ہے۔

نکاح کے لئے ولی کی اجازت

س نکاح کے لئے ولی کی اجازت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج شریعت اسلامیہ میں نکاح کی شرائط میں سے ایک ولی کا ہونا ضروری ہے اس پر کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ دلالت کرتی ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور

مشرکین کو نکاح کر کے نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور البتہ غلام مومن مشرک سے بہتر ہے اگر چہ وہ اچھا لگے۔'' (بقرہ:۲۲۱)

امام قرطبی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: ''یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں''۔ (تفسیر قرطبی ۳/۴۹)

مشہور دیوبندی حنفی عالم عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں ﴿ لا تنكحو ﴾ خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو حکم خود عورتوں کو براہ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ' یہ طرز خطاب بہت پر معنی ہے صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطہ سے ہونا چاہیے''۔ (تفسیر ماجدی ۸۹)

دوسرے مقام پر فرمایا کہ ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔ (بقرہ:۲۳۲)

حافظ ابن حجر اس آیت کے بارے فرماتے ہیں'' یہ آیت ولی کے معتبر ہونے پر سب سے زیادہ واضح دلیل ہے اور اگر ولی کا اعتبار نہ ہوتا تو اس کے روکنے کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا اور اگر عورت کے لئے اپنا نکاح کرنا خود جائز ہوتا تو وہ اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی''۔ یہ آیت کریمہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کے بارے نازل ہوئی تھی۔ (فتح الباری ۹/۹۴) تقریباً یہی بات تفسیر بغوی ۲/ ۲۱۱ المغنی لابن قدامہ ۷/ ۳۳۸ ابن کثیر ۱/ ۳۰۲ اور تفسیر طبری ۲/ ۴۸۸ میں موجود ہے۔

دور جاہلیت میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے کئی طریقے رائج تھے صرف ایک طریقہ ایسا تھا جس میں ولی ہوتا تھا ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نکاح کی ایسی صورتیں جو ولی کے بغیر تھیں ان کے بارے میں فرماتی ہیں'' جب محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا گیا تو آپ نے جاہلیت کے تمام نکاح منہدم کر دیئے سوائے اس نکاح کے جو آج لوگوں میں رائج ہے اور وہ نکاح ایسا ہے جس میں ایک آدمی دوسرے آدمی

کو اس کی زیر ولایت لڑکی کے نکاح کے لئے پیغام بھیجتا اور مہر ادا کر کے نکاح کر لیتا۔ (صحیح البخاری) اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح شریعت میں نہیں ہے اسی طرح مسند احمد ۴/۳۹۴ حاکم ۲/۱۲۹ وغیرھما میں حدیث ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں لہٰذا پہلا نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر قائم کیا گیا وہ درست نہ تھا اس میں تفریق کروا دینی چاہئے۔ اب جوان دونوں میں جدائی ہو چکی ہے اور دس ماہ بیت چکے ہیں تو عورت اپنے ولی کے ذریعے جہاں چاہے نکاح کروا سکتی ہے اسے نکاح کرنے سے کوئی شخص بھی روکنے کا مجاز نہیں رہا۔ پہلے جس شخص سے نکاح کیا ہوا تھا اس سے تحریر کے مطالبے کی حاجت ہی نہیں کیونکہ ان کا نکاح ولی کے نہ ہونے کی وجہ سے منہدم تھا اور یہ قانونی کارروائی پہلے چونکہ نہیں ہوئی تھی اس لئے ان کی جدائی کے لئے بھی اس کی حاجت نہیں اور دنیا کی کسی بھی عدالت میں وہ قانونی لحاظ سے اپنے نکاح کو ثابت ہی نہیں کر سکتا۔

اولاد کی تمنا میں شادی کرنا

﴿س﴾ کیا اولاد کی آرزو کے لئے شادی کرنی چاہئے' کتاب وسنت میں اس کے بارے کیا رہنمائی کی گئی ہے؟ (حاجی اسلم صاحب' سبزہ زار لاہور)

﴿ج﴾ شادی کے بعد خاوند اور بیوی کی بڑی آرزو اور تمنا نیک اولاد کا حصول ہے اور یہ ایک فطری امر ہے' انسان اس بات کا خواہش مند ہے کہ اللہ اسے ایک ایسا وارث عطا کرے جو اس کے بعد اس کی املاک' مال ومتاع اور زر و زمین کا صحیح تصرف کرے اور اس کے مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مدد ومعاون اور صحیح جانشین بن سکے۔ اولاد نسل انسان کی بقاء کا سبب و ذریعہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا بلکہ انسان کو اس کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اب تم اپنی بیویوں سے شب باشی کیا کرو اور اللہ نے جو تمہارے لئے لکھ دیا ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔'' (البقرہ ۱۸۷)

کئی ایک آئمہ مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ "اللہ نے تمہارے لئے جو لکھ دیا ہے" سے مراد اولاد ہے (تفسیر ابن کثیر وغیرہ) اس دنیا میں سب سے برگزیدہ ہستیاں انبیاء و رسل کی گزری ہیں ان ہستیوں نے نیک اولاد کو حاصل کرنے کی نہ صرف تمنا کی ہے بلکہ اللہ سے دعائیں مانگی ہیں جد الانبیاء ابراہیم ﷺ کی دعا یہ ہے

"اے اللہ میرے پروردگار مجھ نیکوکار اولاد عطا کر۔" (صافات ۱۰۰)

زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے کے عالم میں یوں دعا کی:

"اے میرے پروردگار! میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو اور اے میرے پروردگار اس کو پسندیدہ انسان بنا۔" (مریم:۶،۵)

رسول مکرم ﷺ نے بھی شادی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

"زیادہ محبت کرنے اور زیادہ بچے دینے والی عورت سے شادی کرو میں تمہاری وجہ سے دیگر امتوں پر فخر کروں گا۔" (مشکوۃ المصابیح)

ان آیات واحادیث کا واضح مفاد یہ ہے کہ اولاد کا حصول شادی کے مقاصد میں سے ہے اس لیے اولاد کے لیے شادی کرنا بالکل جائز و درست ہے۔

بچوں کی نگہداشت کی ذمہ داری

س کیا گھریلو اخراجات اور اولاد کے نان ونفقہ کی ذمہ داری عورت پر ہے یا مرد پر (ابو عائشہ لاہور)

ج عورت کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اللہ نے مرد پر ڈالی ہے عورت اگرچہ مال دار ہی کیوں نہ ہو وہ گھر کے اخراجات کی ذمہ دار نہیں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔" (النساء:۳۴)

اس آیت کریمہ میں مرد کو دو وجہ سے حاکم قرار دیا گیا ہے۔

❶ وھبی فضیلت: کہ اللہ نے مرد کو فطری طور پر ہی ایسا بنایا ہے کہ اسے عورت پر درجہ و مقام حاصل ہے۔

❷ کسبی فضیلت: کہ مرد اپنا مال و متاع خرچ کرتا ہے' اس مال کے خرچ کرنے کی وجہ سے بھی مرد کو عورت پر برتری حاصل ہے' دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے عورت کا کھانا اور کپڑا عرف کے مطابق دینا بچے کے باپ پر فرض ہے"۔ (البقرہ:۲۳۳)

ان دو آیات کریمہ سے واضح ہوا کہ مال خرچ کرنا' کھانا اور لباس فراہم کرنا مرد کی ذمہ داری ہے اولاد کے باپ کا حق ہے کہ وہ بچوں کی ماں کو کھانا اور کپڑا لا کر دے' ہر مرد کی آمدنی کے لحاظ سے خرچ کا تعین کیا جائے گا اگر مرد کے پاس اسباب و ذرائع زیادہ ہیں تو اس کا حق ہے کہ وہ اپنی دولت کے لحاظ سے عورت کو بھی سہولت پہنچائے اور جس طرح کا کھانا پینا اور لباس خود رکھتا ہے بیوی کو بھی اسی حساب سے دے اور اگر کوئی مرد تنگ دست ہے تو وہ اپنی آمدن کے لحاظ سے خرچ کرے گا بہر صورت نان ونفقہ کی ذمہ داری اللہ نے مرد کے کندھوں پر ڈالی ہے' عورت کا یہ حق نہیں کہ وہ گھر کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے نوکری و جاب تلاش کرے اس کا حق ہے کہ گھر کی چار دیواری میں خاوند کی خدمت' گھر کی نگرانی اور بچوں کی نگہداشت کرے۔ دفاتر' بازار' کارخانہ و فیکٹری' ہوٹلز و ریسٹورنٹ وغیرہما کی زینت نہ بنے۔

بیوی یا شوہر کا راز افشا کرنے کا شرعی حکم

﴿س﴾ جو عورت یا مرد آپس کی راز کی باتیں افشا کر دیں یعنی شوہر بیوی کے راز یا بیوی شوہر کے راز دوسروں کے آگے ظاہر کریں ان کا شرعی طور پر کیا حکم ہے؟

﴿ج﴾ عورت ہو یا شوہر دونوں میں سے کسی ایک کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی جنسی گفتگو دیگر پوشیدہ اسرار و رموز کی باتیں کسی دوسرے کے آگے ظاہر کریں اس لئے کہ ایسے لوگ شریعت کی نظر میں بہت برے ہیں اور اللہ کے ہاں ان کا بہت برا ٹھکانہ ہوگا

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک اللہ کے نزدیک قیامت والے دن سب لوگوں سے برا ٹھکانہ اس آدمی کا ہوگا جو اپنی اہلیہ کے پاس جاتا اور اس کی اہلیہ اس کے پاس آتی ہے پھر وہ اس کے راز پھیلا دیتا ہے''۔
(صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم افشاء سرالمراۃ ۱۴۳/۱۲۳۷)

صحیح مسلم ۱۲۴/۱۴۳۷ میں یہ الفاظ ہیں ''امانت کی سب سے زیادہ خیانت کرنے والا وہ آدمی ہے جو اپنی اہلیہ کے ہاں رات بسر کرتا ہے وہ اس کے ہاں رات گزارتی ہے پھر وہ اس کے راز افشا کرتا ہے' امام نووی رحمۃ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں آدمی کے لئے اس کی اہلیہ کے درمیان جاری رہنے والے امور اور ان کی تفصیل بیان کرنے اور پھیلانے کی حرمت معلوم ہوتی ہے۔
(شرح نووی ۸/۱۰)

لہٰذا مرد و زن کو اس بات میں محتاط رہنا چاہئے کہ وہ اپنی اندرونی گفتگو ایک دوسرے کے جسمانی راز' اپنی جنسی گفتگو کسی دوسرے فرد کے آگے نہ کریں' ہمارے معاشرے میں یہ بیماری عام ہے کہ مرد جنسی معلومات ذکر کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے اس طرح خواتین اپنی سہیلیوں کے آگے اپنے شوہروں کے ساتھ گزرنے والے مخصوص حالات بلا جھجھک بیان کرتی اور پوچھتی ہیں۔ ایسے معاملات سے مکمل گریز کرنا چاہیے۔

رضاعت کا مسئلہ

سؔ ندیم جب پیدا ہوا تو اس کے گیارہ دن بعد اس کی والدہ فوت ہوگئی پونے دو سال تک ندیم کو اس کی ایک پھوپھی نے دودھ پلایا پھر ایک سانحہ ہوا جس میں ندیم کی دادی کا بیٹا فوت ہوگیا۔ ندیم دودھ پینے کے لیے چیخ رہا تھا تو اس کی دادی نے ایک دفعہ یا دو دفعہ دودھ پلایا آیا قرآن و حدیث کی روشنی میں ندیم کی وہ پھوپھی جس کا ندیم نے دودھ پیا ہے کے علاوہ باقی پھوپھیوں کی کسی ایک بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے

تفصیل سے وضاحت فرمائیں؟

ج شرع کی رو سے جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں اور دودھ پلائی مدت کے اندر ہو یعنی دو سال کی عمر تک' چنانچہ دو سال کی مدت کے اندر اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور دودھ کی مقدار اتنی ہو جو بچے کے لیے غذا کا کام دے اور بچے کی آنتیں بھر دے جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ:

''وہی دودھ پلانا حرمت ثابت کرتا ہے جو چھاتی سے نکل کر آنتوں کو پھاڑے اور یہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔''

(ترمذی کتاب الرضاع)

اور جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک یہ دودھ پینا پانچ بار ہے اس کی دلیل وہ مشہور حدیث ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قرآن کریم میں دس بار دودھ پینے کے بعد حرمت رضاعت کا حکم نازل ہوا تھا پھر پانچ بار کے ذریعے حکم سابق منسوخ کر دیا گیا اور رسول اللہ کی وفات کے وقت یہی پانچ بار دودھ پینے کا حکم موجود تھا احادیث میں ''رضعات'' کا لفظ آیا ہے جو ''رضعۃ'' کی جمع ہے جس کے معنی خوب سیراب ہو کر دودھ پینے کے ہیں کہ آنتیں بھر جائیں یا بچہ جب ایک بار چھاتی کو منہ لگاتا ہے پھر اپنی مرضی سے چھوڑ دیتا ہے یہ ایک بار ہے اس طرح پانچ بار دودھ پیئے تو حرمت ثابت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایک یا دو بار دودھ پلانا حرمت ثابت نہیں کرتا۔ (صحیح مسلم باب الرضاع)

ام الفضل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے۔ تو اس نے کہا اے اللہ کے نبی میری ایک اہلیہ ہے میں نے اس پر دوسری عورت سے شادی کی ہے اور میری پہلی بیوی کا دعویٰ ہے کہ اس نے اس عورت کو ایک یا دو بار دودھ پلایا ہے جس سے میں نے دوسری شادی کی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا: ایک یا دو بار دودھ پینا حرام نہیں کرتا۔ (المسند الجامع ۵۰۸/۲۰)

مندرجہ بالا احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ایک یا دو بار دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی لہٰذا سائل مذکور نے جو صورت بیان کی ہے اس میں ندیم اپنی اس پھوپھی کی بیٹیوں سے نکاح نہیں کرسکتا جس کا پونے دو سال تک دودھ پیا ہے البتہ باقی پھوپھیوں کی بیٹیوں سے کرسکتا ہے کیونکہ دادی کا دودھ اس نے ایک یا دو بار پیا ہے جس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

دلہن کے لیے بیوٹی بکس کا استعمال

س ایک لڑکی یا نئی دلہن اپنے خاوند کے لیے سرخی وغیرہ یعنی بیوٹی بکس استعمال کر سکتی ہے۔ دلیل سے واضح کریں۔ (محمد آصف 85/5R ہارون آباد)

ج صحیح حدیث سے عورت کا خوشبو لگانا ثابت ہے اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہوتی ہے جس کا رنگ ظاہر ہوتا ہے۔ (جیسے سرخی پاؤڈر وغیرہ) اور بو مخفی ہوتی ہے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا: بے شک مردوں کی بہترین خوشبو وہ ہے جس کی بو ظاہر ہو اور رنگ پوشیدہ ہو اور عورتوں کی بہترین خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر ہو اور اس کی بو مخفی ہو۔

(ترمذی كتاب الادب باب ماجاء في طيب الرجال والنساء: ۲۷۸۸)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت رنگ والی خوشبو لگا سکتی ہے اسی طرح صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا نشان دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے ایک عورت سے ایک نواۃ سونے کے عوض نکاح کیا ہے آپ نے فرمایا: اللہ تیرے لیے برکت نازل کرے ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہو۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زعفران کی زردی کا نشان لگا تھا ظاہر ہے شادی کے موقعہ پر ان کی دلہن سے یہ لگا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دلہن کی تیاری میں اسے میک اپ کرانا درست ہے۔

اسی طرح عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقعہ پر اسماء بنت یزید بن السکن نے انہیں زیب و زینت کی تھی جیسا کہ مسند احمد ۶/ ۴۳۸، ۴۵۲ وغیرہ میں موجود ہے۔ لہٰذا دلہن کی زیب و زینت، بیوٹی پارلر یا عام خواتین کا رنگ والی خوشبو استعمال کرنا جیسے زعفران، سرخی وغیرہ بالکل جائز و درست ہے۔

مکلاوے کا تصور غلط ہے

س شادی ہو جانے کے بعد جو آجکل رواج بن گیا ہے کہ پہلے لڑکے والے لڑکی لے جاتے ہیں اور پھر دوسرے دن لڑکی کے والدین آ جاتے ہیں پھر لے جانا کیا سنت ہے؟ (محمد عبداللہ شرقپور)

ج ایک مسلمان کے لیے زندگی گزارنے کا نمونہ و اسوہ رسول کریم ﷺ ہیں آپ کی سیرت ہمارے لیے ہر مسئلہ میں راہنمائی کا کام دیتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خود اپنی شادیاں بھی کیں اور اپنی بیٹیوں کی بھی۔ یہ جو مکلاوے کا رواج ہمارے معاشرے میں پایا جاتا ہے قرآن وسنت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں لڑکی اور لڑکا شادی کے بعد اپنی مرضی سے جب چاہیں اپنے سسرال یا عزیز و اقارب کو ملنے جائیں دنوں کی کوئی قید اور پابندی شرع میں وارد نہیں۔ اور سلف صالحین سے بھی اس طرح شادی کے دوسرے دن ہی لڑکی کو لے جانا ثابت نہیں صرف یہاں ایک واقعہ باعث نصیحت درج کرتے ہیں۔ امام سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ جو اہل مدینہ میں سے بڑے عالم اور سید التابعین میں شمار ہوتے ہیں ان کی بیٹی کا رشتہ خلیفہ عبدالملک نے اپنے بیٹے ولید کے لیے طلب کیا جو انہوں نے دینے سے انکار کر دیا اور انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے ایک شاگرد کثیر بن المطلب بن ابی وداعہ سے کی۔ ابن ابی وداعہ کا بیان ہے کہ میں سعید بن المسیب کے ہاں بیٹھا کرتا تھا تو پھر کچھ دن میں ان کی مجلس میں حاضر نہ ہوا دوبارہ میری حاضری پر انہوں نے سوال کیا تم کہاں تھے؟ میں نے کہا میری اہلیہ فوت ہو گئی تھی میں اس وجہ سے کچھ مشغول و مصروف ہو گیا امام سعید بن

المسیب فرمانے لگے تم نے ہمیں خبر کیوں نہ دی ہم اس کے جنازے میں شرکت کرتے پھر فرمانے لگے کیا تم نے کسی نئی عورت سے شادی کی ہے؟ میں نے کہا اللہ آپ پر رحم کرے مجھے کون رشتہ دے گا میں تو صرف دو یا تین درہموں کی ملکیت رکھتا ہوں امام سعید بن المسیب نے کہا میں تمہیں رشتہ دوں گا میں نے کہا آپ ایسا کریں گے؟ انہوں نے کہا ہاں پھر انہوں نے اللہ کی حمد اور نبی ﷺ پر درود شریف پڑھا اور مجھے دو یا تین درہم حق مہر کے عوض نکاح کر دیا میں اٹھا اور فرط مسرت کی وجہ سے مجھے کوئی کام نہ سوجھا میں اپنے گھر گیا اور سوچنے لگا کس سے قرض لوں۔ میں نے مغرب کی نماز ادا کی اور گھر لوٹا اور اکیلا ہی روزے کی حالت میں تھا میں نے اپنا روزہ روٹی اور زیتون سے افطار کیا تو میرے دروازے پر دستک ہوئی میں نے کہا کون؟ اس نے کہا سعید میں ہر اس شخص کے بارے سوچنے لگا جس کا نام سعید تھا۔ سوائے سعید بن المسیب کے اس لئے کہ سعید بن المسیب چالیس سال سے اپنے گھر اور مسجد کے درمیان ہی دیکھے گئے تھے۔ میں باہر نکلا تو سعید بن المسیب کھڑے تھے میں نے کہا اے ابو محمد (سعید بن المسیب کی کنیت) آپ مجھے پیغام بھیج دیتے میں خود حاضر ہو جاتا تو انہوں نے کہا نہیں تم زیادہ حق رکھتے ہو کہ تمہارے پاس آیا جائے تم اکیلے آدمی تھے میں نے تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کی ہے۔ اور میں نے ناپسند کیا کہ تم اکیلے رات بسر کرو یہ تمہاری عورت ہے وہ ان کے پیچھے کھڑی تھی۔ پھر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کے اندر کر دیا اور دروازہ بند کر دیا عورت شرم و حیا کا پتلا تھی۔ میں نے دروازہ چیک کیا پھر پیالہ چراغ کے سائے تلے رکھ دیا تاکہ وہ اسے نہ دیکھ سکے پھر میں گھر کی چھت پر چڑھ گیا' پڑوسیوں کو بلایا وہ آ گئے کہنے لگے تمہاری کیا حالت ہے؟ میں نے انہیں بتایا وہ اس کے پاس آئے اور میری ماں کو بھی خبر پہنچ گئی وہ آئیں کہنے لگیں میرا چہرہ تیرے چہرے پر حرام ہو اگر تم اس کے قریب جاؤ تاوقتیکہ میں تین دن اس کا امتحان لے لوں میں تین دن رکا رہا پھر اس پر داخل ہوا۔ وہ تمام لوگوں سے زیادہ حسینہ و جمیلہ اور سب سے زیادہ قرآن کی حافظہ اور سنت رسول ﷺ کی عالمہ اور

سب سے زیادہ خاوند کے حق کو پہچاننے والی پھر میں ایک ماہ تک سعید بن المسیب کے ہاں نہ گیا پھر اس کے بعد ان کے ہاں آیا وہ اپنے حلقہ درس میں تھے میں نے سلام کیا انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور اختتام مجلس تک کوئی بات نہ کی جب میرے علاوہ سب چلے گئے تو انہوں نے کہا' اس انسان کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا بہت اچھا اے ابو محمد' جسے دوست پسند کرتا ہے.اور دشمن ناپسند کرتا ہے کہنے لگے اگر تمہیں کوئی چیز مکروہ لگے تو لاٹھی سے کام لو' میں اپنے گھر واپس گیا انہوں نے مجھے ۲۰ ہزار درہم بھیجے ملاحظہ ہو۔ (حلیۃ الاولیاء ۲/ ۱۶۷' ۱۶۷ سیر اعلام النبلاء ۴/ ۲۳۳' ۲۳۴) امام سعید بن المسیب کے اس واقعہ سے ہمارے لئے کئی ایک مسائل نکلتے ہیں۔شادی بیاہ کے موقعہ پر رسم و رواج کا سلف صالحین کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔ بارات' جہیز' مکلاوہ' سہرے گانے' ڈھول وغیرہ سب ہندوانہ رواج ہیں جو برصغیر پاک و ہند میں مسلم ہندو اختلاط کی وجہ سے پھیل چکے ہیں۔ہمیں ہر قسم کے رسم و رواج اور بدعات وخرافات سے اپنے ماحول کو پاک وصاف کرنا چاہئے۔ امام سعید بن المسیب کی بیٹی کی شادی ایک بادشاہ کے بیٹے کی بجائے ایک دیندار شخص سے ہوئی اور شادی کے دوسرے دن بیٹی کو لینے نہیں چلے گئے تھے بلکہ ان کا داماد ایک ماہ بعد اکیلا حاضر خدمت ہو رہا ہے۔ بہر کیف شادی کے بعد لڑکی اور لڑکے کی باہمی رضا مندی ہے جب چاہیں لڑکی اپنے والدین اور لڑکا اپنے سسرال والوں کو ملنے چلے جائیں دوسرے دن جانا یہ رسم ہے اس کو توڑنا چاہئے۔

کیا شادی کے لیے بارات لے جانا ضروری ہے؟

س کیا شادی کے موقع پر دولہا کے ساتھ بارات کا جانا کسی حدیث سے ثابت ہے؟ (شیخ آفتاب صاحب' سرگودھا)

ج شادی بیاہ کے موقعہ پر مروجہ بارات لے جانا شرعاً بالکل ثابت نہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ عہد رسالت مآب اور خلفائے راشدین کے ایام ہائے خلافت میں کہیں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ نکاح کے لیے دولہا' دو گواہ اور لڑکی کے ولی و

سرپرست کا ہونا کافی ہے۔ رسول کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں آپ کے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شادیاں ہوئیں۔ کسی نے بھی بارات کا اہتمام نہیں کیا۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا نشان دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے ایک عورت کے ساتھ سونے کی ایک ڈلی کے برابر مہر کے ذریعے نکاح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تیرے لیے برکت ڈال دے۔ ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ۳۲۱۰)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی کا علم رسول اللہ ﷺ کو اس وقت ہوا جب آپ نے عبدالرحمٰن پر زعفران کا زرد رنگ دیکھا۔ اگر اسلام میں بارات کا کوئی تصور ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے بلایا جاتا۔ لیکن اسلام میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ نبی ﷺ یا کسی بھی صحابی کی شادی پر بارات ساتھ گئی ہو۔

نبی کریم ﷺ سے آپ کی پیاری بیٹی فاطمۃ الزہرا کا رشتہ مانگنے کے لیے علی رضی اللہ عنہ اکیلے ہی آپ کے پاس تشریف لے گئے تھے لیکن آپ ﷺ کے جلال و ہیبت کی وجہ سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی آپ نے پوچھا کیا چیز تمہیں لائی ہے کیا تجھے کوئی حاجت ہے؟ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے ایسے ہی کہا پھر علی رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لعلك جئت تخطب فاطمة؟ شاید تم فاطمہ رضی اللہ عنہا سے منگنی کے لیے آئے ہو۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! آپ نے پوچھا کیا تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کچھ ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نہیں اللہ کی قسم' آپ نے فرمایا: تیری لوہے کی زرہ جو میں نے تجھے پہنائی تھی کا کیا بنا؟ کہنے لگے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں علی رضی اللہ عنہ کی جان ہے وہ تو حطمیہ ہے اس کی قیمت ۴ درہم بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا تیرے نکاح میں دی۔ وہ زرہ تو اسے بھیج دے جس کے ساتھ تو فاطمہ کو حلال کرے گا یعنی بطور مہر دے کر اسے اپنے

لیے حلال بنالو' فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کا یہی حق مہر تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ۳/ ۱۶۰ البدایہ والنہایہ ۳/ ۳۰۲ اسد الغابہ ۸/ ۲۱۶'۲۱۵)

اس واقعہ سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ کائنات کے افضل ترین بندوں میں سے علی مرتضیٰ اور فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہما کی شادی پر نہ بارات کا میلہ اور نہ ہی رسم و رواج کا کوئی دخل۔ علی رضی اللہ عنہ اکیلے ہی منگنی کے لیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حق مہر پوچھ کر اپنی پیاری لخت جگر فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ صحیح اسلامی طریقہ ہی یہی ہے کہ جس گھر میں نکاح کا ارادہ ہو وہاں لڑکا پیغام نکاح دے۔ وہ گھر والے اگر منظور کر لیں تو جلد نکاح کر دیں۔ رسم و رواج کا قطعاً انتظار نہ کریں۔ اسی میں خیر و فلاح ہے اللہ تعالیٰ صحیح سنت رسول پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے اور ہر قسم کے ہندوانہ رسم و رواج سے بچائے۔ آمین

شادی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے کھانا کھلانا

س آپ کا مضمون ''شادی کے کھانے کی شرعی حیثیت'' غزوہ میں نظروں سے گزرا آپ نے ولیمہ پر مدلل بحث کی ہے مگر اصل چیز ہے شادی ہال میں لڑکی والے کی طرف سے دی جانے والی دعوت جس پر آج کل اخبارات میں بھی بحث جاری ہے۔ براہِ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں اس پر بھی تفصیلاً ارشاد فرمایئے تاکہ لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہوں۔ (راؤ اسلام الدین ابو شاہد ۲/ ۱۸ وحدت پارک لاہور)

ج اگر آپ اس مضمون کو غور و تدبر سے پڑھتے تو اس سوال کا جواب آپ کو اس مضمون میں مل جاتا قرآن و سنت کی رو سے شادی کے موقع پر جو دعوت ثابت ہے وہ ولیمہ ہے جس کے میں نے کئی ایک دلائل ذکر کیے۔ اور محدثین نے جو دعوت کی اقسام بیان کی ہیں ان کا بھی اجمال سے تذکرہ کیا ہے' جس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ لڑکی والوں کے گھر جو بارات لے کر لڑکے والے جاتے ہیں اور لڑکی والے اپنے دوست واحباب کو بلا لیتے ہیں اور پھر ان سب کے لئے ضیافت کا بندوبست کیا

جاتا ہے۔ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ بارات کے بارے میں راقم نے غزوہ میں پہلے بحث کر دی ہے کہ موجودہ تصور بارات اسلام کا نہیں ہے اور خیر القرون میں اس کی کوئی مثال ہمیں نہیں ملتی۔ شادی کے موقعہ پر جو دعوت ہوتی ہے وہ ولیمہ ہی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی شادی کے موقع پر بھی ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آپ نے ولیمہ کرنے کے لئے کہا۔

لہٰذا شادی پر یہی دعوت ہونی چاہئے خواہ شادی ہال میں ہو یا کسی حویلی اور گھر میں، یہی شرعاً ثابت ہے۔

وٹہ سٹہ کی شادی

س اسلام میں وٹہ سٹہ کی شادی کا کیا تصور ہے اگر طرفین سے عام حالات میں رضامندی کے ساتھ وٹہ سٹہ کی شادی ہو جائے تو پھر بھی یہ سلسلہ شریعت کی گرفت میں ہے؟ (کارکنان جماعت الدعوۃ موضع جوڑا ضلع قصور)

ج وٹہ سٹہ کی شادی کو شریعت میں شغار کہا جاتا ہے شغار کی ممانعت نبی ﷺ نے فرمائی ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا شغار فی الإسلام' اسلام میں شغار نہیں ہے۔

(صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم نکاح الشغار و بطلانہ ۱۴۱۵)

شغار کی ممانعت والی حدیث ابوہریرہ' انس بن مالک' عمران بن حصین' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے کتب احادیث میں مروی ہے اور شغار کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن یا اپنی زیر ولایت کسی بھی لڑکی کی شادی اس شرط پر کرے کہ دوسرا آدمی اپنی بیٹی یا بہن یا اپنی زیر ولایت لڑکی کا نکاح اس کے کسی فرد سے کر دے اور یہ شرط شرعی طور پر درست نہیں کیونکہ نکاح کے بارے میں شریعت میں ایسی کوئی شرط موجود نہیں' اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ "کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل" ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے (صحیح البخاری کتاب

البیوع ۲۱٦۸ صحیح مسلم کتاب العتق ۱۵۰٤)

امام ابن حزم نے محلی ۱۱۸/۹ میں لکھا ہے کہ وٹہ سٹہ کا نکاح حلال نہیں ہے اور وٹہ سٹہ یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کی زیر ولایت لڑکی سے اس شرط پر شادی کرے کہ وہ دوسرا آدمی اپنی زیر ولایت لڑکی کو اس طرح اس کے ساتھ بیاہ دے کہ اس میں کوئی فرق نہیں کہ انہوں نے دونوں میں سے ہر ایک کے لئے مہر ذکر کیا ہو یا ایک کا مہر ذکر کیا ہو دوسری کا نہ کیا ہو یا دونوں میں سے کسی کا بھی حق مہر ذکر نہ کیا ہو یہ تمام صورتین برابر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ عباس بن عبداللہ بن عباس نے عبدالرحمٰن بن الحکم کو اپنی بیٹی نکاح میں دی اور عبدالرحمٰن بن الحکم نے عباس کو اپنی بیٹی نکاح میں دے دی اور ان دونوں نے مہر بھی مقرر کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے (امیر مدینہ) مروان کو خط لکھ کر حکم دیا کہ دونوں نکاحوں میں جدائی کر دی جائے اور اپنے خط میں لکھا کہ یہی وہ شغار ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا تھا۔

(سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی الشغار ۲۰۷۵ مسند احمد ۹۴/۴)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ اس حدیث کے بارے فرماتے ہیں یہ معاویہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں اس نکاح شغار کو فسخ کرتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بھی ان کی مخالفت کرنے والا نہیں ہے اگر چہ اس میں دونوں نے مہر کا ذکر بھی کیا ہے تو انہوں نے نکاح کو فسخ کر دیا اور معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ وہ نکاح ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے اس سے تمام اشکال رفع ہو جاتے ہیں۔ (المحلی ۱۲۲/۹)

لہٰذا وٹہ سٹہ کی شادی جو مشروط طور پر سر انجام دی جاتی ہے وہ شرعی طور پر درست نہیں خواہ اس میں مہر رکھا گیا ہو یا نہ رکھا گیا ہو یہ اتفاقی چیز ہے ایسے نکاح سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

دعوت ولیمہ پر سلامی

س: دعوت ولیمہ پر سلامی دینا قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ نہیں؟
(ذوالفقار احمد، راہوالی)

ج: مسلمانوں نے جب سے اسلام کے احکامات کو پس پشت ڈالا ہے اس وقت سے بے شمار خرابیاں ان کے اندر داخل ہو گئیں کئی ایک ایسے اعمال سرانجام دیئے جاتے ہیں جن کی اسلام میں کوئی دلیل موجود نہیں ہوتی۔ منجملہ ان امور میں سے شادی بیاہ کا مسئلہ بھی ہے۔ ہماری شادیوں کے موقعہ پر اکثر و بیشتر ہندوانہ رسم و رواج کی پابندی کی جاتی ہے شادی کے موقعہ پر دعوت ولیمہ کر کے مہمانوں کو بلا کر ان سے نیوتہ وصول کرنا بھی ہندوانہ رسم ہے اور برصغیر پاک و ہند میں ہندوؤں کے اختلاط سے یہ رسم بھی اہل اسلام میں داخل ہو چکی ہے اور پھر یہ نیوتہ ایک قرض ہے اگر آج کسی کی شادی پر ایک سو روپیہ دیا جاتا ہے تو کل یہ امید ہوتی ہے کہ دو سو ملے گا اور اگر کوئی شخص ادا نہ کرے تو اس سے ناراضگی ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ کم از کم ہماری گھر پہنچ تو دے دیں اور اگر کوئی شخص صرف لیا ہوا پیسہ واپس کرے تو کہا جاتا ہے اس نے اپنی بھاجی ختم کر دی ہے۔ ہندوستان میں کنبوہ برادری ایسی تھی جو ایسی اشیاء کو پسند نہیں کرتی تھی۔ ڈاکٹر محمد عمر لکھتے ہیں ''کنبوہ'' فرقے کے مسلمان جہیز نہیں دیتے تھے اور عروس کے گھر (رسم مہندی) بھی نہیں بھیجتے تھے اور نکاح میں یا شب عروسی کو یا حنا بندی کے موقعہ پر شربت پلانے کے بعد براتیوں سے نیوتہ یا نیگ بھی نہیں لیتے تھے کیوں کہ یہ لوگ فرط غیرت سے ان کاموں کو مکروہ سمجھتے تھے۔'' (ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۱۵۳، ۱۵۴)

اگر کوئی فرد کسی دوسرے پر احسان و نیکی یا تنگی میں اس کا تعاون کرنا چاہے تو اسے اپنے اس احسان کا بدلہ زیادہ مال لینے کی توقع سے نہیں کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔'' (المدثر: ۶)

ہمارے ہاں ولیموں کی دعوت میں یہی خواہش کارفرما ہوتی ہے کہ آج اگر اتنے

پیسے دیں گے تو کل ہماری شادی پر زیادہ ملیں گے لہٰذا اس رسم ہندوانہ کا خاتمہ کرنا چاہئے۔ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ملتی۔ صرف شادی کے بعد حسب استطاعت دعوت ولیمہ ہے کھانا کھانے والوں سے گھر بلا کر پیسے وصول کرنا ایک انتہائی مضحکہ خیز حرکت ہے اللہ تعالیٰ اجتناب کی توفیق بخشے۔ آمین

بیوی کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح

س کیا کوئی شخص اپنی بیوی کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح کر سکتا ہے۔ قرآن وسنت کی رو سے راہنمائی کریں۔ (سخاوت اللہ، گیمبر چھاؤنی اوکاڑہ)

ج اللہ تبارک وتعالیٰ نے رشتوں کی حلت وحرمت کا ذکر بڑی ہی صراحت کے ساتھ بتایا ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ نے بھی مکمل توضیح فرمائی ہے۔ سائل کی مراد اگر یہ ہے کہ بیوی کو طلاق دینے یا اس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح تو یہ بالکل جائز و درست ہے اگر مراد بیوی کی موجودگی میں بھانجی یا بھتیجی سے نکاح ہے تو یہ حرام ہے۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ عورت سے اس کی پھوپھی کی موجودگی میں یا پھوپھی سے اس کی بھتیجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے اس طرح اس بات سے بھی منع کیا کہ عورت سے اس کی خالہ کی موجودگی میں یا خالہ سے اس کی بھانجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے۔ چھوٹی بڑی پر اور بڑی چھوٹی پر نکاح نہ کی جائے۔ (ترمذی ۱/۲۶)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں فرماتے ہیں۔ عبداللہ بن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیث حسن صحیح ہے اور عام اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ آدمی کے لئے عورت اور اس کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ ایک نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں۔ اس بات پر ہمارے علم میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اگر کسی عورت کے ساتھ اس کی پھوپھی یا خالہ کی موجودگی میں یا پھوپھی کے ساتھ بھتیجی کی موجودگی میں نکاح کر لیا تو یہ دوسری کے ساتھ کیا ہوا نکاح فسخ کیا جائے گا۔ عام اہل علم کا یہی قول ہے۔

لہٰذا کسی بھی عورت کے ساتھ نکاح اس کی پھوپھی یا خالہ کی موجودگی میں درست نہیں۔ اسی طرح پھوپھی اور خالہ کے ساتھ بھانجی و بھتیجی کی موجودگی میں بھی نکاح درست نہیں ایسا نکاح اگر کہیں کیا گیا ہے تو اسے ختم کیا جائے۔

ایک دفعہ دودھ پینے سے رضاعت

﴿س﴾ ایک لڑکے نے اپنی خالہ کا ایک مرتبہ دودھ پیا اور سو گیا تقریباً اڑھائی سال بعد اس کی خالہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اب اس لڑکی کا اس لڑکے کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (عبدالمجید خاں' ملتان)

﴿ج﴾ صحیح تر بات یہ ہے کہ بچے کی حالت شیر خوارگی میں اس طرح دودھ پلایا گیا ہو کہ وہ اس کے بدن کی غذا بن جائے خواہ کسی طرح بھی پلایا جائے تو اس سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''رضاعت بھوک سے ثابت ہوگی۔''

(صحیح البخاری کتاب الشہادات' صحیح مسلم کتاب الرضاع)

یعنی جس رضاعت سے بچے کی بھوک دور ہو جائے وہ باعث حرمت ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ''اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جو آنتوں کو پھاڑ دے اور یہ دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔ (ترمذی' حاکم)

یعنی جس رضاعت سے دودھ سے آنتیں بھر کر ایک دوسری سے جدا ہو جائیں۔ محدثین کی اکثریت اس بات کی طرف گئی ہے کہ ایسے دودھ کی تعداد پانچ مرتبہ دودھ پینا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی تائید میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اور قرآن حکیم نے جو مطلق طور پر رضاعت ذکر کی ہے۔ ان احادیث نے اس اطلاق کو مقید کر دیا ہے اور عام کی تخصیص ہوگئی ہے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ دودھ چوس لینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ صحیح مسلم (۱۴۵۰) میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مرتبہ چوسنا یا دو مرتبہ چوسنا حرام نہیں کرتا حرام کرنے کی

مقدار پانچ رضعات ہیں یعنی بچہ جب ایک مرتبہ پستان منہ میں لے کر دودھ چوستا ہے پھر اپنی مرضی سے بغیر کسی عارضے کے چھوڑ دے تو یہ ایک مرتبہ ہے اس طرح پانچ دفعہ اگر کسی بچے کے بارے ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی عورت کا دودھ پیا ہے تو وہ عورت اس کی رضاعی ماں ہوگی اور اس عورت کی بیٹی اس کی رضاعی بہن ہوگی۔ اس کے ساتھ نکاح حرام ہوگا کیونکہ جو رشتے نسب سے حرام ہیں وہی رضاعت سے بھی حرام ہیں۔

صورت مسئولہ میں ایک مرتبہ دودھ پینے کا ذکر کیا گیا ہے اگر یہ بات درست ہے تو اس لڑکے کا اس لڑکی سے نکاح بالکل درست ہے۔ حرمت رضاعت کی مقدار مکمل نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب.

نکاح پر نکاح

س ایک امام مسجد جس نے نکاح پر نکاح پڑھا دیا ہے ایک عورت کا پہلے نکاح تھا اس نے طلاق نہیں لی وہ اپنے سسرال سے روٹھ کر آئی تھی اور اس کے ماں باپ نے اس کا نکاح کسی اور آدمی سے آگے پڑھا دیا۔ مولوی صاحب نے جانچ پڑتال نہیں کی کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے کیا اس کا اپنا نکاح ہے یا ٹوٹ گیا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (عبدالقادر فیروز پوری 119IWB میلسی وہاڑی)

ج بشرط صحت سوال نکاح پر نکاح پڑھانا حرام کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام رشتے بیان کرتے ہوئے خاوند والی عورتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ الآية (النساء۲۴)

''یعنی جب عورت کسی کے حبالہ عقد میں ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں۔''

اسلام میں نکاح پر نکاح تو درکنار منگنی پر منگنی کرنے سے منع کیا گیا ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خُطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ)).

(متفق علیہ' مشکوۃ ۳۱۴۴)

''کوئی آدمی اپنے بھائی کی منگنی پر منگی نہ کرے یہاں تک کہ وہ نکاح کرے یا چھوڑ دے۔''

جب کسی شخص نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا ہو تو اس پر پیغام دینا منع ہے تو نکاح پر نکاح کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس دوسرے نکاح میں فوراً جدائی کرا دینی چاہیے اور اتنی دیر تک انہیں جدا رکھنا چاہیے جب تک پہلا خاوند طلاق نہ دے دے یا اس سے خلع لے لیا جائے پھر عدت گزرنے پر ان کا نکاح کیا جائے۔ نکاح خوان کے علم میں اگر بات تھی تو انتہائی غلط حرکت ہے اور اگر معلوم نہ تھا بے خبری میں نکاح پڑھا دیا بعد میں علم ہوا تو اپنے کیے پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اگر اس امام کے عقیدے میں صریح کفر و شرک نہیں تو اس کے پیچھے نماز درست ہے اور اس غلط فعل کی بنا پر اس کے نکاح پر کوئی اثر نہیں۔

بالغ اولاد کا نکاح

س میں نے ایک دینی مجلہ میں پڑھا ہے کہ اگر اولاد بالغ ہو جائے تو والدین کو چاہیے کہ جلد از جلد اولاد کی شادی کر دیں تا کہ فحاشی نہ پھیلے اگر والدین ایسا نہیں کریں گے تو اس قسم کی فحاشی کا گناہ ماں باپ کے ذمہ ہوگا۔ (مقصود مجاہد' احمد پور شرقیہ)

ج یہ بات صحیح اور درست ہے کہ جب اولاد بالغ ہو جائے تو والدین کو ان کی شادی کا جلد بندوبست کرنا چاہیے تا کہ وہ کسی قسم کے گناہ میں ملوث نہ ہوں اور شعب الایمان للبیہقی (۸۶۶۶) میں ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اس کا اچھا سا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے اور جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دے اگر وہ بالغ ہو گیا اس نے اس کی شادی نہ کی اور اس نے گناہ کر لیا تو اس کا گناہ اس کے باپ

پر ہوگا۔

اور عمر بن خطاب اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس کی بیٹی بارہ برس کی ہوگئی اور اس نے اس کی شادی نہ کی اور لڑکی نے گناہ کا ارتکاب کر لیا تو اس کا گناہ اس کے باپ پر ہوگا شعب الایمان (۸۶۸۰) بحوالہ مشکوۃ المصابیح کتاب النکاح باب الولی فی النکاح فصل ثالث۔

پہلی روایت کو علامہ البانی نے سلسلہ الاحادیث الضعیفہ ۶۳/۲ میں ضعیف قرار دیا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کی سند میں ابوبکر بن ابی مریم راوی ضعیف ہے اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے متن کو امام حاکم نے شاذ قرار دیا ہے۔

(شعب الایمان ۴۰۳/۶)

بہر کیف باپ اگر نکاح کر دینے پر قادر ہو اور نکاح نہ کرے تو قصور وار ہے اور گناہ کا سبب بن جاتا ہے اس لئے زجر و تہدید کرتے ہوئے اس بات سے ڈرایا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی بالغ اولادوں کا مناسب رشتہ ملتے ہی نکاح کر دینا چاہئے تاکہ وہ کسی گناہ کا ارتکاب نہ کریں۔

شادی کے دو ماہ بعد بچے کی پیدائش

س ایک شخص کی ایک لڑکی کے ساتھ منگنی ہو جاتی ہے اور وہ آپس میں ملتے رہتے ہیں پھر ان کا جب نکاح ہو جاتا ہے تو نکاح کے دو ماہ بعد اس لڑکے کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو کیا یہ بچہ حلال زادہ ہے یا حرام کا۔ (عبدالقدوس گلیات)

ج شادی کے دو ماہ بعد بچے کی ولادت کسی طرح بھی درست نہیں۔ ایسا بچہ جو شادی کے چھ ماہ بعد پیدا ہو اسے اہل علم نے حلال کا شمار کیا ہے اور اسے اس کے باپ کی طرف منسوب کرنا درست قرار دیا ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ پیش کرتے ہیں:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ﴾ (الاحقاف ۴۶: ۱۵)

"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے اسے تکلیف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنم دیا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس ۳۰ مہینے ہے۔"

اس آیت کریمہ میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت اڑھائی سال بتائی گئی ہے جس میں چوبیس مہینے (دو سال) مدت رضاعت ہے۔ جیسا کہ خود قرآن حکیم نے واضح کیا ہے (سورۃ لقمان ۱۳: ۱۴) میں ارشاد فرمایا: وفصاله فی عامین اس کی دودھ چھڑائی دو برس میں ہے اور (سورۃ البقرہ ۲/ ۲۳۳) میں فرمایا ہے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة مائیں اپنی اولاد کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔ ان آیات بینات نے واضح کر دیا کہ مدت رضاعت دو سال (چوبیس مہینے) ہے سورۃ احقاف میں جو حمل اور دودھ چھڑائی کی مدت ۳۰ ماہ بتائی ہے اس میں ۲۴ ماہ مدت رضاعت اور چھ ماہ حالت حمل کے ہیں۔ لہٰذا شادی کے چھ ماہ بعد اگر بچہ پیدا ہو تو وہ حلال ہوتا ہے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد استدل علی رضی الله عنه بهذه الاية مع التی فی لقمان (وفصاله فی عامین) وقوله تبارك و تعالی (والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة) علی ان اقل مدة الحمل ستة اشهر وهو استنباط قوی وصحیح وافقه علیه عثمان وجماعة من الصحابة رضی الله عنهم.

(تفسیر ابن کثیر ۷/ ۲۵۸،۲۰۷)

اور تحقیق علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ احقاف کی اس آیت کو سورۃ لقمان کی آیت

نمبر۱۴ اور سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۳ کے ساتھ ملا کر استدلال کیا ہے کہ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے یہ استنباط قوی اور صحیح ہے اور اس پر عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے۔

نیز دیکھیں تفسیر قرطبی ۱۶/ ۱۲۹ احکام القرآن لابن العربی ۴/ ۱۶۹۷، ۱۶۹۸ تفسیر مدارک ۲/ ۵۵۳ تفسیر قاسمی ۸/ ۵۴۴۵ فتح البیان ۶/ ۳۰۰ لہٰذا شادی کے دو ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ کسی طرح بھی حلال کا شمار نہیں ہو سکتا۔ ہم یہاں پر ان والدین سے بھی گزارش کریں گے جو اپنے بچوں کے رشتے کرنے کے بعد سالہا سال شادی میں تاخیر کر دیتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد کے جوان ہونے کے ساتھ ان کے نکاح کر دیں تاکہ وہ کسی فعل حرام کا ارتکاب نہ کریں اور نکاح کے بندھن میں بندھ جانے کے بعد جائز اور حلال طریقے سے اپنے ایام ہائے زندگی بسر کریں اور فعل حرام کی ذلت و رسوائی سے محفوظ ہو سکیں۔ ہمارے خود ایجاد کردہ رسم و رواج نے ہمیں ذلت و تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ رسم و رواج کو پورا کرنے کے لئے والدین جائز و ناجائز طریقے اختیار کرتے ہیں اور اولادیں حرام طریقوں سے اپنی جنسی خواہشات پورا کرنے کے لئے مختلف گلی، محلوں، سڑکوں، چوراہوں، پارکوں اور ہوٹلوں میں سرگرداں ہیں۔ اللہ تعالیٰ افراط و تفریط سے ہٹ کر صحیح اسلامی شاہراہ پر گامزن ہونے کی ہر ایک مسلم کو توفیق بخشے اور اولادوں کی صحیح اسلامی نہج پر تربیت کرنے کی ہمیں توفیق عنایت کرے۔ آمین

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح

س کیا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہو سکتا ہے؟

ج الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب واليه المرجع والمآب شریعت اسلامیہ میں نکاح کی شرائط میں سے عورت کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے اس پر کئی ایک آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ شاہد ہیں ارشاد باری تعالیٰ

ہے:

﴿ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ﴾ (بقرہ:۲۲۱)

''اور مشرکین کو نکاح کر کے نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں البتہ غلام مومن مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں اچھا لگے''۔

اس آیت کریمہ کے تحت امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿ فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ دَلِيْلٌ بِالنَّصِّ عَلٰى أَنْ لَّانِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ ﴾

(تفسیر قرطبی ۳/۴۹)

یہ آیت اس بارے میں دلیل ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ مشہور حنفی عالم مولانا عبدالماجد دریا آبادی لکھتے ہیں ﴿لا تنکحوا﴾ خطاب مردوں سے ہے کہ تم اپنی عورتوں کو کافروں کے نکاح میں نہ دو حکم خود عورتوں کو براہ راست نہیں مل رہا ہے کہ تم کافروں کے نکاح میں نہ جاؤ یہ طرز خطاب بہت پر معنی ہے صاف اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مردوں کے واسطہ سے ہونا چاہیے۔ (تفسیر ماجدی ۷۵)

ایک اور مقام پر ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَّنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ (بقرہ:۲۳۲)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ آپس میں اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں۔''

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کو ایک طلاق ہوگئی اور ان کی عدت گزر گئی عدت کے گذر جانے کے بعد ان کا آپس میں صلح کا ارادہ بن گیا تو معقل رضی اللہ عنہ جو اپنی بہن کے ولی تھے وہ اس میں رکاوٹ بن گئے۔ حافظ ابن حجر اس کے متعلق فرماتے ہیں:

وهی اصرح دلیل علی اعتبار الولی والالما کان لعضله معنی والالو کان لها ان تزوج نفسها لم تحتج الی اخیها.

(فتح الباری:۹/۹۴)

یہ آیت ولی کے معتبر ہونے پر سب سے زیادہ واضح دلیل ہے۔اور اگر ولی کا اعتبار نہ ہوتا تو اس کے روکنے کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا اور اگر عورت کے لیے اپنا نکاح خود کرنا جائز ہوتا تو وہ اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی۔

نابالغ لڑکی کا نکاح

س ایک شخص نے اپنی بیٹی کا بچپن میں نکاح کر دیا' کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟

ج قرآن وسنت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نکاح صحیح ہے اور لڑکی بالغ ہونے کے بعد اس نکاح پر راضی رہے تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر بلوغت کے بعد اس نکاح پر رضامند نہ ہو تو اسے فسخ نکاح کا اختیار ہے' نابالغ لڑکی کے نکاح کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہے

''تمہاری وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اور وہ جنہیں حیض نہیں آیا اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔'' (الطلاق:۴)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے طلاق یافتہ عورتوں کی عدت بیان کی ہے کہ ان طلاق یافتہ عورتوں میں سے جو عمر رسیدہ ہو چکی ہوں اور ان کے ایام ماہواری آنے سے پہلے بند ہو چکے ہوں یا ابھی نابالغ ہیں جن کو حیض بالکل نہیں آیا ان کی عدت تین ماہ ہے۔

ظاہر ہے طلاق نکاح سے پہلے نہیں ہوتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس چیز کا انسان مالک نہیں اس میں طلاق نہیں۔'' (ترمذی ابوداؤد)

امام بخاری نے بھی صحیح البخاری کتاب النکاح میں اس آیت کریمہ سے

استدلال کیا ہے باب نکاح الرجل ولدہ الصفار باب نمبر ۳۹)

یعنی آدمی کا اپنی چھوٹی اولاد کا نکاح کرنا اور اس باب میں سورۃ طلاق کی اس آیت کریمہ کو ذکر کرنے کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے چھ سال کی عمر میں نکاح والی حدیث کو لائے ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم یتیم بچیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو دوسری عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں نکاح کر لو خواہ دو عورتوں سے، خواہ تین سے، خواہ چار سے''۔ (النساء:۳)

اس آیت کریمہ کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جن کی زیر ولایت یتیم بچوں کا جان و مال ہے، اس آیت کریمہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اگر انصاف وعدل کا یقین ہو تو ان اولیاء کو نابالغہ یتیم بچیوں سے نکاح کر لینا درست ہے لہٰذا باپ کا اپنی نابالغ بچی کا نکاح کر دینا بدرجہ اولیٰ جائز ٹھہرا۔ علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں چھوٹی یتیم بچی کے نکاح کے جواز کی دلیل ہے اور لڑکی بلوغت کے بعد اگر اس نکاح کو قائم نہ رکھنا چاہے تو اسے فسخ نکاح کا حق حاصل ہے ۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اس نے بیان دیا کہ اس کے باپ نے اس کی شادی کر دی ہے اور وہ ناپسند کرتی ہے تو نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (ابوداؤد، احمد، ابن ماجہ) پس معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی کو بعد از بلوغت فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں فتاویٰ محدث شمس الحق عظیم آبادی رحمتہ اللہ علیہ۔

بالغ لڑکی کا نکاح

س بعض اوقات والدین لڑکی کی شادی اس کی تعلیم کی غرض سے لیٹ در لیٹ کر دیتے ہیں جبکہ لڑکے کی طرف سے شادی کا مطالبہ بھی ہوتا ہے یا ابھی لڑکی کا رشتہ طے نہیں ہوا لیکن والدین اس کے بالغ ہونے کے بعد صرف دنیاوی تعلیم کی غرض سے

شادی میں تاخیر کر دیتے ہیں اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

ج جس کسی کے ہاں لڑکی بالغ ہو جائے اور اس کا مناسب رشتہ مل رہا ہو تو پھر اس کی شادی میں تاخیر کرنا شرعی احکامات کی صریح خلاف ورزی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تمہارے پاس ایسا آدمی پیغام نکاح لے کر آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس کو نکاح دے دو''۔ (ابن ماجہ کتاب النکاح)

نکاح کی تاکید میں آپ نے ایک اور موقعہ پر فرمایا: ''اے نوجوانوں کی جماعت' جو تم میں سے نکاح کی طاقت رکھے وہ شادی کرے اس لئے کہ شادی نگاہ کو پست کرنے والی اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والی ہے۔'' (متفق علیہ)

مسلمان والدین کو چاہئے کہ وہ درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا بہانہ بنا کر شادی سے انکار نہ کریں۔ یونیورسٹی کی سطح پر اعلیٰ تعلیم کا حصول عورت کے لئے ضروری نہیں۔ عورت کے لئے اتنا ہی مناسب ہے کہ وہ ابتدائی تعلیم' لکھنا پڑھنا' قرآن مجید' تفسیر وحدیث سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جائے اور اگر مزید تعلیم کی ضرورت ہو تو وہ اپنے شوہر سے اجازت لے کر تعلیم حاصل کر سکتی ہے یا شادی سے قبل حصول تعلیم کی شرط لگا سکتی ہے۔ ہمارے ماحول میں سکولز و کالجز اور یونیورسٹیز کے طلباء و طالبات کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہیں۔ عشق معاشقے کی داستانیں تو عام ہیں اولادیں والدین کی نگرانی سے نکل کر معاشرتی بگاڑ کا باعث بن چکی ہیں۔ بجائے اس کے کہ لڑکیاں اور لڑکے فعل حرام کا ارتکاب کریں ان کا شرعی طریقے سے نکاح کر دینا ہی مناسب اور شریعت کا تقاضا ہے لہٰذا تعلیم کا بہانہ بنا کر شادی سے تاخیر کرنا درست نہیں ہے۔

رضاعی رشتے

س اگر بہن نے اپنے بھائی کو دودھ پلایا ہو تو کیا بھائی کی اولاد سے بہن کی اولاد کی شادی ہو سکتی ہے۔ قرآن وسنت سے وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

ج شریعت اسلامیہ میں جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہیں جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: الرضاعة تحرم ماتحرم الولادة رضاعت وہ رشتے حرام کرتی ہے جو رشتے ولادت حرام کرتی ہے۔

(بخاری مع الفتح ۹/۱۴۰، مسلم ۱۴۴۴)

یعنی جس طرح سگی ماں، بہن، بیٹی، بھتیجی، بھانجی، پھوپھی اور خالہ حرام ہیں اس طرح یہ رضائی رشتے بھی حرام ہیں لہٰذا جس شخص نے اپنی بہن کا دودھ پیا ہو، بہن کی اولاد اس شخص کے بھائی بہن ہوں گے اور اس شخص کی اولاد کے چچا اور پھوپھیاں ہوں گے جن کا باہمی نکاح حرام ہے۔

صورت مذکورہ میں تو سگے باپ کا رضائی بھائی مذکورہ شخص کی اولاد کا چچا لگتا ہے خیر القرون میں ایسی مثال ملتی ہے کہ رضائی باپ کا بھائی جو کہ دودھ پینے والی لڑکی کا چچا لگتا ہے اس کے ساتھ مذکورہ لڑکی کا نکاح حرام ٹھہرا جیسا کہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ابوالقعیس کے بھائی افلح نے حجاب کے نزول کے بعد میرے پاس آنے کی اجازت مانگی۔ میں نے کہا اسے اتنی دیر تک اجازت نہیں دوں گی۔ جب تک کہ اس کے بارے میں نبی ﷺ سے اجازت طلب نہ کرلوں۔ اس لئے کہ اس کے بھائی ابوالقعیس نے مجھے دودھ نہیں پلایا بلکہ مجھے ابوالقعیس کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے کہا یا رسول اللہ! ابوالقعیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی میں نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا تاکہ میں آپ سے دریافت کرلوں تو نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے اجازت دینے سے کیا چیز مانع ہے وہ تیرا چچا ہے میں نے کہا یا رسول اللہ! یقیناً مرد نے مجھے دودھ نہیں پلایا بلکہ ابوالقعیس کی بیوی نے مجھے دودھ پلایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اسے اجازت دے دے اس لئے کہ وہ تیرا چچا لگتا ہے۔ عروہ راوی حدیث کہتا ہے کہ اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھی۔ حَرِّمُوا مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا تُحَرِّمُوْنَ مِنَ النَّسَبِ جو رشتے نسب سے حرام سمجھتے ہو وہی

رشتے رضاعت سے حرام سمجھو۔ (بخاری مع الفتح ۸/۵۳۱، مسلم ۲/۱۰۷)

مذکورہ بالا مفصل حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح نسب سے رشتے حرام ہوتے ہیں اسی طرح رضاعت سے بھی حرام ہوتے ہیں۔

بڑی عمر میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی

س اگر کوئی شخص غلطی سے اپنی اہلیہ کا دودھ پی بیٹھے تو کیا ان کا میاں بیوی والا رشتہ قائم ہے یا کہ ختم ہو جاتا ہے۔ (ابو علی گجرات)

ج یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میں نے اپنی اہلیہ کا دودھ چوس لیا ہے وہ میرے پیٹ میں چلا گیا ہے تو ابو موسیٰ اشعری نے کہا میں سمجھتا ہوں وہ تجھ پر حرام ہو چکی ہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس آدمی کو جو فتویٰ دے رہے ہو اس پر غور کرو؟ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کیا کہتے ہیں؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رضاعت صرف وہی ہے جو دو سالوں میں ہو۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک یہ عالم تم میں موجود ہے تم مجھ سے کسی چیز کے بارے سوال نہ کرو۔ (الموطا للمالك كتاب الرضاع (١٤) مسند احمد ١/٤٣٢ ارواء الغليل ٧/٢٢٣، ٢٢٤)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ حرمت رضاعت جس مدت میں ہوتی ہے وہ دو سال تک ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے بھی تین مقامات پر اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہے لہٰذا بڑی عمر میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی مرد پر عورت حرام ہوئی ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فقیہ امت کا فتویٰ قرآن حکیم کے بالکل مطابق ہے اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی تائید کر دی ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ مرد کے لیے عورت کا دودھ نہیں ہے بلکہ عورت کے بچوں کے لیے کتاب وسنت کی نصوص سے ماں کا دودھ بچوں کے لیے ہی ثابت ہوتا ہے۔

عورت کے حقوق

س عام طور پر مجلات و رسائل میں عورت کے ذمہ جو واجبات ہیں انہیں ہی بیان کیا جاتا ہے کیا مردوں پر ان کی بیویوں کے کوئی حقوق نہیں کتاب و سنت کی رو سے واضح کریں۔ (ایک سائلہ)

ج اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح مردوں کے حقوق رکھے ہیں اسی طرح خواتین کے بھی حقوق بیان کئے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں تو عورت پر بے شمار قسم کے مظالم روا رکھے جاتے تھے۔ عورت کو زندہ دفن کیا جاتا۔ وراثت سے محرومی' نا انصافی وغیرہ بیماریاں عام تھیں اللہ نے عورت کو قعر مذلت سے نکال کر انصاف پر مبنی حقوق سے اسے نوازا اور مرد کو حسن معاشرت کا حکم صادر کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ (النساء:۱۹)

''بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

(البقرہ:۲۲۸)

''اور عورتوں کا (مردوں پر) ویسا ہی حق ہے جیسا دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔''

ان آیات بینات سے واضح ہوا کہ خواتین کے بھی اسی طرح حقوق ہیں جیسے مردوں کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ ایمان والوں میں سے کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو اور تم میں سے اچھے وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لئے اچھے ہیں اور مزید فرمایا میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب میں سے اچھا ہوں۔ (ترمذی وغیرہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن مرد

مومنہ عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس سے ایک عادت کو ناپسند کرے گا تو دوسری عادت سے راضی ہو جائے گا۔ (مسلم)

معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ہماری بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم کھانا کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ اور جب تم لباس پہنو تو اسے بھی پہناؤ چہرے پر نہ مارو اور برے طریقے سے پیش نہ آؤ اور تم اسے سوائے گھر کے نہ چھوڑو۔ (احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ)

مذکورہ بالا نصوص صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ خواتین کے بھی مردوں پر حقوق ہیں جو مرد اپنی خواتین سے ناروا سلوک کرتے ہیں۔ ان کے لباس خوراک اور گھر کا خیال نہیں رکھتے ان سے حق معاشرت کی بجائے گالی گلوچ سے پیش آتے ہیں انہیں عذاب الٰہی سے ڈر جانا چاہئے اگر ایک عورت اپنے شوہر کی وفادار ہے اور اپنے بستر پر اس کی غیر موجودگی میں کسی غیر کو داخل نہیں ہونے دیتی اور اس کے بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے تو مرد کا بھی حق ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ وقت گزارے اس کے دکھ درد میں شریک ہو اچھے لوگ وہی ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھ کر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں بہت سے مرد ایسے ہیں جو حقوق الناس سے یکسر غافل ہیں قیامت والے دن جہاں حقوق اللہ کا سوال ہو گا وہاں حقوق الناس کے بارے بھی پوچھ گچھ ہو گی اللہ تعالیٰ صحیح عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

شادی سے پہلے کوئی شرط عائد کرنا

س: شادی کے طے کرتے وقت اگر کوئی ایسی پابندی عائد کی جائے جو خلاف شرع ہو جیسے عورت کہے کہ شادی تب کروں گی مجھے خاوند شادی کے بعد دینی تعلیم حاصل کرنے سے نہیں روکے گا تو کیا ایسی شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔

ج: نکاح منعقد کرتے وقت شرع کے مطابق اگر کوئی پابندی ہو تو اس کو پورا کرنا چاہئے کیونکہ مسلمان اپنی شرائط اور عہود کو پورا کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ

جن شروط کے ذریعے تم شرم گاہوں کو حلال کرتے ہو ان کو پورا کرنا زیادہ لائق و مناسب ہے۔ (متفق علیہ)

لہٰذا اگر عورت کی طرف سے نکاح کے وقت یہ پابندی لگائی گئی کہ وہ شادی کے بعد دینی تعلیم حاصل کرے گی اور خاوند نے اس شرط کو قبول کیا تو نکاح کے بعد مرد کو چاہئے کہ وہ عورت کی اس شرط کو پورا کرے اور دینی تعلیم کے حصول میں اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے۔ اگر خاوند غفلت کرے یا مانع ہو عورت اس کو اس بات کی طرف توجہ دلائے اور خیر خواہی کے جذبے سے اسے سمجھائے اور اپنا حق اور شرط حاصل کرلے۔

برادری ازم اسلام میں نہیں ہے

س کیا شادی کرتے وقت اپنے خاندان کا لحاظ ضروری ہے یا کہ خاندان سے باہر نکل کر بھی شادی کی جاسکتی ہے۔ ہمارے ہاں اکثر برادری ازم کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اس کی کیا شرعی حیثیت ہے۔

ج رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث میں ہے کہ عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔

1. اس کے مال کی وجہ سے۔
2. حسب ونسب کی وجہ سے۔
3. خوبصورتی اور جمال کی وجہ سے۔
4. دین کی وجہ سے۔

آپ نے صحابی رضی اللہ عنہ سے کہا تو دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہو جا۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ (متفق علیہ)

لہٰذا کسی عورت سے شادی کا پروگرام طے کرتے وقت اس کی دینداری کو اہمیت دینی چاہئے عورت جتنی دیندار، عقیدہ وعمل کی صحیح ہوگی اتنا ہی انسان کی زندگی میں سکون واطمینان ہوگا۔ اس کا تعلق خواہ قریبی رشتہ داروں سے ہو یا دور کے رشتہ داروں

سے اپنوں سے ہو یا بیگانوں سے' ترجیح دین کو ہونی چاہئے کیونکہ دین دار عورت اس کے گھر' اولاد اور مال کی محافظ ہو گی اور اگر صرف خوبصورتی مدنظر ہو تو وہ جنسی حاجت ہی پوری کرے گی مال دار عورت اور حسب ونسب والی اپنی حکمرانی اور چوھدراہٹ خاندانی جاہ وجلال کی بناء پر مغرور اور متکبر ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر دیندار بھی ہو اور خوبصورت مال وزر والی بھی ہو اپنے مال ومتاع کو دین کے لئے قربانی کرنے والی ہو تو نور علی نور ہے الغرض رشتہ ڈھونڈتے وقت ہمیشہ دین داری' ایمان' تقویٰ اور حجاب و پردہ جیسے امور کو مدنظر رکھنا چاہئے یہ اوصاف جس بیوی میں ہوں اس سے نکاح کریں خواہ وہ قریبی ہو یا اجنبی۔

زبردستی کا نکاح درست نہیں

س اگر لڑکی نے قرآن مجید حفظ کیا ہو اور کتب ستہ پڑھی ہوں اور لڑکا ان پڑھ اور جاہل ہو لڑکی رشتہ پر رضا مند نہ ہو والدین زبردستی نکاح کرنا چاہیں تو کیا زبردستی کرنا شرعی طور پر درست ہے۔ (اخت اسلامیہ)

ج جس طرح شریعت میں نکاح کے طے کرتے وقت ولی کا ہونا از حد ضروری ہے اسی طرح لڑکی کی رضا مندی حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ عورت کا نکاح اس کا امر حاصل کئے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت حاصل کئے بغیر نہ کیا جائے آپ سے کہا گیا اس کا اذن کیا ہے آپ نے فرمایا چپ رہنا اس کا اذن اور اجازت ہے۔ (بخاری مسلم وغیرھما)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ کنواری بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت حاصل کر کے کیا جائے اور بیوہ یا مطلقہ کا نکاح اس کے امر سے کیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتی ہے تو نبی ﷺ نے اسے اختیار دے دیا۔

(ابوداود ۲۰۹۶ صحیح ابن ماجہ ۲/ ۱۲۷)

اس حدیث کی شرح میں علامہ احمد حسن دھلوی فرماتے ہیں یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باپ کے لئے حرام ہے کہ وہ اپنی کنواری بیٹی کو نکاح پر مجبور کرے تو باپ کے علاوہ لڑکی کے اولیاء اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے جبر اور سختی کرنے کی بالاولیٰ ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ (تنقیح الدواۃ ۳/۱۰)

لہٰذا والدین کو ایک تو چاہئے کہ اپنی دیندار بچیوں کے لئے دیندار رشتوں کا انتخاب کریں اور دوسرے نمبر پر اپنی بالغ اولاد سے نکاح پر اجازت بھی حاصل کریں زبردستی نکاح کرنے سے گریز کریں زبردستی کا کیا ہوا نکاح بعد میں اکثر و بیشتر والدین کے لئے پریشانی کا سبب بن جاتا ہے۔



کتاب الطلاق



ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿الطلاق مرتن فامساك بمعروف او تسريح باحسان ولا يحل لكم ان تاخذوا مما اتيتموهن شياء ......﴾

[البقرہ: ۲۲۹]

''طلاق دو مرتبہ ہے پس عورت کو یا تو شائستگی واچھے طریقے سے روک لینا ہے یا احسان کرتے ہوئے چھوڑ دینا ہے اور تمہارے لیے حلال نہیں کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ لو۔''

ایک مجلس کی تین طلاقیں

﴿س﴾ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دینی تھی اس کے لئے وہ وثیقہ نویس کے پاس گیا اور اسے طلاق نامہ لکھنے کے لئے کہا' اس نے اشٹام پیپر پر تین طلاقیں لکھ دیں یعنی میں تجھے طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں' آدمی ان پڑھ تھا' اس کا مقصود صرف طلاق دینا تھا اس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے' کتاب وسنت کی رو سے رہنمائی فرمائیں۔

﴿ج﴾ جب عورت اور اس کے شوہر کے حالات کشیدہ ہو جائیں اور مرد طلاق دینا چاہے تو خواہ وہ ان پڑھ ہو یا پڑھا لکھا طلاق کا کلمہ زبان سے ادا کرے یا لکھ دے' یا کسی سے لکھوا کر اس پر دستخط یا انگوٹھا لگوا دے تو وہ طلاق ہو جاتی ہے' اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ تین بار طلاق کا لفظ لکھنے یا ایک مجلس کی اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی واقع ہوتی ہے جس میں مرد دوران عدت رجوع کر سکتا ہے اور عدت گزر جانے پر نئے نکاح کے ساتھ اکٹھے ہو سکتے ہیں بشرطیکہ طلاق دینے کا یہ پہلا یا دوسرا موقع ہو' کتاب وسنت میں اس پر بہت سارے دلائل موجود ہیں چند ایک واقعات ہدیہ کے طور پر قارئین کو پیش کیے جاتے ہیں:

❶ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت اور عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو سالوں میں ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں' اس کے بعد لوگوں نے اس مسئلہ کے بارے میں جلد بازی سے کام لیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کاش ہم ان پر تینوں لاگو کر دیں تو انہوں نے تینوں لاگو کر دیں۔ (صحیح مسلم' مسند احمد' مستدرک حاکم' مصنف عبدالرزاق)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مجلس واحد کی اکٹھی تین طلاقیں عہد رسالت مآب میں ایک طلاق شمار ہوتی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ سے شرح ملتقی الأبہر' جامع الرموز' حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار میں لکھا ہے کہ صدر اسلام میں جب اکٹھی تین طلاقیں دی

جاتی تھیں تو ان پر ایک طلاق کے وقوع کا حکم لگایا جاتا تھا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے سیاسی اور تھدیدی طور پر تین کا نفاذ کیا۔ فقہ کی ان محولہ کتب سے بھی معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ سیاسی اور تھدیدی تھا اصل شرعی فیصلہ وہی تھا جو دورِ رسالت میں بلکہ خود عہد عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی سالوں میں نافذ تھا۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ کو تین طلاقیں اکٹھی دے دیں پھر وہ اس پر بڑے رنجور و مغموم ہوئے جب رسول اللہ ﷺ کے پاس معاملہ پہنچا تو آپ نے بلا کر دریافت کیا کہ تم نے طلاق کیسے دی تھی؟ انہوں نے کہا میں نے ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دی تھیں آپ نے فرمایا یہ تو ایک ہی طلاق ہے اگر چاہو تو رجوع کر لو چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔

(مسند احمد' مسند ابی یعلی' فتح الباری' اغاثۃ اللھفان)

اس حدیث کے متعلق فتح الباری شرح صحیح البخاری ۹/۳۶۲ کتاب الطلاق میں لکھا ہے کہ یہ حدیث تین طلاق کے مسئلہ میں نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں طلاق دھندہ کو دورانِ عدت رجوع کرنے کا مکمل حق حاصل ہے اور اگر عدت گزر چکی ہے تو از سرنو نکاح کیا جائے گا جس میں نئے مہر کا تعین' ولی کی اجازت' عورت کی رضا مندی اور دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے جو لوگ تینوں طلاقیں نافذ کر کے حلالہ کا دروازہ دکھاتے ہیں انہیں اپنے غیور رسول ﷺ کا یہ ارشاد یاد رکھنا چاہیے کہ حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے پر اللہ کی پھٹکار و لعنت ہو۔ (بیہقی' نسائی' ابن ماجہ وغیرھا)

حالت حمل میں طلاق

(س) ایک شخص نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی اور بیوی حالت حمل میں تھی چار ماہ بعد بچہ پیدا ہوا تقریباً ایک سال سے اوپر عرصہ گزر چکا ہے اب میاں بیوی صلح کرنا چاہتے ہیں کیا کوئی گنجائش شریعت میں موجود ہے؟

ج حالت حمل میں دی گئی طلاق واقع ہوتی ہے اور وضع حمل سے پہلے مرد کو رجوع کا حق ہوتا ہے بشرطیکہ طلاق دھندہ کی پہلی یا دوسری طلاق ہو اور عدت گزر جانے پر نکاح ختم ہو جاتا ہے صورت مذکورہ میں عدت کے اندر صلح نہیں ہوگی لہٰذا یہ طلاق واقع ہو کر مؤثر ہو چکی ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو حیض کی حالت میں طلاق دے ڈالی عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرے پھر اسے طہر یا حمل کی حالت میں طلاق دے''۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حالت حمل میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ ارشاد باری ہے: ''اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے وضع حمل تک ہے''۔ (الطلاق)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے لہٰذا یہ طلاق موثر ہو چکی ہے اور نکاح ختم ہو گیا ہے اور اگر طلاق دھندہ کی پہلی یا دوسری طلاق ہے تو دوبارہ نکاح کے ذریعے اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واکمل۔

دورانِ حیض طلاق دینا

س کیا دوران حیض دی گئی طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں قرآن وسنت کی رو سے واضح فرمائیں۔ (محمد رفیق مغل ڈھوک الٰہی بخش عمر روڈ راولپنڈی)

ج قرآن وسنت کی رو سے دوران حیض دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر جمہور آئمہ محدثین رحمہم اللہ اجمعین کا یہی موقف ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی اور وہ حالت حیض میں تھی عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

((مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا)).

اسے حکم دو کہ وہ اس سے رجوع کرلے پھر اسی حالت میں رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے' پھر حائضہ ہو پھر پاک ہو جائے پھر اگر چاہے تو اس کے بعد روک

لے اور اگر چاہے تو چھونے سے پہلے طلاق دے ڈالے یہ وہ عدت ہے جس میں اللہ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ (صحیح البخاری (۵۲۰۱۸) صحیح مسلم)

جمہور ائمہ محدثین کے ہاں محل استدلال اس حدیث میں " مرہ فلیراجعها " کے الفاظ ہیں کہ آپ نے رجوع کا حکم دیا اور رجوع تبھی ہوتا ہے جب طلاق شمار کی گئی ہو چونکہ رجوع کا شرعی معنی یہی ہے۔ شرعی معنی کو لغوی معنی پر مقدم کیا جاتا ہے اسی طرح نافع بن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ ''ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی اور وہ حائضہ تھی تو عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے یہ بات بیان کی تو آپ نے اسے ایک طلاق قرار دیا۔

(مسند طیالسی ٦٧' دارقطنی ۳۸٦٧' بیہقی ۷/ ۳۲٦' فتح الباری ۹/ ۳۰۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''یہ حدیث حائضہ عورت کی طلاق میں جو اختلاف ہے اس پر نص ہے اس کی طرف لوٹنا واجب ہے''۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے سالم (نسائی ۳۳۹۱' مسند احمد ۱۴۱ ٦' مسلم ۱۴۷۱) یونس بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (صحیح البخاری ۵۲۵۲ صحیح مسلم ۱۱/ ۱۳۰۱) سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (صحیح البخاری ۵۲۵۳' تغلیق التعلیق ۴/ ۴۳۴) عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ (بیہقی ۷/ ۳۲٦' دارالقطنی ۳۸۷۳) نے طلاق کے واقع ہونے کا ذکر کیا ہے۔ گویا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے چھ ثقہ راویوں نے طلاق کے واقع ہونے کا ذکر کیا ہے صرف ابوداؤد وغیرہ میں ابوالزبیر کی روایت میں "لم یرھا شیئا" کے الفاظ موجود ہیں جو کہ طلاق کے عدم وقوع میں صریح نہیں ہیں امام شافعی' امام خطابی وغیرہما کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے درست طریقہ نہیں سمجھا۔ درست یہ تھا کہ حالت طہر جس میں جماع نہ کیا ہو اس میں طلاق دیتے یہ مطلب نہیں کہ اسے طلاق شمار نہ کیا کیونکہ چھ ثقہ راویوں کی روایت میں طلاق کے واقع ہونے کی صراحت ہے لہذا یہی بات صحیح اور درست ہے ایک تو اس کے راوی کثیر اور اوثق ہیں۔ دوسرے نمبر پر اس میں طلاق کے واقع ہونے کی صراحت ہے جبکہ دوسری جانب صرف ابوالزبیر کی روایت ہے اور وہ بھی واضح نہیں۔

غصہ میں طلاق

س ایک آدمی نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی جب شوہر سے کہا گیا کہ تم نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے غصہ کی وجہ سے کچھ یاد نہیں ہے اور بیوی بھی کہتی ہے کہ میں اس وقت بے ہوش تھی مجھے پتہ نہیں اس نے کیا کہا۔ شوہر حلفیہ بیان دینے کو تیار ہے کہ اس کے ہوش وحواش حاضر نہ تھے اور غصہ میں پتہ نہیں کیا کہا ہے کیا ایسے وقت میں طلاق ہو جاتی ہے؟

ج اگر شوہر کا یہ بیان درست ہے اور وہ حلف دیتا ہے کہ اس نے غصہ میں پتہ نہیں کیا کہا ہے تو ایسی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اسے اصطلاح فقہاء میں ''طلاق الغضبان'' کہتے ہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق'' یعنی اغلاق کی حالت میں نہ طلاق اور نہ ہی غلام و لونڈی کا آزاد کرنا۔ (مسند احمد ۲۵۶/۶ ابوداؤد ۲۱۹۳ ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ' دار قطنی' حاکم' بیہقی)

امام ابوداؤد اغلاق کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں اس سے مراد غصہ ہے اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں اغلاق کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا دل اس طرح معلق ہو جائے کہ وہ کلام کا علم و ارادہ نہ کر سکے اس میں مکرہ' مجنون اور جس کی عقل نشہ یا غصے کی وجہ سے زائل ہو چکی ہو سب کی طلاق داخل ہے جو مقصد و ارادہ کھو بیٹھیں اور ہوش نہ ہو اور یہ نہ سمجھ سکیں کہ ان کی زبان سے کیا نکلا ہے اور امام ابن القیم نے فرمایا کہ غصہ کی تین قسمیں ہیں ایک وہ غصہ جو عقل کو زائل کر دے اور غصے والے کو یہ شعور نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ایسے شخص کی طلاق بلا اختلاف واقع نہیں ہوگی۔ (زاد المعاد ۲۱۴/۵)

لہٰذا اگر بات واقعی اسی طرح ہے جیسے شوہر حلفاً کہتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ظہار کا کفارہ

﴿س﴾ سورۃ مجادلہ میں خاوند اگر اپنی بیوی سے ظہار کر لے تو اس کا کفارہ موجود ہے لیکن اگر عورت اپنے خاوند کو غلطی سے بھائی کہہ دے تو اس کا کیا کفارہ ہے۔

(ابوطلحہ عبید الرحمان السلفی ڈسکہ)

﴿ج﴾ مرد جب اپنی اہلیہ کو ماں سے تشبیہ دے ڈالے تو اسے شرعاً ظہار کہتے ہیں اس کا کفارہ سورۃ مجادلہ میں ذکر ہوا ہے بتایا گیا ہے کہ ظہار کرنے والا اہلیہ کو چھونے سے قبل ایک غلام آزاد کرے اگر غلام نہ پائے تو چھونے سے پہلے دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کے لئے کھانا دے اور احادیث میں بھی ظہار کا کفارہ مرد پر ہی ہے۔ عورت اگر مرد کو غلطی سے یا جان بوجھ کر بھائی کہہ دے تو اس پر کوئی کفارہ شرعی طور پر نہیں ہے۔ البتہ اپنی غلطی پر استغفار کرے۔

غیر مدخولہ کی طلاق

﴿س﴾ میری شادی آج سے تقریباً ساڑھے تین سال پہلے مسماۃ بسمل دختر عبدالھادی کے ساتھ ہوئی صرف نکاح ہوا رخصتی نہیں ہوئی دو تین دن پہلے میں نے اپنے جذبات پر قابو نہ پاتے ہوئے اپنے گھر والوں کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق کے الفاظ ادا کر دیئے پھر اس دن اپنی بیوی کے گھر جا کر اپنی ساس کے سامنے بھی طلاق کے لفظ ادا کئے اس عرصے کے دوران میں اپنی بیوی کے گھر بھی جاتا تھا ایک دن ہم اس طرح لیٹے کہ بدن پر کپڑے موجود تھے اور انزال نہیں ہوا اس پر بھی شرمندگی ہوئی قرآن سنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی کریں۔

(عطاء اللہ خاں ولد حاجی میر باچا ساکن R-10 ڈیفنس ویو فیز نمبرا کراچی)

﴿ج﴾ ایسی عورت جسے خاوند نے جماع سے پہلے طلاق دے دی ہو اس پر کوئی عدت نہیں ہوتی وہ عدت گزارے بغیر عقد ثانی کر سکتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں چھونے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو۔" (الاحزاب:۳۳/۴۹)

لہٰذا جب غیر مدخولہ عورت کو طلاق دی جائے تو عدت گزارے بغیر وہ نکاح ثانی کر سکتی ہے صورت مسئول میں عطاء اللہ خاں نے جو اپنی غیر مدخولہ کو طلاق دی ہے یہ طلاق واقع ہو چکی ہے لیکن اگر یہ دوبارہ آپس میں تعلقات بحال رکھنا چاہیں تو نیا نکاح پڑھوا سکتے ہیں ان کی ایک طلاق واقع ہوئی ہے۔

طلاق کے بعد رجوع

س ایک سال پہلے میں نے گھر میں لڑائی جھگڑا کے دوران اپنی بیوی کو غصے کے حالت میں تین مرتبہ طلاق دے دی۔ تین دن کے بعد میں پھر چلا گیا واقعہ کے بعد ڈیڑھ ماہ میں برادری کے چند افراد کے ساتھ میں نے دوبارہ رجوع کر لیا کیا اب ہمارا نکاح باقی ہے یا نہیں۔ نیز حلالہ کی ضرورت ہے یا نہیں۔

(ڈاکٹر محمد عارف' میڈیکل سنٹر عبدالحکیم ضلع خانیوال)

ج صورت مسئولہ میں ایک طلاق رجعی ہے جس میں دوران عدت صلح ہو سکتی ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم' مسند احمد' مستدرک حاکم اور مصنف عبدالرزاق میں حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک اکٹھی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوتی تھی اور مسند احمد' مسند ابی یعلی میں رکانہ والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دے دیں پھر اس پر غم زدہ ہوئے آپ نے رجوع کا امر فرمایا تو انہوں نے رجوع کر لیا لہٰذا یہ ایک طلاق رجعی ہے جس میں آپ نے عدت کے اندر صلح کر لی ہے۔ آپ کا نکاح صحیح ہے حلالے کی قطعاً حاجت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت کی ہے۔

جیسا کہ ابن ماجہ باب المحلل والمحلل لہ مسند احمد ترمذی وغیرہ میں صحیح حدیث موجود ہے۔

اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں حلال کرنے والے کو ادھار سانڈھ قرار دیا گیا ہے لہٰذا اس فعل حرام سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے۔



کتاب البیوع

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ((یأتی علی الناس زمان لا یبالی المرء ما أخذمته أمن الحلال أم من الحرام))

[صحیح البخاری ۲۰۵۹– مشکوة ۲۷۶۱]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی پرواہ نہیں کرے گا کہ جو اس نے مال ومتاع لیا ہے وہ حلال میں سے ہے یا حرام سے۔''

ایک چیز کی نقد اور ادھار میں علیحدہ علیحدہ قیمت مقرر کرنا

﴿س﴾ اگر کوئی آدمی ایک چیز ۱۰۰ روپے میں دیتا ہے اور اگر اس سے ادھار مانگ لیا جائے تو دکاندار وہی چیز ۱۲۰ روپے میں دیتا ہے کیا ایسا کاروبار اسلام کی روشنی میں جائز ہے؟

(۲) اگر کسی دکاندار سے کوئی چیز لی جائے اور وہ دکاندار اگر ایک مہینے کے لئے گاہک کو ادھار دیتا ہے تو مثال کے طور پر پانچ روپے زائد لیتا ہے اور اگر مہینہ گزر جائے تو گاہک وہ رقم واپس نہ کرے تو وہ مزید پانچ روپے ساتھ اضافہ کر دیتا ہے اور رقم کی ادائیگی نہ ہونے تک اسی طرح اضافہ کرتا رہتا ہے ایسا کاروبار کرنے والے گاہک اور دکاندار کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(محمد حسنین کیشیئر خطیب الرحمان مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ)

﴿ج﴾ اشیاء کی خرید وفروخت میں ادھار کی صورت میں جو ساتھ رقم بڑھا دی جاتی ہے یہ سود ہے خواہ صرف ایک بار بڑھائی جائے یا ہر ماہ گزرنے پر اضافہ کیا جائے۔ یہ ناجائز وحرام ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من باع بيعتين في بيعة فله او كسهما او الربا))

(ابن ابی شیبہ' ابوداؤد' ابن حبان)

جو شخص کسی چیز کی دو قیمتیں مقرر کرے گا یا تو وہ کم قیمت لے گا یا پھر وہ سود لے گا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک عقد میں دو معاملے کرنا سود ہے (اور ایک عقد میں دو معاملے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ) ایک آدمی کہے اگر تم نقد لو گے تو اتنے میں اور اگر ادھار لو گے تو اتنے میں اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا ایک سودے میں دو معاملے کرنا حلال نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے' کھلانے والے' اس کے دونوں گواہوں اور لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔

(ابن حبان ۸/۲۴۲)

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ ادھار کی صورت میں رقم بڑھانا سود ہے لہٰذا ایسا کاروبار کرنا درست نہیں یہ سود لینا اور دینا ہے اور لعنت کا حق دار بننے کے مترادف ہے لہٰذا دکاندار اور گاہک کو ایسے معاملات سے مکمل پرہیز کرنا چاہیے۔

انشورنس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر

س انشورنس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر تحریر فرمادیں۔

(عبدالرحیم سیال محلہ ٹھٹی مشرقی جھنگ روڈ چنیوٹ)

ج بیمہ پالیسی مطلق طور پر ناجائز اور حرام ہے خواہ زندگی کا بیمہ ہو یا مکان اور گاڑیوں کا کیونکہ یہ جوئے اور سود کا مرکب ہے۔

❶ یہ اپنی اصل وضع میں جوئے اور سود کا مرکب ہے اور یہ دونوں اسلام میں حرام ہیں اگر مقررہ مدت سے پہلے بیمہ دار کی موت یا املاک کا نقصان ہو جائے تو کمپنی کو نقصان ہوتا ہے اگر وہ پوری قسطیں جمع کرادے تو کمپنی کو فائدہ ہوتا ہے اور یہ بات کسی کو بھی معلوم نہیں کہ قسطیں پوری ادا ہوسکیں گی یا نہیں اور سود اس لیے ہے کہ بیمہ دار اگر پوری قسطیں جمع کرادے تو اسے اس کی جمع شدہ رقم کے ساتھ سود دیا جاتا ہے قرآن حکیم کہتا ہے۔"فلکم رؤوس اموالکم" تمہارے لیے تمہارا اصل مال ہے۔

❷ بیمہ سے وراثت کا نظام شرعی ختم ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ بیمہ کی رقم بیمہ دار کے مرنے کے بعد اس کے نامزد کردہ شخص ہی کو ملے گی جبکہ ہر شرعی وارث ترکہ کا حقدار ہوتا ہے جو کام کتاب وسنت کے نظام کو درہم برہم کردے وہ جائز کیسے ہوسکتا ہے۔

❸ عقیدہ تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے کہ جائز اور شرعی اسباب و وسائل بروئے کار لائے جائیں اور مستقبل میں پیش آنے والے حالات اللہ کے سپرد کردیے جائیں جبکہ بیمہ اس سے فرار کی راہ بتلاتا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے سے حالات وحوادث کی پیش بندیاں ناجائز طریقوں سے کررہے ہوتے ہیں۔

❹ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم بھی اس دنیا میں رہ چکے ہیں ان کی

اولادیں' جائداد و املاک بھی تھیں۔ انہوں نے ایسے ناجائز تحفظات کا اہتمام نہیں کیا۔

بیمہ کمپنیوں والے یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بیمہ دار نفع نقصان میں شریک ہوتا ہے یہ بات درست نہیں بیمہ کمپنی اگرچہ اس جمع شدہ رقم کے ساتھ تجارت بھی کرتی ہو لیکن وہ اس کے منافع میں سے طے شدہ حصہ بیمہ دار کو دیتے ہیں اور اصل رقم کے علاوہ طے شدہ منافع ہی سود ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ بیمہ کمپنیاں تمام حاصل شدہ سرمایہ آگے سود پر دیتی ہیں کچھ خود کھالیتی ہیں اور کچھ بیمہ دار کے کھاتے میں درج کر دیتی ہیں۔ الغرض بیمہ پالیسی ناجائز اور حرام ہے اس کے جواز کی کوئی دلیل کتاب و سنت میں موجود نہیں۔

وصیت نامہ کی فوٹو کاپی کو فروغ دینا

س میں آپ کو ایک کاغذ بھیج رہا ہوں اس پر مدینہ شریف کے شیخ احمد نے وصیت نامہ بھیجا ہے پڑھ کر بتائیں کہ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔

(سخاوت علی 38/DG ینگ پورا دکاڑہ)

ج یہ وصیت نامہ بالکل جعلی اور جھوٹا ہے سعودی عرب کے بڑے بڑے مشائخ اس کی کئی بار تردید کر چکے ہیں شیخ ابن باز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بالکل غلط قرار دیا۔ اس نام کا مدینہ میں مسجد نبوی کے اندر کوئی آدمی نہیں لوگ اپنے غلط نظریات کا پرچار کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی جعلی پوسٹر' وصیت نامہ وغیرہ شائع کر دیتے ہیں جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اصل دین کتاب و سنت ہے اپنے تمام مسائل کو ان پر پرکھیں اللہ تعالیٰ راہ صواب پر قائم رکھے۔ آمین

تدریس قرآن پر اجرت لینا

س میں بچوں کو قرآن پاک حفظ کرواتا ہوں اور ماہوار تنخواہ لیتا ہوں کیا یہ تنخواہ لینا میرے لئے ناجائز ہے یا جائز ہے کیونکہ ہم نے ایک واقعہ سنا تھا کہ نبی ﷺ کے

پاس ایک صحابی آیا اس کے اوپر ایک چادر تھی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ چادر کہاں سے لی تو اس صحابی نے کہا میں نے قرآن پاک پڑھایا ہے تو اس کے تحفہ کے طور پر ملی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو پسند کرتا ہے کہ یہ چادر قبر میں آگ کی ہو۔

(حافظ محمد اسماعیل مدرسہ جامعہ محمدیہ فقیر والی بہاولنگر)

﴿ج﴾ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ ایک پانی کے پاس سے گزرے۔ ان لوگوں میں سے ایک آدمی کو کسی موذی چیز نے ڈسا ہوا تھا تو اس پانی کے پاس رہنے والے لوگوں میں سے ایک شخص ان کے ہاں آیا اس نے کہا کیا تم میں کوئی دم کرنے والا ہے۔ صحابہ میں سے ایک آدمی چلا گیا تو اس نے سورۃ الفاتحہ بکریوں کے عوض پڑھی وہ تندرست ہو گیا وہ صحابی بکریاں لے کر دیگر صحابہ کی طرف آئے انہوں نے اسے ناپسند کیا اور کہا تم نے اللہ کی کتاب پر اجرت لے لی ہے؟ یہاں تک کہ وہ مدینہ تشریف لائے صحابہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس نے اللہ کی کتاب پر اجرت لی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے زیادہ حق دار شئے جس پر تم اجرت لو وہ اللہ کی کتاب ہے۔ (صحیح البخاری وغیرہ)۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پر اجرت درست ہے اگر کوئی شخص قرآن حکیم کی تعلیم دیتا ہے اور لوگ اس کی خدمت کرتے ہوئے اسے رقم یا اور کوئی چیز دے دیں تو وہ جائز ہے حرام نہیں۔ سوال میں ذکر کردہ چادر والی روایت مجھے معلوم نہیں۔ البتہ اگر کسی آدمی کا گزارہ صحیح ہوتا ہے اور وہ ایسی اجرت نہیں لیتا تو افضل و بہتر ہے۔

عورتوں کے زیر جامہ کی فروخت

﴿س﴾ عورتوں کے انڈر ویئر اور بریسٹ بنیان وغیرہ کا کاروبار کرنا مردوں کے لیے جائز ہے یا نہیں یہ سلائی کرنا یا دکانوں میں بیچنا کیسا ہے؟ مجھے ایک دو آدمیوں نے وہم میں ڈال دیا ہے کہ یہ جائز نہیں؟ (محمد یوسف ولد محمد رفیق وزیر آباد)

﴿ج﴾ جو چیزیں شرع میں عورتوں کے لیے حلال اور جائز ہیں ان کو فروخت کرنا

درست ہے اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تو عورتیں پہنتی ہیں لہٰذا مرد انہیں فروخت نہیں کر سکتے تو اس قاعدے کے مطابق تو عورتوں کے لباس' زیورات' زیب و زینت کی دیگر اشیاء بھی مردوں کے لیے فروخت کرنا منع ہونا چاہیے۔ یہ بات بالکل لغو اور فضول ہے کاروبار اور تجارت کرنا اصل میں مردوں کا ہی کام ہے عورتوں پر گھریلو امور کی ذمہ داری ہے لہٰذا جو اشیاء عورتیں پہنتی ہیں اور شریعت میں ان کی ممانعت نہیں ہے ان کو مرد فروخت کر سکتے ہیں۔ ان کی سلائی' کڑھائی' زیب و زینت کی اشیاء کی تیاری کرنا' خریدنا و بیچنا بالکل جائز و درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

دم کر کے کتابیں فروخت کرنا

س دم کر کے اگر کوئی دعاؤں وغیرہ کی کتابیں پاس رکھی ہوئی ہوں اور جس کو دم کیا ہو اس کو کہا جائے کہ یہ کتابیں خرید کر تقسیم کر دیں تو کیا یہ جائز ہے (ایک سائل)

ج شرکیہ دم کے علاوہ باقی دم تو بالکل جائز ہے اور درست ہے ایسے دم کرنے میں تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں موجود ہے رہا دینی کتب کی فروخت و خرید یا کسی صاحب استطاعت کو توجہ دلانا کہ وہ دینی کتب خرید کر لوگوں میں تقسیم کر دے یہ امور خیر سے ہے اور نیکی کے کاموں میں تعاون ہے جو بالکل جائز و درست ہے۔ البتہ یہ لحاظ ضرور رکھا جائے کہ جو کتاب تقسیم کے لیے کہی جائے وہ کتاب و سنت کی دعوت پر مبنی ہو اس میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی مواد نہ ہو اور دم بھی بالکل جائز تحریر ہوں' شرکیہ دم نہ ہوں۔

سودی کاروبار حرام ہے

س بینک کی چوکیداری کرنا کیسا ہے اور اس ملازمت سے حاصل کی ہوئی کمائی کا کیا حکم ہے؟ (محمد شفیق' اٹک)

ج بینک کی نوکری کرنا درست نہیں اس لئے کہ بینک کا سارا معاملہ سودی کاروبار

پر مشتمل ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

((لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء)). (صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ ۲۸۰۷)

رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب برابر ہیں۔ اس حدیث سے سود کی حرمت واضح ہوتی ہے اور اس کے گناہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ سود لکھنے والے اور گواہ پر لعنت کیوں ہے حالانکہ انہوں نے نہ سود لیا اور نہ سود دیا ہے یہ لعنت میں سود دینے اور لینے والے کے اس لئے برابر ہیں کہ یہ اس معاملہ میں تعاون کر رہے ہیں لہٰذا سودی معاملے پر تعاون کرنے والا بھی برابر کا مجرم ہے۔ اللہ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو"۔ (المائدہ)

بینک کی چوکیداری کرنے والا سودی رقم اور سودی کاروبار کرنے والوں کی حفاظت کر کے گناہ پر تعاون کر رہا ہے لہٰذا اس کی نوکری درست نہیں اور غلط نوکری پر اجرت لینا بھی صحیح نہیں ہے۔



كتاب الحدود



عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اقیموا حدود اللّٰہ فی القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم))

[ابن ماجہ ۲۵٤۰ – مشکوۃ ۳۵۸۷]

''ہر قریب و بعید پر اللہ کی حدود قائم کرو اللہ (کی حدود) کے بارے تمھیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت نہ پکڑے۔''

خودکشی

(س) قرآن وسنت کی روشنی میں بتایئے کہ خودکشی (جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاک کرنا) کس حالت میں یا کس موقع پر جائز ہے' جواب مشکور فرمائیں۔

(وقار حسین جہانگیری کھاریاں)

(ج) خودکشی اسلام میں حرام ہے اور کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے اپنے آپ کو کسی آلے کے ساتھ قتل کیا اسے اس کے ساتھ جہنم کی آگ میں عذاب دیا جائے گا۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی قاتل النفس ۱۳۶۳)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو آدمی گلا گھونٹتا ہے وہ آگ میں بھی اپنے گلے کو گھونٹتا رہے گا جو آدمی اپنے آپ کو نیزہ مارتا ہے وہ آگ میں بھی اس طرح اپنے آپ کو نیزہ مارتا رہے گا۔ (صحیح البخاری ۱۳۶۵)

ان احادیث صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنا اپنے آپ کو ہلاک کرنا اسلام میں حرام ہے آدمی جس آلے کے ساتھ اپنے آپ کو زخمی کرے گا یا ہلاک کرے گا قیامت والے دن جہنم کی آگ میں بھی وہ اسی آلے کے ساتھ اپنے آپ کو مارتا رہے گا۔ لہٰذا حالات جیسے بھی ہوں خودکشی سے اجتناب لازم ہے۔

عزت بچانے کی خاطر خودکشی کرنا

(س) آپ ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے خودکشی کی تو اس کو اسی آلے کے ساتھ قیامت تک عذاب دیا جاتا رہے گا جس کے ساتھ اس نے خودکشی کی تو ایسی عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا جنہوں نے اپنی عزت بچاتے ہوئے اپنی جان ضائع کر دی۔ مثلاً ہم سنتے ہیں کہ قیام پاکستان کے وقت عورتوں نے کنوؤں میں چھلانگ لگا دی کیا کسی بھی صورت میں خودکشی جائز نہیں۔ (ایک سائلہ لاہور)

ج اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرایا اور اپنی جان کو قتل کر ڈالا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں گرتا رہے گا۔ جس نے زہر کے گھونٹ بھر کر اپنے آپ کو مار ڈالا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں اس کے گھونٹ بھرتا رہے گا اور جس نے کسی تیز دھار والے آلے سے اپنے آپ کو قتل کیا اس کا آلہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں اپنے پیٹ کو زخمی کرتا رہے گا۔ (صحیح البخاری کتاب الطب ۵۷۷۸)

جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی کو زخم لگا اس نے (زخم کی تاب نہ لا کر) اپنے آپ کو مار ڈالا اس پر اللہ نے فرمایا: میرے بندے نے جان نکالنے میں مجھ پر جلدی کی میں اس پر جنت کو حرام کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز ۱۳۶۴)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنا گلا خود گھونٹتا ہے وہ جہنم میں بھی اپنا گلا گھونٹتا رہے گا اور جو برچھے یا تیر وغیرہ سے اپنے آپ کو مارتا ہے وہ جہنم میں بھی اسی طرح اپنے آپ کو مارتا رہے گا۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز ۱۳۶۵)

ان احادیث صحیحہ سے تو یہی بات واضح ہوتی ہے کہ خودکشی حرام ہے خودکشی کرنے والے پر اللہ نے جنت حرام کی ہے اور جس طرح اپنے آپ کو مارے گا اسی طرح جہنم میں اسے سزا دی جائے گی۔

صورت مسئولہ میں بظاہر تو یہ بات بڑی اچھی لگتی ہے کہ اپنی عزت بچانے کی غرض سے جان دی گئی ہے لیکن مجھے اس طرح خودکشی کے بارے کوئی حدیث وغیرہ نہیں ملی۔ ہماری جماعت کے معروف ومشہور مفتی اور شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ کا الاعتصام ۷ امئی ۲۰۰۲ء میں ایک فتویٰ طبع ہوا ہے اس کی عبارت درج ذیل ہے۔

"اس قسم کے حالات کے باوجود خودکشی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ خودکشی شدید ترین جرم ہے اس طرح کی جبری صورت میں عورت پر حد قائم نہیں

ہوتی۔ وہ بری الذمہ ہے چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی صحیح میں یہ باب قائم کیا ہے کہ عورت کو جب زنا پر مجبور کیا جائے تو اس پر کوئی حد نہیں لاگو ہوگی۔''

حضرت حافظ صاحب نے جس باب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تو یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری کتاب الاکراہ میں باب نمبر ۶ منعقد کیا ہے۔ اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھے نافع نے خبر دی ہے انہیں صفیہ بنت ابی عبید نے بتایا کہ حکومت کے غلاموں میں سے ایک غلام نے خمس کے حصے کی ایک باندی سے زنا کیا اور اس کے ساتھ زبردستی صحبت کر کے اس کی بکارت زائل کر دی تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسی غلام پر حد جاری کی اور اسے شہر بدر کر دیا اور اس باندی پر حد نہیں لگائی کیونکہ غلام نے اس کے ساتھ زبردستی کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خودکشی سے اجتناب کرنا چاہئے اور اگر کسی عورت سے جبر و اکراہ کی صورت میں بدکاری کی گئی تو وہ عورت اللہ کے ہاں بری الذمہ ہے اس پر کوئی حد و سزا نہیں البتہ مجرموں کو شرعی حد لگائی جائے گی۔ اگر کفار و مشرکین مسلمان خواتین کی عصمت دری کریں اور ان کی عفت و پاکدامنی کو داغ دار کریں تو دوسرے مسلمان بھائیوں پر ان عورتوں کی عفت و عصمت کا بدلہ لینا واجب ہے اگر مسلمان اپنی اسلامی بہنوں کا بدلہ نہیں لیتے تو اللہ کے ہاں جوابدہ ہوں گے۔ جہاد جو دین اسلام کی چوٹی ہے اس کے مقاصد میں سے یہ امر بھی ہے جس سے آج امت مسلمہ چشم پوشی کر رہی ہے اگر جہاد فی سبیل اللہ کو صحیح معنوں میں جاری کر دیا جائے تو مسلمان خواتین کو یہ نوبت پیش نہ آئے۔ افسوس صد افسوس کہ آج اتنی تعداد میں مسلم حکمران، ممالک اور عوام موجود ہیں لیکن جہاد فی سبیل اللہ کے فریضے کو سمجھنے سے عاری ہیں اور اپنی دنیاوی خواہشات اور لذات کے پیچھے لگ کر اس فریضے سے غفلت برت رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں جہاد کو کھڑا کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے اور مسلم خواتین کی عفت و عصمت کو محفوظ فرمائے۔ آمین۔

داماد سے پردہ

س: داماد سے پردہ کا کیا حکم ہے؟

ج: داماد محارم (ان لوگوں میں سے ہے جن کے ساتھ شرعاً شادی جائز نہیں ہے) میں سے ہے، کیونکہ محرمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

''اور تمہاری بیویوں کی مائیں'' (النساء:۲۳)

یعنی حرام ہیں، اور یہ اہل علم کا اجماعی مسئلہ ہے، مذکورہ آیت کی رو سے بیوی کی ماں، اس کی دادی اور نانی .... اس کے .... خاوند کے لیے حرام ہیں۔ لہٰذا ساس کے لیے داماد سے پردہ نہیں ہے وہ اپنے داماد کے ساتھ کھانے میں شریک ہوسکتی ہے اس کے ساتھ بوقت ضرورت کہیں جانا پڑ جائے تو جا سکتی ہے۔ اگر ایسا کرتی ہے تو الفت و محبت کی پائیداری کے لیے یہ زیادہ بہتر اور زیادہ افضل ہے۔

خاوند فوت ہونے کے بعد ملازمت

س: جب عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ ہو بھی ملازمہ اس کا کوئی کفیل نہ ہو تو اس مجبوری کے پیش نظر وہ اپنی ملازمت پر جا سکتی ہے کتاب وسنت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

ج: جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اسے عدت اپنے اسی گھر میں گزارنی چاہیے جس میں وہ شوہر کی رفاقت کے وقت قیام پذیر تھی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ بنت مالک سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ وہ بنی خدرہ میں اپنے اہل کے پاس چلی جائیں کیونکہ ان کے خاوند اپنے مفرور غلاموں کے پیچھے نکلے اور مقام قدوم (مدینہ سے چھ میل کے فاصلے پر) کے پاس جب وہ ان سے ملے تو انہوں نے ان کو قتل کر دیا اس وجہ سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ مجھے اپنے اہل کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں اس

لئے کہ شوہر نے مجھے ایسے گھر میں نہیں چھوڑا جس کے وہ مالک رہے ہوں اور نہ نفقہ ہی چھوڑا ہے ۔رسول اللہ ﷺ نے پہلے تو ہاں کر دی اور میں واپس ہو گئی یہاں تک کر جب میں حجرہ یا مسجد میں پہنچی تو آپ نے مجھے بلایا اور کہا تو نے کیسے کہا میں نے آپ ﷺ کو پورا واقعہ دوبارہ سنایا اور اپنے شوہر کا حال ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تم اپنے گھر میں ہی رہو یہاں تک کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے وہ کہتی ہیں کہ پھر میں نے اس گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری اور کہتی ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے مجھے بلوا کر اس بارے میں دریافت کیا میں نے انہیں بتایا تو اسی کے مطابق انہوں نے فیصلہ کیا اور اس کی پیروی کی ۔ (ترمذی کتاب الطلاق واللعان باب ماجاء این تعتد المتوفی عنہا زوجھا (۱۲۰۴) موطا مالک' احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ' نسائی' دارمی وغیرھا)

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی حدیث کے مطابق نبی کریم ﷺ کے اکثر اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وغیرھم کا عمل ہے انہوں نے عدت گزارنے والی عورت کے لیے جائز نہیں رکھا کہ وہ اپنے شوہر کے گھر سے عدت پوری ہونے سے پہلے منتقل ہو۔

امام سفیان ثوری' امام شافعی' امام احمد' امام اسحاق بن راھویہ کا یہی موقف ہے اور بعض اہل علم صحابہ وغیرھم نے کہا کہ عورت جہاں چاہے عدت گزار لے اگر وہ اپنے خاوند کے گھر عدت نہ گزارنا چاہے۔امام ترمذی فرماتے ہیں پہلی بات صحیح ترین ہے یعنی عورت اسی گھر میں عدت گزارے جہاں وہ اپنے شوہر کی رفاقت میں قیام پذیر تھی ۔ (ترمذی مع تحفہ الاحوذی ۴/ ۴۴۱، ۴۴۲)

موطا میں امام محمد نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔

البتہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ مجبوری کے تحت کام کاج کے لئے دن کے وقت گھر سے نکل سکتی ہے اور رات اسی گھر میں آ کر بسر کرے گی اس کے لئے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

میری خالہ کو طلاق دے دی گئی تو انہوں نے (اپنی عدت کے دوران) اپنے باغ کی کھجوریں اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے انہیں باہر نکلنے سے منع کیا اور ڈانٹا تو وہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں آپ نے فرمایا: ہاں جاؤ اپنے درخت کی کھجوریں توڑو ممکن ہے کہ تم اس میں سے کچھ صدقہ کر دیا کرو اور نیکی کا کام کرو۔

(صحیح مسلم، ابوداؤد، مسند احمد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ وغیرھا)

ان کا کہنا ہے کہ آپ نے اس حدیث میں مطلقہ کو عدت کے دوران بوقت ضرورت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے لہٰذا وفات کی عدت والی عورت کو اسی پر قیاس کیا جائے گا۔ اس کی تائید مجاہد تابعی کے اس اثر سے بھی ہوتی ہے کہ احد کے دن بہت سے لوگ شہید ہو گئے۔ ان کی عورتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم رات کے وقت وحشت محسوس کرتی ہیں اس لئے چاہتی ہیں کہ کسی دوسری عورت کے ہاں رات بسر کر لیں یہاں تک کہ جب ہم صبح کریں تو اپنے گھروں کو جلدی سے آ جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم جس کسی کے ہاں چاہو بات چیت کرو اور جب سونا چاہو تو ہر عورت اپنے اپنے گھر چلی جائے۔ (بیہقی ۴۳۶/۵)

لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ عورت بوقت مجبوری کام کاج کی غرض سے گھر سے باکل نکل سکتی ہے اور رات اپنے گھر میں ہی بسر کرے گی۔

کافر کے بدلے مسلمان کا قتل

س کیا کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل کرنا جائز ہے کتاب و سنت کی رو سے واضح کریں؟

ج کسی مسلمان آدمی کو کافر کے بدلے قتل کرنا جائز نہیں امام شافعی، امام احمد، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ اور اہل ظواہر اسی بات کی طرف گئے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ افنجعل المسلمین کالمجرمین مالکم کیف تحکمون ﴾

(سورۃ ن: ۳۰)

کیا ہم مسلمانوں کو مجرمین (کفار) کی طرح بنا دیں تمہیں کیا ہو گیا کیسے فیصلے کرتے ہو۔ اور دوسرے مقام پر فرمایا

﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ (نساء ۱۴۱)

''اور اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مومنوں پر ہرگز کوئی راہ نہیں بنائے گا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوٗنَ ﴾ (سجدہ: ۱۸)

''کیا مومن فاسق کی طرح ہو سکتا ہے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔''

یہ آیات بینات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کافر مسلمان کے مساوی نہیں ہو سکتا اور جب ان دونوں میں تساوی نہیں تو مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اس بات کی مزید توضیح کرتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَائُهُمْ يَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ وَيُجِيْرُ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ وَهُمْ يَدٌ عَلَى مَنْ سِوَاهُمْ يَرُدُّ مُشِدُّهُمْ عَلَى مُضْعِفِهِمْ وَمُسَرِّيْهِمْ عَلَى قَاعِدِهِمْ لَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ وَلَا ذُوْعَهْدٍ فِيْ عَهْدِهٖ)) (ابو داؤد کتاب الجہاد ۲۷۰۱)

مسلمانوں کے خون برابر ہیں ان کا ادنیٰ سا آدمی ذمہ و امن دے سکتا ہے اور دور جگہ کا رہنے والا مسلمان پناہ دے سکتا ہے اور یہ اپنے مخالفین کے مقابلے میں یکمشت ہوتے ہیں۔ طاقتور اور تیز رفتار سواریوں والا کمزور سواریوں والے کے قریب رہے اور جب لشکر میں سے کوئی ٹکڑے نکال کر مال کماوے تو باقی لوگوں کو اس میں شریک کرے اور مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور نہ ذمی جس سے عہد لیا گیا ہو۔ مسند احمد میں علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔ (بخاری' احمد' ابوداؤد' نسائی' ترمذی)

لہٰذا کسی مسلمان آدمی کو کافر کے بدلے قتل کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جو لوگ عصر حاضر میں یہ واویلا کئے جا رہے ہیں کہ اسامہ بن لادن یا اس کے دیگر مجاہد ساتھیوں کو امریکہ کے حوالے کر دینا چاہئے انہیں ان قرآنی اور حدیثی نصوص پر غور کرنا چاہئے اور اپنے ناجائز مطالبات سے باز آ جانا چاہئے اور اہل کفر کی سازشوں کو سمجھنا چاہئے۔

لوطی کہلوانے کا حکم اور عمل قوم لوط کی سزا

س جو شخص قوم لوط والا عمل کر بیٹھے اس کی سزا کیا ہے کیا اس کی معافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

ج اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں قوم لوط کے اس عمل کو فحش قرار دیا ہے ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴾
(النمل: ۵۴)

''اور لوط علیہ السلام نے جب اپنی قوم سے کہا کیا تم فحاشی کو آتے ہو اور تم دیکھتے ہو۔''

اسی طرح سورۃ عنکبوت آیت نمبر ۲۸ میں بھی موجود ہے۔ اللہ نے زنا کو بھی فاحشہ ہی قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ﴾ (اسراء: ۳۲)

''زنا کے قریب نہ جاؤ یہ فحاشی ہے۔''

معلوم ہوتا ہے کہ عمل قوم لوط انتہائی برا اور گندا فعل ہے جسے قرآن حکیم میں فحاشی سے تعبیر کیا گیا ہے اس کی سزا حدیث میں قتل کی وارد ہوئی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے تم قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو کرنے والے اور کروانے والے دونوں کو قتل کر دو۔

(ابوداؤد ۴۴۶۲، ابن الجارود ۸۲۰، حاکم ۴: ۳۵۵)

اس حدیث کو حاکم ذہبی ابن الجارود' ضیاء مقدسی' سیوطی اور علامہ البانی وغیرھم نے صحیح قرار دیا ہے (دیکھیں ارواء الغلیل ۲۳۵۰۔ الحاوی فی الفتاویٰ ۲/۱۱۰'۱۱۵۔ ابن ابی شیبہ اور ہیثم بن خلف الدوری کی کتاب ''ذم اللواط'' ۸۲'۴۸) میں ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ لواطت کرنے والے کی حد کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا دیہات میں اونچی عمارت دیکھی جائے اور اس کے اوپر سے اوندھا گرا دیا جائے پھر اس پر پتھر برسائے جائیں۔ امام ابن القصار اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے ''لواطت کرنے والے کے قتل پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے صرف اس کے قتل کی کیفیت میں اختلاف ہے'' زاد المعاد ۵؛ ۴۰'۴۱ اور حدیث رسول کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اسے قتل کیا جائے۔ سید ابو محمد بدیع الدین الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث پر مفصل مقالہ بنام ''القندیل المشعول لتحقیق حدیث اقتلوا الفاعل والمفعول'' موجود ہے۔ ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ با جماع صحابہ ایسا آدمی واجب القتل ہے البتہ عدالت میں مقدمہ پہنچنے سے پہلے اس کے عیب پر اگر پردہ ڈال دیا گیا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اگر وہ سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو معافی ہو سکتی ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ اکثر لوگ ایسا عمل کرنے والے کو لوطی کہہ دیتے ہیں اور اس غلطی میں خواص و عوام گرفتار ہیں۔

اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اسے کام کو عمل قوم لوط کہیں یا پھر اس بستی کی طرف نسبت کریں جس میں یہ فعل واقع ہوتا تھا یعنی اسے سدومی کہہ دیں لوط علیہ السلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ امید ہے کہ قارئین اس بات کا ضرور لحاظ رکھیں گے۔

عورت کا بغیر محرم سفر کرنا

س: کیا عورت اکیلی سفر کر سکتی ہے اور یہ بھی بتائیں کہ غیر محرم مرد کے ساتھ سفر کر سکتی ہے اور یہ بتائیں کہ محرم رشتے کون سے ہیں؟ (اشفاق بن یوسف' فیصل آباد)

ج: اللہ تعالیٰ نے عورت کی عزت و عصمت محفوظ رکھنے کے لئے اس کا مسکن گھر

کی چار دیواری مقرر کیا ہے تا کہ یہ اپنے گھر کے اندر رہ کر اپنے آپ کی حفاظت کر سکے اور شیطان اور اس کے چیلوں سے محفوظ ہو جائے کیونکہ عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت چھپانے کی چیز ہے۔ جب یہ نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے۔ (ترمذی بحوالہ مشکوۃ ٣١٠٩)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت جب اپنے گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے لوگوں کی نظروں میں مزین کر دیتا ہے اور لوگ اسے اپنے دامن تزویر میں پھانسنے کے لئے نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں ہمارے معاشرے میں کتنی ہی ایسی خواتین ہیں جو گھروں سے نکلیں اور درندہ صفت انسانوں کی بھینٹ چڑھ گئیں۔ رب ذوالجلال والاکرام کے قواعد وضوابط بڑے پر حکمت اور تقدس پر مبنی ہیں۔ شریعت نے اسی لئے پابندی عائد کر دی کہ کوئی عورت محرم کے بغیر اکیلی سفر نہ کرے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی مرد ہرگز کسی عورت سے خلوت اختیار نہ کرے اور ہرگز کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ ایک آدمی اٹھا اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میرا نام فلاں فلاں غزوے میں لکھا جا چکا ہے اور میری بیوی حج کے لئے نکلی ہے آپ نے فرمایا تو جا اپنی عورت کے ساتھ حج کریں (بخاری، مسلم، ابن حبان، ابن خزیمہ، مسند احمد، مسند ابی یعلی، مسند طیالسی بیہقی ابن ماجہ) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔ (ابن حبان ٥/ ١٧٧)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت کو محرم کے بغیر سفر کرنا حلال نہیں۔ (ابن حبان ٥/ ١٧٨)

مذکرہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ عورت کو سفر پر جانے کے لئے محرم کا ساتھ اختیار کرنا ضروری ہے اکیلی یا غیر محرم کے ساتھ سفر نہیں کر سکتی۔

علامہ عبیداللہ محدث مبارکپوری فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں محرم کے بغیر عورت کے سفر کی حرمت پر دلیل ہے اور یہ حدیث سفر کی

قلت اور کثرت اور سفر حج وغیرہ کو مطلق طور پر شامل ہے۔(مرعاۃ ۸/۳۰۲)

اس مسئلہ کے مفصل بحث کے لئے راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں'' جلد دوم ملاحظہ کریں۔



کتاب
الایمان والنذور

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((من خلف بغير الله فقد اشرك))

[ترمذی ١٥٣٥ — ٣٤١٩]

''جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

((كفارة النذر كفارة اليمين))

[صحيح مسلم ١٣ / ١٦٤٥ — مشكوة ٣٤٢٩]

''نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔''

قسم کا کفارہ (سورۃ مائدہ: ٨٩) میں بیان ہوا ہے۔

جھوٹی قسم کا کفارہ

س: اگر کوئی بندہ مشکل میں پھنس جائے اور جھوٹا قرآن اٹھانے پر اس کی مشکل حل ہو جائے تو ایسے شخص کے لئے کیا سزا ہے اسے کیا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ (سائل مذکور)

ج: جھوٹا حلف اور قسم اٹھانی کبیرہ گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہ یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' والدین کی نافرمانی' کسی جان کو قتل کر دینا اور جھوٹی قسم کھانا۔ (بخاری)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس جھگڑا لے کر آئے۔ ان دونوں میں سے ایک (مدعیٰ علیہ) پر قسم واقع ہوگئی۔ اس نے کہا مجھے اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں مدعی کی کوئی چیز میرے پاس نہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا قسم کھانے والا جھوٹا ہے۔ مدعی کا حق اس کے پاس ہے آپ نے اس کو مدعی کا حق ادا کرنے کا حکم دیا جبریل نے کہا اس کی قسم کا کفارہ لا الہ الا اللہ کی معرفت ہے یا لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے۔ (مسند احمد ۱/۲۹۶'۲۵۳'۲۸۸'۳۲۲'۲/۷۰ مستدرک حاکم ۴/۹۶ ابوداؤد ۳۲۷۵ اس حدیث کو امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح کہا)

امام ابوداؤد فرماتے ہیں اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ آپ نے اسے کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ تفسیر احسن البیان ص ۳۲۲ میں ہے کہ قسم تین قسم کی ہیں۔ 'لغو' غموس' معقدہ۔

لغو وہ قسم ہے جو انسان بات بات پر عادتاً بغیر ارادہ اور نیت کے کھاتا رہتا ہے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ غموس وہ جھوٹی قسم ہے جو انسان دھوکہ اور فریب دینے کے لئے کھائے یہ کبیرہ گناہ بلکہ اکبر الکبائر ہے لیکن اس پر کفارہ نہیں۔ معقدہ وہ قسم ہے جو انسان اپنی بات میں تاکید اور پختگی کے لئے ارادتاً اور نیتاً کھائے ایسی قسم اگر توڑے گا تو اس کا وہ کفارہ ہے جو آگے آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی سورۃ مائدہ آیت نمبر

۸۹ میں۔

معلوم ہوا کہ جھوٹی قسم کا کفارہ نہیں صرف اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ کی شہادت دیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اللہ تعالیٰ غفور وتواب ہے۔

قسم کا کفارہ اور مسکین کے کھانے کی مقدار

س: قسم کا کفارہ کیا ہے اور مسکین کے کھانے کی مقدار کیا ہے؟

ج: اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورۃ المائدہ ۸۹ میں قسم کا کفارہ یہ بیان کیا ہے کہ جو تم اپنے گھر والوں کے درمیان درجے کا کھانا دیتے ہو یہ دس مسکینوں کو کھلاؤ یا انہیں کپڑے پہنا دو یا ایک غلام آزاد کرو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر تین دن کے روزے رکھو۔ اس آیت میں قسم کا کفارہ بھی حق تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے۔ اور کھانے کی مقدار بھی بتا دی کہ تم اپنے گھروں میں جو اوسط درجے کا کھانا استعمال کرتے ہو اس میں سے دس مسکینوں کو کھلا دو اس کی متعین مقدار کہ کلو یا ڈیڑھ کلو ہو کہ متعلق کوئی صحیح حدیث وارد نہیں۔ ہر شخص اپنے گھر کا حساب دیکھ کر فیصلہ کرے اور لباس کم از کم اتنا ضرور ہو جس میں نماز ادا کی جا سکتی ہو۔ واللہ اعلم

غیر اللہ کی قسم کھانا

س: بعض لوگ اپنی گفتگو میں اولاد' اولیاء اور نیک بندوں کی قسم کھاتے ہیں کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

ج: اسلامی تعلیمات میں غیر اللہ کی قسم کھانے سے روکا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسم کو کفر وشرک قرار دیا ہے۔ سعد بن عبداللہ فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو قسم کھاتے ہوئے سنا' اس نے کہا کعبہ کی قسم اسے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ)).

''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔''

(ابوداؤد کتاب الایمان والنذور ۳۲۵۱' ترمذی ۱۵۳۵)

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک قافلے میں باپ کی قسم کھاتے ہوئے پایا تو آپ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَاءِ كُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ أَوْ يَسْكُتْ)).

''بے شک اللہ تمہیں تمہارے باپوں کی قسم کھانے سے منع کرتا ہے جو شخص قسم کھانا چاہے اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔''

(ابوداؤد ۳۲۴۹' بخاری ۶۶۴۸ مسلم ۱۶۴۶)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام وشرک ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیۓ جو لوگ اپنی باتوں میں دودھ پتر کی قسم' پیر کی قسم' مرشد کی قسم' سیّد کی قسم' ماں باپ کی قسم' محبت کی قسم وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں انہیں اپنے محبوب رسول ﷺ کی مذکورہ بالا احادیث پر سنجیدگی ومتانت سے غور وخوض کرنا چاہیۓ اور ناجائز وحرام قسموں سے مکمل پرہیز کرنا چاہیۓ۔



کتاب الادب

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((لا تدخلون الجنة حتی تؤمنوا ولا تومنوا حتی تحابوا اولا ادلکم علی شیء اذا فعلتموہ تحاببتم؟ افشوا السلام بینکم))

[صحیح مسلم ٩٣/٥٤ – مشکوۃ ٤٦٣١]

''تم اتنی دیر تک جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک تم ایمان نہیں لاتے اور اتنی دیر تک تم ایماندار نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت کرنے لگو کیا میں تمہاری ایسی چیز پر راہنمائی نہ کرو جب تم اسے کرنے لگو گے تو آپس میں محبت کرو گے تم آپس میں سلام عام کردو۔''

بیٹیوں کے نام

س: بھائی صاحب اللہ تعالیٰ نے مجھے دو بیٹیاں دی ہیں میں نے ان کا نام اسفندریہ اور ملائکہ رکھا ہے مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ٹھیک نام نہیں رکھے مہربانی کر کے آپ اس مسئلہ میں ہماری رہنمائی کریں۔ (شہزاد سیالکوٹ)

ج: اللہ تعالیٰ جب اولاد کی نعمت سے نوازے تو ان کے نام ایسے رکھنے چاہیں جن کا معنی صحیح ہو اور بہترین نام وہ ہوتے ہیں جن میں نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے جیسے عبداللہ، عبدالرحمٰن وغیرہ بچیوں کے نام آپ صحابیات کے ناموں پر رکھ لیں یا کوئی اور صحیح المعنی نام رکھیں۔ ملائکہ کا معنی تو فرشتے ہیں اور اسفندریہ کا معنی مجھے معلوم نہیں ہے لہٰذا آپ کسی اچھے نام کا انتخاب کریں اس کے لئے آپ ایک کتاب ''پیارے نام'' دیکھیں جسے مولانا فاروق صارم صاحب حفظہ اللہ نے مرتب کیا ہے۔

دو یا تین نابالغ بچوں کی وفات پر جہنم سے آزادی

س: کیا کوئی ایسی حدیث ہے کہ اگر کسی کے دو یا تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو اللہ ان کے والدین کو جنت میں جگہ دے گا؟ برائے مہربانی صحیح رہنمائی کریں۔ (ابوحنظلہ گجرات)

ج: والدین کو اگر اپنی نابالغ اولاد کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑے تو ایسے والدین کو اس صدمے کا اجر ملتا ہے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''جب کسی مسلمان کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں تو اللہ ان بچوں پر رحم کی وجہ سے ایسے مسلمان کو جنت میں داخل کر دے گا''۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز)

ایک خاتون بچہ لے کر رسول کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر کہنے لگی:

''یا رسول اللہ ﷺ اس بچے کے لئے دعا فرمائیں کیونکہ میں اس سے قبل

تین بچوں کو دفنا چکی ہوں آپ ﷺ نے اس سے کہا: ''تب تو تم نے جہنم سے ایک بہت محفوظ باڑ بنالی ہے''۔ (صحیح مسلم)

اگر کسی مسلمان کے دو بچے بھی فوت ہو جائیں تو وہ بھی اپنے والدین کے لئے ذریعہ نجات بن سکتے ہیں' نبی مکرم ﷺ نے ایک بار خواتین سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''تم میں سے جس کے تین بچے فوت ہو جائے وہ (قیامت کے دن) جہنم سے رکاوٹ کا ذریعہ بن جائیں گے''۔ ایک عورت نے پوچھا ''اگر کسی کے دو بچے فوت ہو جائیں تو کیا حکم ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں دو بچے بھی جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گے''۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز' صحیح مسلم)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان آدمی کو اگر اپنے تین یا دو نابالغ بچوں کا صدمہ برداشت کرنا پڑے تو اس اندوہناک اور غمناک حادثہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو اجر سے نوازے گا اور یہ بچے ان کے لئے جہنم سے بچنے کا ذریعہ بن جائیں گے اور اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب کرے گا۔ مومن آدمی کا معاملہ اللہ کے ساتھ بہت پیارا ہے یہ مصیبت آنے پر صبر سے کام لیتا ہے اور خوشی آنے پر شکر کرتا ہے اور صبر و شکر دونوں اس کے حق میں اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں لہٰذا مسلم آدمی کو ہر مصیبت پر صابر اور ہر خوشی و مسرت پر شاکر رہنا چاہئے اور ہر دو صورتوں میں اس کے لئے اجر ہی اجر ہے۔

گانے بجانے کی محافل میں شرکت کا حکم کیا ہے؟

س: ہمارے رشتہ داروں میں بہت سے ایسے پروگرام ہوتے ہیں جن میں گانا بجانا اور تصویریں کھینچنا اور ڈھولک وغیرہ کا بندوبست ہوتا ہے اور ہمیں بھی ان میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے کیا ایسی دعوت میں شریک ہونا شرعاً جائز ہے یا اس کا

انکار کر دینا مناسب ہے۔ کتاب وسنت کی رو سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

(ابوعبداللہ سیاف عبدالرحمٰن شاکر)

ج ایسی دعوت جو اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی پر مشتمل ہو اس میں شریک ہونا جائز نہیں۔ ہاں اگر وہاں برائی کے روکنے اور اس پر نکیر کرنے کے لیے جائیں تو درست ہے وگرنہ نہیں کیونکہ وہ مجالس جن میں ڈھول طبلے سارنگی اور آلات طرب' رقص و سرود' گانا بجانا اور تصویر سازی جیسے محرمات موجود ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مشتمل ہیں بلکہ احکامات شرعیہ کا مذاق ہیں ان میں شرکت ناجائز وحرام ہے جس طرح ان محرکات کا مرتکب وعید شدید کا مستحق ہے اسی طرح ان کے اس فعل پر رضامندی کا اظہار کر کے مجلس میں شامل ہونے والا اور مجلس منعقد کرنے والا گناہ میں برابر کا شریک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو گانے بجانے کے سامان خریدتے ہیں تاکہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو گمراہ کریں اور اسے ہنسی مذاق بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے اور جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو تکبر کرتے ہوئے اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے آپ اسے دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔" (لقمان ۳۱/۶'۷)

اس آیت کریمہ میں (لہوالحدیث) کا مطلب گانا بجانا ہے جیسا کہ صحابی رسول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے تھے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس آیت کریمہ میں (لہوالحدیث) کے معنی گانا بجانا ہے یہ بات انہوں نے تین بار دھرائی۔

(تفسیر طبری ۲۱/۶۲' ابن کثیر ۳/۴۸۲' مستدرک حاکم ۲/۴۱۱' بیہقی ۱۰/۲۲۳)

یہی تفسیر جابر، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، ابراہیم نخعی، مجاہد، مکحو[illegible]ر بن شعیب، [illegible]ں بن بزیمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/[illegible]) صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم اور ائمہ سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ گانا بجانا اور اس کے آلات کی خریداری بالکل ناجائز ہے اس پر (عذاب مہین) کی وعید سنائی گئی ہے اور ایسے امور محرمہ جہاں موجود ہوں وہاں پر شرکت کرنے والا بھی انہیں کے حکم میں داخل ہے کیونکہ گناہ کرنے والا بھی انہی کے حکم میں داخل ہے کیونکہ گناہ کرنے والا اور گناہ پر راضی ہونے والا دونوں ایک ہی حکم میں ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں ورنہ تم بھی اس وقت انہیں جیسے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ اگر تم ایسی مجالس ومحافل اور پروگراموں میں شرکت کرو گے جہاں احکامات الٰہیہ کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اور تم اس پر نکیر نہیں کرو گے تو تم بھی گناہ میں ان کے برابر کے شریک رہو گے۔

مجلس برخاست کرنے سے قبل سو مرتبہ استغفار کرنا

س کیا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ہر مجلس کو برخاست کرنے سے پہلے ۷۰ یا ۱۰۰ مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ کیا بندہ خطبہ جمعہ کے دوران بھی استغفار کر سکتا ہے وضاحت کریں؟ (محمد عبداللہ شرقپور دفتر)

ج عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم مجلس میں شمار کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۰۰ مرتبہ یہ کلمات کہتے

((رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَ تُبْ عَلَیَّ إِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ))

اے میرے پروردگار مجھے معاف کر دے اور میری توبہ قبول کر لے بلاشبہ تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا بہت بخشنے والا ہے۔ (ابوداود ۱۵۱۶' ابن

ماجہ ۳۸۱۴، بحوالہ مشکوۃ المصابیح ۲۳۵۲)۔

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھے بیٹھے ۱۰۰ بار استغفار کرتے تھے اور آج ہمیں بھی اپنی مجالس میں کثرت سے استغفار کرنا چاہئے تا کہ ہمارے گناہوں کی معافی ہو سکے البتہ دوران خطبہ استغفار کرنا ثابت نہیں بلکہ خطبہ کو دھیان اور توجہ سے سننا چاہئے جو آدمی اپنی توبہ و استغفار میں مشغول ہو وہ خطیب کی بات کو دھیان سے نہیں سن سکتا۔

برہنہ حالت میں کسی کو دیکھنا

س: کیا مرد دوسرے مرد کو کپڑے تبدیل کرتے وقت دیکھ سکتا ہے؟ اور عورت بھی عورت کو کپڑے تبدیل کرتے وقت ننگی حالت میں دیکھ سکتی ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

(محمد عبداللہ شرقپور)

ج: آدمی کو آدمی کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا اسی طرح عورت کو عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا حرام ہے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مرد مرد کی شرمگاہ نہ دیکھے اور نہ ہی عورت عورت کی شرمگاہ دیکھے اور آدمی آدمی کے ساتھ ایک کپڑے میں برہنہ نہ لیٹے اور نہ ہی عورت عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں برہنہ لیٹے۔

(صحیح مسلم کتاب الحیض باب تحریم النظر الی العورات ۷۴/ ۳۳۸)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد وخواتین کے لیے ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے۔ امام ابن القطان الفاسی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

مرد کے لیے مردوں کی جنس سے شرمگاہوں کی طرف نظر دوڑانا حلال نہیں یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے بعد اوپر ذکر کردہ حدیث کو بطور استدلال پیش کیا ہے اور اس طرح ص ۲۸۶ پر عورت کا عورت کی شرمگاہ

کی طرف دیکھنے کو حرام قرار دے کر یہی حدیث بطور دلیل ذکر کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہو گیا کہ مرد حضرات مردوں کی شرمگاہ کو نہیں دیکھ سکتے اسی طرح عورتیں' عورتوں کی شرمگاہ کو نہیں دیکھ سکتیں۔

پھولوں کا تحفہ پیش کرنا

س کسی خوشی کے موقعہ پر یا ایسے ہی کسی کو تحفہ کے طور پر پھولوں کا گلدستہ دینا کیسا ہے کیا یہ بھی یہودیوں کی مشابہت ہوگی۔ (محمد عرفان' کراچی)

ج ایک دوسرے کو تحفے تحائف دینا اچھی عادت ہے اور اس سے محبت بڑھتی ہے شریعت میں تحفے دینے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو تم آپس میں محبت کرنے لگو گے۔ (الادب المفرد للبخاری:۵۹٤' حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس کی سند حسن ہے التلخیص الحبیر ۳/۷۵)

اسی طرح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے ہدیہ بھیجنا ہرگز حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا ایک کھر ہی ہو۔

بخاری شریف میں ایک حدیث کے اندر ہے آپ نے فرمایا اگر مجھے دستی ہدیہ دی گئی تو میں قبول کروں گا بحوالہ (تلخیص الحبیر ۳/۷۰) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہدیہ واپس نہ کرو۔ (مسند احمد' ابویعلی)

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ و تحفہ لینا یا دینا محبت کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا پھولوں کا گلدستہ ہو یا کوئی کھانے پینے کی حلال چیز وغیرہ ایسے تحفے دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور نہ ہی اس میں یہود کی مشابہت ہے مشابہت سے مراد کسی قوم کے شعار و مخصوص طرز کو اپنانا ہوتا ہے جس کی اسلام میں اجازت نہ ہو۔

کبوتر اڑانا اور مرغ لڑانا

س: کبوتر اڑانے والے اور مرغ لڑانے والوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ (سائل مذکور.....)

ج: شریعت کی نظر میں کبوتر بازی مکروہ ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو ایک کبوتر کے پیچھے دوڑتا ہوا دیکھا تو فرمایا:

شیطان شیطانہ کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ (مسند احمد ۱۷/ ۲۲۱ (۸۵۴۳) ابن ماجہ ۳۷۶۵، الادب المفرد ۱۳۰۰، المسند الجامع ۱۷/ ۶۳۹)

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں کبوتروں کے ساتھ کھیلنے کی کراہت پر دلیل ہے اور یہ ایسا کھیل ہے جس کی شرع میں اجازت نہیں دی گئی اور شیطان کا لفظ ایسے آدمی پر بولا جانا اس پر دلالت کرتا ہے اور کبوتری پر شیطانہ کے لفظ کا اطلاق یا تو اس وجہ سے ہے کہ وہ آدمی کے اس کے لیے پیچھے لگنے کا سبب ہے۔ یا وہ ایسا شیطان عمل کرتی ہے کہ اس کی مطابقت اور اس کے حسن صورت اور نغمے کی عمدگی کے باعث انسان اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ یا وہ حقیقت میں کبوتر کی شکل میں جن شیطان ہے جو آدمی کو اللہ کے ذکر سے غافل کرتی ہے۔ (فضل اللہ الصمد ۲/ ۶۸۴)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بچے نکلوانے اور انڈے لینے یا انس کے لیے یا خطوط بھیجنے کے لیے کبوتر رکھنا بلا کراہت جائز ہیں۔ بہر کیف کبوتروں کے ساتھ کھیلنے کے متعلق صحیح بات یہی ہے کہ مکروہ ہے اور اگر اس کھیل کے ساتھ جوا مل جائے تو حرام ہے۔ (فضل اللہ الصمد ۲/ ۶۸۴ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۸/ ۲۸۰)

رہا جانوروں کو آپس میں لڑانا تو یہ بھی شرعاً حرام ہے کیونکہ جانوروں کو ایذاء دینا شریعت اسلامیہ میں جائز نہیں ہے۔ جانوروں کو لڑانے کے متعلق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یوں ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانوروں کو ایذاء و تکلیف دینا درست نہیں جیسا کہ

مسند ابی یعلی ۶۵۱ اور مسند بزار ۲۰۶۳ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کے چہرے پر داغ لگایا ہوا تھا آپ نے فرمایا: جاؤ اونٹ کے مالک سے کہو کہ اس کے چہرے سے آگ کو دور رکھے الحدیث' انس رضی اللہ عنہ سے حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گدھا دیکھا جس کے چہرے کو داغا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی لعنت برسے اس آدمی پر جس نے یہ داغ دیا۔

(مسند بزار ۲۰۶۵ طبرانی اوسط ۵/ ۱۵۷ مجمع الزوائد ۱۳۲۴۰)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گزرا جس کے چہرے پر داغ لگایا گیا تھا آپ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات نہیں پہنچی کہ میں نے اس آدمی پر لعنت کی ہے جس نے جانوروں کے چہرے پر داغ دیا یا مارا پس اس کام سے منع کر دیا گیا۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد باب النہی عن الوشم فی الوجہ/ ۲۵۶۴' مسند احمد ۲۲/ ۷/ ۲)

یہ بات عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم (۲۱۱۸) ابوسعید خدری اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ابن ابی شیبہ ۵/ ۴۰۶' ۴۰۷ میں موجود ہے ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ جانوروں کو لڑانا اور انہیں ایذاء دینا کسی طرح بھی جائز نہیں لہٰذا مرغ' کتے' بٹیر' تیتر وغیرہ کو لڑانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ لہٰذا جو لوگ جانوروں کو لڑاتے یا لڑا کر ان پر جوا لگاتے ہیں وہ فعل حرام کے مرتکب ہیں انہیں اس فعل سے باز آ جانا چاہئے۔

گانے اور میوزک سننا

﴿س﴾ کیا مسلمان کے لیے گانے اور میوزک سننا جائز ہے' اس حجت کی بنیاد پر کہ وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کئے جاتے ہیں۔

﴿ج﴾ گانے اور میوزک سننا جائز نہیں ہے' اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتے ہیں' نیز انہیں سنتے رہنے سے دل بیمار اور سخت ہو جاتا ہے' اللہ تعالیٰ کی کتاب مبین اور اس کے رسول امین کی سنت اس کی حرمت پر شاہد عدل ہے ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ﴾ (لقمان : ٦)

اکثر مفسرین اور بہت سے علماء کرنے نے لَهْوَ الْحَدِيْثِ کی تفسیر گانا اور آلات طرب سے کیا ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ

''میری امت میں کچھ جماعتیں ہوں گی جو حر، حریر، خمر اور معازف کو حلال بنائیں گے۔''

''حر'' سے مراد حرام شرمگاہ ہے اور ''حریر'' یعنی ریشم مشہور چیز ہے جو مردوں کے لیے حرام ہے ''خمر'' یعنی شراب بھی مشہور ہی ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوگا جس میں نشہ ہو اور یہ تمام مسلمان مرد وعورت، بڑے اور بچے کے لیے حرام ہے اور اس کا پینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور ''معازف'' گانا بجانا، ہر قسم کے آلات طرب، گانے بجانے کی حرمت پر کئی ایک نصوص، آیتیں اور حدیثیں ہیں جنہیں علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب "اغاثة اللهفان من مكائد الشيطان" میں ذکر کیا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے تمام مسلمانوں کی ہدایت وتوفیق کی اور اس کے غضب سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے ہیں۔

ریڈیو وغیرہ سننا

﴿س﴾ ریڈیو اور دوسرے نشریاتی پروگرام سننے کا کیا حکم ہے اگر ان میں کوئی حرام بات نہ پائی جاتی ہو؟

﴿ج﴾ ریڈیو سے نشر ہونے والے پرورگام اگر قرآن یا مفید احادیث یا اہم خبروں پر مشتمل ہوں تو ان کو سننے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح قرآن کریم، احادیث اور نصیحتوں سے بھری کیسٹس سننے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

میں آپ کو "اذاعة القرآن" اور "نور علی الدرب" جیسے پروگرام سننے اور

ان میں دلچسپی لینے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ ان پروگراموں میں بہت سے فائدے ہیں۔ (ابن بازؒ)

موسیقی آمیز مفید پروگرام سننا

(س) اخباری تبصرے اوراس قسم کے دوسرے موسیقی آمیز مفید نشریاتی پروگراموں کے سننے کا کیا حکم ہے؟

(ج) اس قسم کے پروگراموں کو سننے اوران سے مستفید ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن میوزک کے ختم ہونے تک ریڈیو بند رکھا جائے اس لیے کہ میوزک آلات لہوو لعب میں سے ہے اللہ تعالیٰ اس طرح کے آلات سے بچائے اوران کے شر سے محفوظ رکھے۔ (ابن بازؒ)

محفلوں میں تالی بجانا

(س) تقریبات اور جلسوں میں تالی بجانا جائز ہے یا مکروہ؟

(ج) محفلوں میں تالی بجانا غیراسلامی فعل ہے' کم ازکم اسے مکروہ تو کہا ہی جا سکتا ہے حالانکہ دلیل کے اعتبار سے یہ حرام ہے اس لئے کہ مسلمان کو کافروں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کئے گئے ہیں اوراللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کے بارے میں کہا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَ تَصْدِيَةً ﴾

(انفال : ۳۵)

''بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ نہیں۔''

علماء کرام کا کہنا ہے کہ ''مکاء'' سے مراد سیٹی بجانا اور ''تصدیۃ'' سے مراد تالی پیٹنا ہے اورایک مومن کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ جب وہ کوئی پسندیدہ چیز دیکھے یا اچھی بات سنے تو سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی بے شمار حدیثوں سے

ثابت ہے اور اگر عورتیں مردوں کے ساتھ نماز میں ہوں اور امام کچھ بھول جائے تو ان کے لیے امام کو آگاہ کرنے کی غرض سے تالی بجانا جائز ہے لیکن مرد یہی کام سبحان اللہ کہہ کرانجام دیں گے' رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے یہی ثابت ہے۔

معلوم ہوا کہ مردوں کی تالی بجانے میں کافروں اور عورتوں سے مشابہت پائی جاتی ہے اور ان دونوں کی مشابہت اختیار کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

والدین کی اطاعت وفرمانبرداری

س جب میں اہم معاملات میں مشغول ہوتا ہوں تو اس وقت میں اپنی ماں کی فرمائش کو ان سنی کر دیتا ہوں' اس کا کیا حکم ہے۔

ج والدین کے ساتھ حسن سلوک اور معروف میں ان کی اطاعت وفرماں برداری ایک اہم فریضہ ہے' آپ پر اپنی والدہ کے حق کی رعایت کرنا واجب ہے آپ انہیں ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کریں اور معروف میں ان کی نافرمانی ہرگز نہ کریں' آپ کی مشغولیات اگر واقعی بہت زیادہ اہم ہیں اور آپ کی والدہ کی فرمائش سے متصادم ہیں تو پھر آپ پہلے انہیں آگاہ کر دیں اور ان سے معذرت کرنے کے بعد ہی اپنا کام انجام دیں۔

اگر کام کو موخر کر کے والدہ کی فرمائش کو مقدم کرنے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوتا تو پہلے ان کی فرمائش پوری کریں کیوں کہ بہر حال ان کی دلجوئی زیادہ اہم ہے۔

اگر ایسا ممکن نہ ہو تو دونوں میں سے جو زیادہ اہم ہو اور جس کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو اسی کو مقدم رکھیں' ارشاد باری:

﴿ فاتقوا الله ما استطعتم ﴾

''جہاں تک ممکن ہو اللہ سے ڈرو۔'' (ابن بازؒ)

شادی کرنے میں بھی والدین کی اطاعت

﴿س﴾ میں ایک ثیبہ (شوہر دیدہ) سے شادی کا خواہش مند ہوں' میرے والد راضی ہیں' لڑکی اور اس کے اہل خانہ بھی راضی ہیں' صرف میری والدہ تیار نہیں ہیں وہ اس رشتہ کو ناپسند کرتی ہیں' کیا میں اپنی والدہ کی پسند ناپسند کی پرواہ کئے بغیر اس عورت سے شادی کر سکتا ہوں؟ کیا شادی کر لینے کے بعد میں اپنی والدہ کا نافرمان کہلاؤں گا' آگاہ فرمائیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے۔

﴿ج﴾ والدہ کا بہت بڑا حق ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ایک اہم فریضہ ہے میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ جس عورت کو آپ کی والدہ ناپسند کرتی ہیں اس سے شادی نہ کریں' اس لئے کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ آپ کی خیر خواہ ہیں' ہوسکتا ہے انہیں اس عورت کے اخلاق سے متعلق ایسی باتوں کا علم ہو جو آپ کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ ویسے آپ کو اس کے علاوہ بھی بہت سی عورتیں مل سکتی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ○ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (طلاق : ۲/۳)

"جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔"

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ والدہ کی دل جوئی و فرمانبرداری تقویٰ میں سے ہے' الا یہ کہ والدہ دیندار ہو اور مخطوبہ دیندار اور تقویٰ والی ہو اگر بات ایسی ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو پھر اس معاملہ میں آپ پر والدہ کی اطاعت لازم نہیں ہے' اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿ انما الطاعة فی المعروف ﴾

''اطاعت صرف نیک کاموں میں ہے''۔

اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو ایسے کام کرنے کی توفیق دے جس سے وہ راضی ہو نیز جو چیز آپ کے حق میں مفید ہو اور آپ کے دین و دنیا کے لئے کارآمد ہو اسے آپ کے لئے آسان بنا دے۔ (ابن بازؒ)

ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا

س: کیا ہاتھ کے اشارے سے سلام کرنا جائز ہے؟

ج: اشارہ سے سلام کرنا جائز نہیں' سلام کے بارے میں سنت یہ ہے کہ سلام کرنے اور جواب دینے میں زبان استعمال کی جائے۔

اشارے سے سلام کرنا اس وجہ سے جائز نہیں کہ اس میں کافروں کی مشابہت کے ساتھ اللہ کے بیان کردہ طریقے کی مخالفت ہوتی ہے۔

تاہم اگر کوئی دور ہونے کی بناء پر زبان سے سلام کرنے کے ساتھ ہاتھ کا بھی اشارہ کر دے تا کہ یہ سمجھ سکے کہ اسے سلام کیا جا رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ اس قسم کی روایتیں ملتی ہیں (جیسا کہ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں ذکر کیا ہے) اور اگر کوئی مسلمان نماز میں مشغول ہو تو اشارہ کے ذریعہ سلام کا جواب دے سکتا ہے یہ نبی کریم ﷺ کی صحیح سنت سے ثابت ہے۔

چاندی کی انگوٹھی پہننا

س: قاری چاندی کی انگوٹھی پہننے کا حکم دریافت کرنا چاہتا ہے اگر پہننا جائز ہے تو دائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنے یا بائیں ہاتھ کی انگلی میں؟

ج: مرد عورت کسی کے لیے بھی چاندی کی انگوٹھی پہننے میں کوئی حرج نہیں' دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں پہنی جا سکتی ہے مگر داہنے ہاتھ میں پہننا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ بایاں کے مقابلہ میں دایاں بہتر اور افضل ہے۔

لیکن سونے کی انگوٹھی یا گھڑی پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں ہے یہ صرف عورتوں کے لیے خاص ہے اس لیے کہ رسول ﷺ سے ایسی بہت سی حدیثیں مروی ہیں جو مردوں کے لیے سونے اور ریشم کی حرمت اور عورتوں کے لیے ان کی اباحت پر دلالت کرتی ہیں۔

گھڑی باندھنا

س ہاتھ میں گھڑی باندھنے کا کیا حکم ہے؟ بہت سے لوگ یہ سمجھ کر کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے ہمیں گھڑی باندھنے سے منع کرتے ہیں؟

ج میں گھڑی پہننے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اس میں عورتوں سے مشابہت کی کوئی وجہ نہیں' کیونکہ عورتوں اور مردوں کی گھڑیاں مختلف ہوتی ہیں' اگر ایک جیسی بھی ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں بالکل اسی طرح جس طرح کہ عورتوں اور مردوں کی انگوٹھی مشترک ہوتی ہے اور دونوں کے لیے پہننا درست ہے اس کے علاوہ گھڑی باندھنے کا مقصد زیب وزینت نہیں ہوتا بلکہ اوقات جاننے کے لیے باندھی جاتی ہے۔

اجنبی عورتوں سے مصافحہ

س اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز ہے؟

ج محرم کے علاوہ دوسرے کسی مرد کے لیے عورتوں سے مصافحہ کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے' خواہ عورتیں جوان ہوں یا بوڑھی ہوں اور مصافحہ کرنے والے جوان ہوں یا بوڑھے' کیونکہ ایسا کرنے سے دونوں کے فتنہ میں واقع ہونے کا خطرہ ہے' اور نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا'' اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ نہیں چھوا' آپ کلام کے سہارے عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے''۔ ہاتھوں پر کسی حائل کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' اس لیے کہ

ممانعت کی دلیلیں عام ہیں' نیز اس ممانعت پر عمل کے ذریعہ فتنہ پر آمادہ کرنے والے ذرائع کا سد باب کیا جا سکے گا۔

عورت کا خوشبو لگا کر باہر نکلنا

س عورت کا معطر ہو کر باہر نکلنا کیسا ہے؟

ج اگر اس کو عورتوں کے اجتماع میں شرکت کے لئے جانا ہو اور راستے میں مردوں کے قریب سے گزرنا پڑے تو اس کے لئے خوشبو استعمال کرنا جائز نہیں ہے اور ایسے بازاروں میں جہاں مرد پائے جاتے ہیں معطر ہو کر جانا جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''کوئی بھی عورت خوشبو استعمال کر کے ہمارے ساتھ عشاء میں شریک نہ ہو۔''

اس معنی کی اور بھی حدیثیں ہیں۔ ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورت کا معطر ہو کر ان راستوں پر چلنا جہاں مرد ہوتے ہیں اور مردوں کے اجتماع میں جانا جیسے مساجد وغیرہ ہیں فتنہ کے اسباب میں سے ایک سبب ہے' اس کے برخلاف پردہ کا اہتمام کرنا اور زیب و زینت کی نمائش سے بچنا عورت پر واجب ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں اور پہلی جاہلیت کی طرح زیب و زینت کی نمائش نہ کریں۔'' (احزاب ۳۳)

مثلاً چہرہ اور سر وغیرہ کی بے پردگی بھی نمائش زیب و زینت میں داخل ہے۔

دل بہلانے کے لئے بانسری بجانا

س کیا دل بہلانے کے لئے یا فارغ اوقات میں بانسری بجانا اسلام میں جائز ہے۔ (ایک سائل)

ج اسلام میں بانسری بجانے کی اجازت نہیں ہے دل بہلانے کے لئے قرآن

حکیم کی تلاوت کرو اور علماء دین کی تقاریر وغیرہ سنا کرو۔ مومن آدمی کا دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

''خبردار اللہ کی یاد سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔''

موسیقی کے آلات وغیرہ اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی چیزیں ہیں اور شیطانی آوازیں ہیں۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بانسری کی آواز سنی تو اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں اور راستے سے ہٹ گئے اور مجھے کہا اے نافع کیا تم کوئی آواز سن رہے ہو میں نے کہا نہیں تو انہوں نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکال دیں اور کہا میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا آپ نے اسی طرح کی آواز سنی اور ایسے ہی کیا۔ (ابوداؤد ۴۹۲۵، بیہقی ۱۰/۲۲۲)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ بانسری کی آواز دل بہلانے کے لئے اور نہ ہی کسی اور غرض کے لئے درست ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بانسری کی آواز سن کر اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لی تھیں۔ ہمیں بھی بانسری کی آواز سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔ موسیقی کے بارے میں راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اوران کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں''۔ جلد دوم ملاحظہ ہو۔

کیا تسبیح کا استعمال جائز ہے؟

س طواف کے چکر شمار کرنے کے لئے تسبیح کا استعمال جائز ہے؟

ج طواف کے چکر شمار کرنے کے لئے تسبیح کا استعمال ہمارے علم کے مطابق کسی حدیث میں موجود نہیں بلکہ عام ذکر واذکار کے متعلق بھی کوئی ایسی حدیث نہیں کہ رسول اللہ ﷺ تسبیح کے دانوں پر شمار کرتے ہوں۔

پینٹ شرٹ پہننا

س کیا کسی مسلمان کے لئے پینٹ شرٹ پہننا جائز ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا ہے کہ جو شخص جس کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا اس طرح پینٹ شرٹ اور ٹائی غیر مسلموں کا لباس ہے برائے مہربانی قرآن سنت کی روشنی میں درست رہنمائی فرمائیں۔ (محمد سلیمان سعید، رحیم یار خاں)

﴿ج﴾ شریعت اسلامیہ میں مرد و عورت کے لئے جو لباس اختیار کیا گیا ہے وہ ایسا ہے جس سے ستر کا مقصود پورا ہو۔ اگر ایسا لباس پہنے جس سے جسم کے چھپانے والی اشیاء نمایاں ہوں تو وہ ستر کا مقصود پورا نہیں کرتا اسے اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ پینٹ کی کئی شکلیں ہیں بعض ایسی ہیں جو تنگ ہوتی ہیں اور اس میں شرم گاہ کا اظہار ہوتا ہے اس کے بارے میں محدث العصر شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، پینٹ میں دو مصیبتیں ہیں:

(۱) پینٹ پہننے والا کفار سے مشابہت اختیار کرتا ہے جبکہ مسلمان کشادہ اور کھلے پاجامے پہنتے ہیں۔ شام اور لبنان میں بعض مسلمان ہمیشہ اسی طرح کرتے ہیں۔ مسلمان استعماری طاقتوں سے پہلے پینٹ کو نہیں جانتے تھے استعماریوں کے آنے پر انہوں نے ان کی عادات سیئہ کو اپنی جہالت و بغاوت کی وجہ سے اختیار کر لیا۔

(۲) پینٹ شرم گاہ کو ابھارتی ہے اور آدمی کی شرم گاہ گھٹنے سے ناف تک ہے اور نمازی آدمی پر فرض ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے اس وقت بہت دور ہو جب وہ اس کو سجدہ کر رہا ہو۔ (ملخص از القول المبین ص ۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے پاجامے میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے جس کے اوپر چادر نہ پہنی گئی ہو ملاحظہ ہو (حاکم ۱/ ۲۵۰ صحیح جامع صغیر ۶۸۳۰ شرح معانی الاثار ۱/ ۳۸۲ ابوداؤد ۶۳۶) البتہ اگر پینٹ کشادہ ہو تنگ نہ ہو جس میں شرمگاہ نمایاں نہ ہو اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں۔

اور افضل و بہتر یہ ہے کہ پینٹ کے اوپر اتنی لمبی قمیض یا شرٹ ہو کہ آدمی کی ناف سے اور گھٹنے کے درمیان والے حصے کو چھپا لے تاکہ ستر کا مقصود پورا ہو جائے اور ٹائی لگانا تو صلیب سے مشابہت ہے اس سے مکمل اجتناب لازم ہے۔

سلام دوران طعام

س: کھانا کھانے کے درمیان اگر کوئی شخص آ کر سلام کہے تو کیا اس کا جواب دیا جا سکتا ہے؟

ج: کھانے کے درمیان اگر کوئی صاحب آ کر سلام کہہ دیں تو اس کا جواب دیا جا سکتا ہے اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ﴾

''جب تم سے سلام کہا جائے تو اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم اسی طرح لوٹا دو۔''

یہ حکم اپنے عموم کے اعتبار سے کھانا کھانے والے کو بھی شامل ہے اسی طرح ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی نمازی کو سلام کہہ دے تو وہ اس کا جواب دے گا لیکن زبان سے نہیں ہاتھ کے اشارے سے ملاحظہ ہو۔ (ابوداؤد' ترمذی)

کیونکہ نماز کی حالت میں زبان سے سلام کا جواب نہیں ہوگا لہٰذا جب حالت نماز میں سلام کیا جا سکتا ہے اور اشارے سے جواب بھی دیا جا سکتا ہے تو کھانا کھانے کی حالت میں سلام اور اس کا جواب بالاَولی دیا جا سکتا ہے۔

عیسائی کو سلام کہنا

س: عیسائی کو سلام کہنے کا اسلام میں کیا طریقہ ہے؟ (بشارت' والٹن لاہور)

ج: کفار و مشرکین سے سلام کے بارے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہود و نصاریٰ کو سلام کہنے میں پہل نہ کرو اور جب تم ان سے کسی راستے میں ملو تو انہیں اس کی طرف (سے گزرنے پر) مجبور کرو جو زیادہ تنگ ہو۔'' (صحیح مسلم)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ کو پہلے سلام نہیں کہنا چاہئے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم وقدر ہوتی ہے اور عزت وشرف اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے لئے ہے۔ جیسا کہ سورۃ المنافقون آیت نمبر ۸ میں ہے۔

اور یہودو نصاریٰ سے اس وقت تک جنگ میں ہے جب تک وہ جزیہ وٹیکس دے کر ذلیل نہ ہو جائیں۔ (سورۃ التوبہ:۲۹)

اسی ذلت کا احساس پیدا کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو تعلیم دے رہے ہیں کہ اگر راستے میں ان کفار سے ملاقات ہو جائے تو ان کے لئے کھلا راستہ نہ چھوڑو بلکہ انہیں تنگ راستے کی طرف گزرنے پر مجبور کرو یہودی وعیسائی سلام کہتے وقت السلام علیکم کی بجائے السام علیکم اکثر کہتے ہیں اور السام علیکم کا معنی ہے تم پر موت ہو یہ دعا کی بجائے بددعا ہے تو یہ جب اس طرح سلام کہیں تو انہیں ''وعلیکم'' کہنا چاہئے جیسا کہ صحیح البخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ لہٰذا عیسائی ہو یا یہودی اسے سلام میں پہل نہ کریں اگر وہ سلام کہے تو وعلیکم کہیں۔

دین کے لئے وقف اولاد سے کام لینا

س میں نے اپنے بیٹے عاصم مشتاق کی پیدائش سے قبل منت مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرمائے گا تو اس کو اللہ کے راستے میں وقف کروں گا اب یہ الدعوۃ پبلک سکول کوٹلی لوہاراں میں روضہ II کلاس کا طالب علم ہے دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا میں اس کو گھر کا چھوٹا موٹا کام کہہ سکتا ہوں یا کہ نہیں۔ (سائل مذکور)

ج اللہ تعالیٰ کے لئے وقف شدہ بیٹے کا مفہوم تو یہ ہے کہ اسے دین اسلام کی سربلندی کے لئے لگا دیا جائے تا کہ یہ اللہ کے دین کا کام کرے اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ والدین اپنے بیٹے کو خدمت وغیرہ کا کوئی کام نہیں کہہ سکتے۔ والدین کی اطاعت بھی دین اسلام میں داخل ہے اور نیک اولاد اللہ کے حقوق بھی ادا کرتی ہے اور والدین کے بھی آپ اسے خلاف شرع کوئی کام نہیں کہہ سکتے۔ اور نہ ہی جب یہ بڑا ہو

جائے اسے دنیاوی جھمیلوں میں جھونک سکتے ہیں اور خالص اللہ کا دین پڑھائیں اور مجاہد فی سبیل اللہ بنانے کی بھرپور کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی محنتوں اور کاوشوں کو دین اسلام کی سربلندی کے لئے بارآور کرے۔ (آمین)

گھر میں تصویر لٹکانے کا حکم

﴿س﴾ کیا گھر میں میت کی تصویر لٹکانی جائز ہے؟

﴿ج﴾ گھروں میں ذی روح اشیاء کی تصاویر لٹکانا جائز نہیں خواہ وہ ذی روح ابھی زندہ ہو یا اسے موت آ جائے خواہ یادگیری کے لئے ہو یا کسی اور مقصد کے لئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((لَا تَدَعْ صُوْرَةً اِلَّا طَمَسْتَهَا وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهُ)).

(صحیح مسلم)

''کوئی صورت نہ چھوڑ مگر اسے مٹا دے اور جو قبر اونچی ہو اسے برابر کر دے۔''

یعنی عام قبروں کی طرح' اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ تصویریں ختم کرنے کا حکم ہے لٹکانے کا نہیں۔

جاندار تصویر والے لباس

﴿س﴾ کیا نماز پڑھتے وقت ایسی جیکٹ یا قمیض پہنی جا سکتی ہے جس پر کسی پرندے یا جاندار کی تصویر ہو۔ (محمد یٰسین راوی سپننگ رائیونڈ)

﴿ج﴾ کسی بھی جاندار' ذی روح پرندے وغیرہ کی تصویر بالکل ناجائز اور حرام ہے حرمت تصویر پر بے شمار احادیث صحیحہ موجود ہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے کہا میں تصویر بناتا ہوں آپ ان کے متعلق مجھے فتویٰ دیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور فرمایا میں تمہیں اس بات کی خبر دوں

گا جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے آپ نے فرمایا ہر تصویر بنانے والا نفس جہنمی ہے اس کے لئے ہر صورت کے بدلے جو اس نے بنائی تھی ایک نفس بنایا جائے گا وہ اسے جہنم میں عذاب دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو ضرور تصویر بنانے ہی والا ہے تو اس کی تصویر بنا جس میں روح نہیں۔ (کتاب المعجم لابن المقری ۶۔۱ مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۹۸) معلوم ہوا کہ جاندار کی تصویر حرام ہے۔ ایسا لباس مطلق طور پر ہی نہیں پہننا چاہئے خواہ نماز کے لئے ہو یا غیر نماز کے لئے۔ اگر ان تصاویر کے چہرے مسخ کر دیئے جائیں تو پھر ان کا استعمال درست ہے تفصیل کے لئے راقم کی کتاب ''ٹی وی معاشرے کا کینسر'' ملاحظہ ہو۔

سالگرہ منانا جائز نہیں ہے

س ہمارے معاشرے میں آج کل عام رواج ہے سالگرہ کا' شادی کی سالگرہ' پیدائش کی سالگرہ وغیرہ لوگ سالگرہ پر بڑا خرچ کرتے ہیں۔ کیا سالگرہ منانا اسلامی طور پر جائز ہے۔ (نصر اللہ خاں' دھریمہ سرگودھا)

ج شادی یا پیدائش وغیرہ کی سالگرہ منانا دین اسلام میں ثابت نہیں۔ رسول کریم ﷺ کی ولادت بھی ہوئی اور شادیاں بھی' اسی طرح آپ کی بیٹیوں کی شادیاں بھی ہوئیں لیکن یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں کہ آپ نے اپنی یا اپنی اولاد کی سالگرہ منائی ہو یا اپنے اصحاب کو سالگرہ منانے کا حکم دیا ہو یا کسی صحابی نے سالگرہ منائی ہو اور آپ نے اس پر سکوت کر کے برقرار رکھا ہو۔ لہٰذا یہ فعل اسلامی نہیں اگر اسلام میں اس کی کوئی اہمیت ہوتی تو ضرور اس کا کہیں تذکرہ ہوتا لیکن عیسائیوں وغیرہ کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے بھی منانا شروع کر دی ہے۔ رسول کریم ﷺ کا صحیح مسلم وغیرہ میں ارشاد ہے جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے وہ مردود ہے لہٰذا سالگرہ منانا درست نہیں۔

لینز کی شرعی حیثیت

س: آج کل جو لوگ لینز لگا رہے ہیں آنکھوں کا رنگ بدلنے کے لئے کیا یہ لینز لگانا درست ہے اس سے گناہ تو نہیں ہوتا۔ برائے مہربانی جہاد ٹائمز میں جواب دیں۔
(آسیہ رشید، فیصل آباد)

ج: لینز دو طرح کے مارکیٹ میں دستیاب ہیں ایک تو نظر کے لئے جس شخص کی بینائی کمزور پڑ جائے تو وہ عینک کی جگہ لینز لگاتا ہے اور دوسرے بالکل سادہ ہیں جو بینائی کی کمزوری کی وجہ سے نہیں بالکل فیشن اور زینت سمجھ کر لگائے جاتے ہیں تو ان دونوں کے لگانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔ البتہ خواتین کے بارے میں ایک بات کا لحاظ ضروری ہے۔ کتنی ہی نصوص شرعیہ میں عورت کو غیر محرم کے سامنے اظہار زینت سے روکا گیا ہے لہٰذا اگر کوئی عورت لینز لگا کر غیر محرم کے سامنے اس کا اظہار کرتی ہے اور آنکھوں کے رنگ کو تبدیل کر کے دعوت گناہ دیتی ہے تو یہ فعل عبث اور حرام ہوگا۔ اس کے لئے لینز لگانے کی اجازت نہیں ہے اور جو عورتیں شرعی لباس و حجاب کا لحاظ رکھتی ہیں گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنی آنکھوں کی حفاظت کرتی ہیں تو جس طرح دیگر زیب و زینت ان کے حق میں جائز اور درست ہے تو یہ بھی اسی قسم میں داخل ہے۔

کیا باوضو ہو کر بستر پر لیٹنا چاہئے؟

س: کیا رات کو سوتے وقت باوضو ہو کر بستر پر لیٹنا چاہئے؟

ج: صحیح البخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتاب الوضو کے اندر حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ

''جب تم سونے کے لئے اپنے بستر پر آؤ تو وضو کرو جیسے تم نماز کے لئے وضو کرتے ہو۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ باوضو ہو کر سوئیں

اور جو آدمی باوضو ہو کر مسنون دعائیں پڑھ کر سوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اسے کئی ایک شیطانی وسوسوں سے بچالیتا ہے۔

راہ چلتے اگر کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

س کیا راستے میں چلتے ہوئے اگر کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً پھیر لینی چاہیے یا جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں پہلی نظر معاف ہے تو لہٰذا ایک بار دیکھنے کی اجازت ہے صحیح حدیث سے رہنمائی کریں۔

ج نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر سمجھی جاتی ہے غلط نظر انسان کو گمراہی کے دہانے پر پہنچا دیتی ہے۔ اسی لئے اسے آنکھ کا زنا بھی کہا گیا ہے لہٰذا اس کے استعمال کے بارے میں انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے' قرآن حکیم میں غض بصر کا حکم دیا گیا ہے اس کا اقتضاء یہی ہے کہ اسے بچا کر رکھا جائے' اگر راستے میں چلتے چلتے کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو اسے فوراً پھیر لینا چاہیے نہ کہ ٹکٹکی باندھ کر مسلسل دیکھتے جائیں۔ نظر کے پیچھے نظر لگائے رکھنا حرام ہے۔ آپ نے فرمایا:

''نظر کے پیچھے نظر نہ لگاؤ۔'' (مشکوۃ)

اسی طرح مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اچانک نظر کا کیا حکم ہے۔'' آپ نے فرمایا ''اپنی نگاہ کو پھیر لو' یہ حدیث اس بات پر نص صریح ہے کہ نظر پڑ جائے تو پہلی بار ہی دیکھتے نہیں رہنا چاہیے بلکہ فوراً نگاہ پھیر لینی چاہیے۔ اگر ہر شخص یہ خیال کرے کہ اس کی ماں' بہن' بیوی اور بیٹی پر اگر کوئی دوسرا شخص اس طرح نظر ڈالے رہے تو کیا وہ اس بات کو پسند کرے گا جواب نفی میں ہوگا' جب ایماندار شخص اپنے گھر کی خواتین کے بارے یہ پسند نہیں کرتا تو دوسرے شخص کی ماں' بہن وغیرہ کے بارے میں بھی اسی طرح محتاط رہنا چاہیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ صحیح شرم وحیا کی دولت سے مالا مال رکھے اور نظر کی پراگندگی سے محفوظ رکھے۔ آمین

چوسر کھیلنا کیسا ہے؟

(س) کیا چوسر کھیلنا شرعاً جائز و درست ہے؟

(ج) چوسر کھیلنا حرام ہے بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''جس آدمی نے چوسر کا کھیل کھیلا گویا اس نے اپنے ہاتھ خنزیر کے گوشت اور خون سے رنگ لئے۔'' (ابوداؤد' احمد)

اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے چوسر کا کھیل کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔'' (احمد' ابوداؤد)

یہ دونوں احادیث ہر طرح کا چوسر کھیلنے والے پر منطبق ہوتی ہیں خواہ اس میں جوئے کا عنصر شامل ہو یا نہ ہو' لہٰذا ہمارے ہاں شہروں میں گلی محلوں کے اندر جو چوسر وغیرہ کے کھیل کھیلے جاتے ہیں یہ شیطانی کام ہیں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر مشتمل ہونے کی بنا پر حرام ہیں۔

شادی شدہ عورت کیلئے باپ کی اطاعت

(س) ایک عورت کا والد اسے اپنے خاوند کے پاس جانے سے روکتا ہے تو کیا عورت پر اپنے باپ کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں، نیز اس کا والد شرعی لحاظ سے مجرم ہے یا نہیں؟

(ج) کسی بھی عورت کے باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو اس کے خاوند کے پاس جانے سے روکے اور اگر باپ منع کرے تو عورت پر باپ کی بات ماننا ضروری نہیں کیوں کے نکاح کے بعد عورت پر زور و اختیار اس کے شوہر کا ہوتا ہے اور باپ شرعی عذر کے بغیر روکنے پر گناہ گار اور مجرم ہوگا۔ صحیح البخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے ہر شخص راعی ونگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھ ہوگی، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران اور راعیہ ہے۔ اس سے بھی اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی کے بعد عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار بن جاتی ہے اور اس سے اسی گھر کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: ''عورت پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ کس کا حق ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''اس کے خاوند کا''۔ میں نے کہا: ''آدمی پر لوگوں میں سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''اس کی ماں کا''۔ (مسند بزار ۱۴۶۲ کشف الاستار نسائی کبریٰ ۳/۴۰۷ عشرۃ النساء ۲۶۶) مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب عورت پانچ نمازیں ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے اسے کہا جائے گا جنت کے جس دروازے سے چاہتی ہو گزر جاؤ۔''

ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق اس کے خاوند کا ہے اور اگر خاوند کی اطاعت کرتی ہے تو جنت کے سب دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں۔ حصین بن محصن کہتے ہیں میری پھوپھی نے مجھے حدیث بیان کی کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس کسی ضرورت کے تحت گئی تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم خاوند والی ہو؟ میں نے کہا ہاں تو آپ نے کہا تم اس کے حق میں کیسی ہو؟ کہنے لگیں میں نے اس کے حق میں کبھی کوتاہی نہیں کی سوائے اس کام کے جس کے کرنے سے میں عاجز آجاؤں آپ نے فرمایا:

تم اس کی نسبت کہاں ہو وہ تمہاری جنت اور جہنم ہے۔

(المستدرک ۲/ ۵۴۸ جدید ۲۸۲۳)

یہ صحیح حدیث بھی خاوند کی اہمیت پر بڑی عیاں اور واضح ہے لہٰذا عورت کو اپنے

شوہر کی بات ماننی چاہئے اور اس کے باپ کو اس کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہئے۔

خوش طبعی

س دوست واحباب کا آپس میں خوش طبعی کرنا کیسا ہے کیا یہ لہو ولعب کے زمرے میں آ کر منع تو نہیں وضاحت کریں؟

ج دوست واحباب کا آپس میں مل کر خوش طبعی کرنا اگر حقیقت پر مبنی ہو اور شریعت کا استہزاء و مذاق نہ ہو تو بالکل درست ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خوش طبعی فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی ابوعمیر کے پاس ایک سرخ چونچ والا پرندہ تھا جس کے ساتھ وہ کھیلتا تھا جب وہ پرندہ مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا:

''سرخ چونچ والے پرندے نے کیا کیا؟'' (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ۴۸۸۴)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا اے اللہ کے رسول یقیناً آپ بھی ہمارے ساتھ کھیلتے ہیں آپ نے فرمایا میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کہتا۔'' (ترمذی ۱۹۹۰)

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے لئے اونٹ طلب کیا آپ نے فرمایا ہم تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے اس نے کہا میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔''

(ابوداؤد ۴۹۹۱' ترمذی ۱۹۹۱)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا ((یاذا الاذنین)) ''اے کانوں والے'' (ترمذی ۱۹۹۲' ابوداؤد ۵۰۰۲) الغرض ایسی خوش طبعی جو جھوٹ پر مبنی ہو وہ جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اس آدمی کے لئے بربادی ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے اس کے لئے بربادی ہے (ابوداؤد ۴۹۹۰' ترمذی ۲۳۱۵'

بیہقی ۱۰/ ۱۹۶ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اس کی سند قوی ہے۔ بلوغ المرام ۱۵۴۴) پھر اس کے لئے بربادی ہے لہٰذا جھوٹ کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔

چلتے پھرتے ذکر اللہ

س: چلتے پھرتے ذکر اللہ جائز ہے کہ نہیں؟ (اخت طاہر کراچی)

ج: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ"

"رسول اللہ ﷺ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے تھے"۔ (مسلم ۱۱۷/۳۷۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾

(آل عمران : ۱۹۱)

"عقل والے وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور پہلوؤں کے بل یاد کرتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور پہلو کے بل لیٹ کر بھی کیا جا سکتا ہے۔

عورت کے غیر محرم مرد سے مصافحہ کی شرعی حیثیت

س: بعض قبائل میں کئی ایسی عادات ہیں جو خلاف شرع ہیں' مثلاً آنے والا مہمان ہاتھ بڑھا کر عورتوں سے مصافحہ کرتا ہے' جب کہ اس عمل (مصافحہ) سے انکار بغض و عداوت کا جنم دیتا ہے ایسی صورت میں قرآن و حدیث کے مطابق کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

ج: عورتوں کا غیر محرم مردوں سے مصافحہ کرنا ناجائز ہے۔ نبی ﷺ نے عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے فرمایا:

اِنّی لَا اُصَافِحُ النِّسَاء

میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ (نسائی کتاب البیعۃ' احمد ۶/ ۳۵۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں: "اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا' آپ صرف زبانی بیعت لیا کرتے تھے۔ (مسلم/ کتاب الامارۃ)

اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو عمدہ نمونہ بنایا ہے لہٰذا ہمیں رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری کرنی چاہئے اور غیر محرم اجنبی عورتوں سے قطعاً مصافحہ نہیں کرنا چاہئے تاکہ فتنہ و فساد اور مشکوک ماحول سے اجتناب ہو' البتہ عورتوں کا محرم رشتہ داروں' مثلاً باپ' بیٹا' بھائی وغیرہ سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

سلام کے لئے احتراماً جھکنا

س: اپنے بڑوں کو جھک کر سلام کرنا یا کھڑے ہو کر سلام کرنا یا اپنے اساتذہ کے احترام میں کھڑے ہونا اور دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا' یہ سب افعال قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں کیسے ہیں؟ (محمد جاوید خان)

ج: سلام کرتے وقت جھکنا درست نہیں کیونکہ اس کی مشابہت رکوع کے ساتھ ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں کہ وہ ایک دوسرے کو سلام کرتے وقت جھکتے ہوں اسی طرح کسی شخص کے احترام یا تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں جیسا کہ آج کل استاذ' جج یا کسی بڑے آدمی کی آمد پر سب لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو پسند ہو کہ لوگ اس کے لئے تصویر بن کر کھڑے ہوں وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے۔

(ترمذی ۲۷۵۵' ابوداؤد ۵۲۲۹' مسند احمد ۴/ ۱۰۰' مشکوٰۃ' باب القیام ۴۶۹۹)

یہ حدیث صحیح ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا اور وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اسے ترمذی (۲۷۵۴) نے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (مشکوٰۃ ۴۶۹۸) البتہ آگے بڑھ کر استقبال کرنا یا اٹھ کر ملنا اور بٹھانا درست ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا فیصلہ کرنے کے لئے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلوایا جب وہ قریب پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا:

((قوموا الی سید کم))

اپنے سردار کی طرف اٹھو۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، باب القیام ۴۶۹۵)

مصافحہ کا معنی عربی زبان میں ایک دوسرے کے ہاتھ ساتھ ہاتھ کا صفحہ (کنارہ) ملانا ہے جب ایک ہاتھ کا صفحہ (کنارہ) دوسرے شخص کے ہاتھ سے مل گیا تو مصافحہ مکمل ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصافحہ کرتے وقت اور بیعت لیتے وقت دایاں ہاتھ استعمال کرتے تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں تحفۃ الاحوذی ۳۹۷، ج ۳)

صحیح بخاری میں جو حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو تشہد کی تعلیم دی تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی تو یہ تعلیم دیتے وقت متوجہ کرنے کے لئے تھا۔ اس سے ملاقات کا مصافحہ مراد نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ ملاقات کے وقت چھوٹے کو ایک ہاتھ سے اور بڑے کو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہئے۔ اس کی تفصیل کے لیے راقم کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' ملاحظہ ہو۔

دکان یا دفتر کے افتتاح کے وقت فیتہ کاٹنا

س: بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جب کبھی کسی دکان یا دفتر وغیرہ کا افتتاح کرتے ہیں تو فیتہ کاٹتے ہیں اور اس میں بڑے بڑے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کیا

کتاب وسنت میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟

ج کسی دکان، فیکٹری، دفتر وغیرہ کا افتتاح کرنے کے لئے پہلے فیتہ باندھ دینا پھر کسی بڑے آدمی کا بلا کر بسم اللہ کروانا اور فیتہ کاٹنا کسی صحیح حدیث یا آثار صحابہ سے ثابت نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ ہے یہ صرف غیر مسلموں کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے کسی بھی اچھے کام کے افتتاح سے پہلے جو طریقہ کار بتایا ہے وہ استخارہ ہے یعنی باوضو ہو کر پہلے دو رکعت نماز ادا کریں پھر دعائے استخارہ پڑھیں پھر محنت، توجہ اور اخلاص کے ساتھ کام کریں۔ ملاوٹ، ظلم، دھوکہ دہی، کرخت رویہ جیسے اخلاق رذیلہ سے اجتناب کریں تو اللہ تبارک وتعالیٰ خیر و برکت نازل کرے گا البتہ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلا پھل دیکھتے تو نبی کریم ﷺ کے پاس لے کر آتے۔ رسول اللہ ﷺ اسے پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے۔ اے اللہ ہمارے پھل میں برکت نازل فرما اور ہمارے شہر میں برکت نازل فرما اور ہمارے صاع میں برکت نازل فرما اور ہمارے مد میں برکت نازل فرما۔ اے اللہ بلاشبہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تیرے بندے، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کے لئے دعا کی اور میں تجھ سے اسی طرح کی مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں پھر آپ ﷺ اس کے سب سے چھوٹے بچے کو بلا کر وہ پھل دے دیتے۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل المدینۃ ۱۳۷۳)

اور دوسری حدیث مسلم میں ہے کہ آپ کے پاس بچوں میں سے جو بھی چھوٹا بچہ حاضر ہوتا آپ اسے وہ پھل دے دیتے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی کام نیا نیا ہو تو کسی صالح اللہ کے ولی کے پاس جا کر دعا کروائیں اور اگر پھل نیا نیا تیار ہو تو دعا کروا کے کسی سب سے چھوٹے بچے کو دے دیں۔

آدمی جمائی لیتے وقت کیا کرے

س اگر کسی آدمی کو جمائی آجائے تو وہ کیا کرے۔ بسا اوقات حالت نماز میں

جمائی آ جاتی ہے تو اس صورت میں کیا عمل کرنا چاہیے؟

ج نماز یا غیر نماز میں جمائی آ جائے تو حتی الوسع اس کو روکا جائے اور منہ بند رکھا جائے اگر جمائی کا غلبہ ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَكْظُمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَقُلْ: هَا، فَإِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِّنَ الشَّيْطَانِ يَضْحَكُ مِنْهُ)).

(بخاری بحوالہ مشکوۃ ۹۸۶)

''جب نماز میں تم میں سے کسی کو جمائی آ جائے تو وہ حسب استطاعت اس کو روکے اور ھا نہ کہے یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ وہ اس سے ہنستا ہے۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فليكظم ما استطاع فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ)) (مسلم بحوالہ مشکوۃ ۹۸۵)

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئی وہ حسب استطاعت روکے بلا شبہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ

((اِذَا اتَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فَمِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ)). (مسلم، مشکوۃ ۴۷۳۷)

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آ جائے وہ اپنے ہاتھ کو اپنے منہ پر رکھ کر روکے بلاشبہ شیطان (منہ میں) داخل ہوتا ہے ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوا کہ جمائی آتے وقت منہ کو بند کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے اگرچہ منہ پر ہاتھ رکھ کر روکنا پڑے اور منہ سے ھا، ھا کی آواز نہ آنے دے اس پر شیطان ہنستا ہے بعض لوگ مجالس میں بیٹھے ہوئے بڑے برے محسوس ہوتے ہیں جب وہ جمائی کے لئے منہ کھول دیتے ہیں اور

جمائی روکتے نہیں۔''

سیاہ پگڑی

(س) کیا فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عمامہ باندھا ہوا تھا۔

(ج) نبی مکرم ﷺ کی کئی ایک احادیث صحیحہ میں یہ بات موجود ہے کہ جب آپ نے مکہ فتح کیا تو آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا اور اسی حالت میں مکہ داخل ہوئے' جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ والے دن جب مکہ داخل ہوئے تو آپ احرام کے بغیر سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب دخول مکة بغیر احرام ۱۳۵۸/۴۵۱' سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی العمائم ۴۰۷۶)

عمرو بن حریث اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر دیکھا آپ پر سیاہ عمامہ تھا اس کا شملہ آپ نے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب دخول مکہ بغیر احرام ۳۵۲/ ۳۵۹۔ سنن ابوداؤد کتاب الحج باب دخول مکہ بغیر احرام ۳۵۲/ ۳۵۹۔ سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی العمائم ۳۰۷۷) حجۃ الوداع کے متعلق حدیث فی الحال مجھے معلوم نہیں۔

سیاہ لباس پہننا

(س) سیاہ کپڑے پہننا کیسا ہے نیز کیا عورت پراندہ پہن سکتی ہے؟

اشفاق بن یوسف، فیصل آباد

(ج) شرعی طور پر سیاہ لباس پہننے میں کوئی قباحت نہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری کتاب اللباس میں باب الخمیصۃ السوداء (یعنی سیاہ چادر کا بیان) میں ذکر کیا ہے ام خالد رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کپڑے لائے گئے ان میں ایک چھوٹی سیاہ چادر تھی آپ نے فرمایا تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم یہ چادر کسے

پہنائیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے آپ نے فرمایا میرے پاس ام خالد بنت خالد کو لاؤ اسے اٹھا کر لایا گیا آپ نے اپنے ہاتھ میں چادر پکڑی اور اسے پہنا دی اور فرمایا: اسے بوسیدہ اور پرانا کر' اس چادر میں سبز یا زرد نشانات تھے آپ نے فرمایا: اے ام خالد یہ اچھا ہے اسی طرح اس باب میں نبی ﷺ کی سیاہ چادر کا بھی ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ لباس پہننا درست ہے یہ بھی یاد رہے کہ بعض مخصوص ایام میں ان سے مشابہت کی وجہ سے اجتناب کیا جائے۔ اور پراندے کے بارے راقم کی تحقیق پہلے جہاد ٹائمز میں طبع ہو چکی ہے پچھلے شمارے میں ملاحظہ کریں۔

مرد وخواتین کا اختلاط

س میں ایک ایسے ہسپتال میں ملازمت کرتا ہوں جس میں ہمیشہ اجنبی عورتوں سے اختلاط رہتا ہے اور ان سے بات چیت کرنی پڑتی ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج خواتین سے اختلاط ناجائز اور انتہائی مہلک اور حد درجہ خطرناک ہے خاص طور پر جب عورت زیب و زینت سے ہو اور بے پردہ ہو کیونکہ ایسی خواتین جو زینت لگا کر میک اپ کے دبیز پردوں میں معطر ہو کر مردوں کی مجالس سے گزرتی ہیں انہیں شرعا بدکار قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بھی عورت خوشبو لگا کر کسی قوم کے پاس سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو پالیں وہ زانیہ ہے۔ (مسند احمد ۳۲/۴۸۳)

اسی طرح خوشبو لگانے والی عورت کو رات کی نماز میں حاضر ہونے سے روکا گیا ہے۔ (مسند احمد ۱۳/۴۰۵)

آج ہسپتالوں' دفاتر' یونیورسٹیز الغرض ہر ادارے میں عورتوں کو داخل کر دیا گیا ہے اور وہ بے حجاب' میک اپ کر کے مردوں میں گھومتی پھرتی ہیں۔ اسلام میں اس طرح مرد و زن کا اختلاط حرام ہے۔ آپ کوئی ایسی ملازمت تلاش کر لیں جہاں ایسی قباحتیں نہ ہوں۔ والدین کو بھی چاہئے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو شرعی آداب سکھائیں اور اسلام کا پابند بنائیں انہیں ایسی نوکری کے لئے مت بھیجیں جو فتنے کا باعث ہو اور

معاشرے کو تباہی کے دہانے پر لا کر کھڑا کرے۔

رسومات میں شرکت کرنا

س میں اپنے خاندان میں سے اکیلا اہلحدیث اور مجاہدین کارکن ہوں باقی سب شرک و بدعت میں مبتلا ہیں تو میں ان کے ساتھ اپنے معاملات کیسے رکھوں' ان کی رسومات تیجہ' ساتواں' دسواں' چالیسواں' وغیرہ اوران کی شادی بیاہ میں شرکت کا کیا حکم ہے۔ (رضاء اللہ بیگ شاہ کوٹ)

ج آپ اپنے عزیز و اقارب سے حسن سلوک سے پیش آئیں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے مشرکین رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا حکم فرمایا تھا جیسا کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری ماں جو کہ مشرکہ تھیں اس وقت آئیں جب نبی کریم ﷺ نے قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا تھا میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا اور کہا' میری ماں تشریف لائی ہیں اور وہ رغبت رکھنے والی ہیں آپ نے فرمایا ہاں اپنے ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر۔ (کتاب الصلہ عبداللہ بن مبارک ۱۳۰۔ مسند احمد صحیح البخاری ۲۶۲۰) اور قرآن حکیم میں بھی ارشاد خداوندی ہے:

﴿ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴾

''اپنے والدین کے ساتھ دنیا میں اچھے طریقے سے پیش آئیں۔''

لہٰذا آپ اپنے والدین عزیز و اقارب سے صلہ رحمی کریں' اچھے طریقے سے پیش آئیں۔ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک کریں اور انہیں حکمت کے ساتھ عقیدہ توحید و سنت کی دعوت دیتے رہیں اگر وہ کوئی سخت کلمات بھی کہہ دیں تو برداشت کریں اس میں اللہ کے فضل و کرم سے خیر ہی خیر ہے البتہ ان کی رسومات اور خلاف شرع امور میں شرکت سے اجتناب کریں' خوشی و غمی کے موقع پر ضرور جائیں لیکن ایسے مواقع پر ڈھول' گانا بجانا' بے پردگی اور شادی کی غیر شرعی رسومات ہوں تو ان امور میں ان سے علیحدہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشے۔ آمین

ہوٹلوں میں منعقد تقریبات میں شرکت

س کیا شادی بیاہ کی تقریبات ہوٹلوں اور شادی گھروں میں منعقد کی جا سکتی ہیں کتاب وسنت کی روسے صحیح راہنمائی فرمائیں۔

ج عصر حاضر میں شادی بیاہ کی اکثر تقریبات ہوٹلز اور شادی گھروں میں منعقد کی جاتی ہیں اور ان تقریبات میں بے شمار قباحتیں موجود ہوتی ہیں جیسا کہ

۱۔ اکثر مقامات پر دیکھا گیا ہے کہ مردو زن کا اختلاط بہت زیادہ ہوتا ہے۔ آزادانہ طریقے سے خواتین مردوں میں گھوم رہی ہوتی ہیں اور اسلامی حجاب کو ترک کر کے گلوں میں دوپٹے ڈال کر پھرتی ہیں بلکہ کئی خواتین ایسے غیر شرعی لباس میں ملبوس ہوتی ہیں کہ شرم وحیاء بالائے طاق ہوتی ہے۔

۲۔ ایسی تقریبات فضول خرچی اور غیر ضروری اخراجات کا باعث بنتی ہیں جبکہ فضول خرچی شرعی طور پر درست نہیں قرآن حکیم میں فضول خرچ افراد کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ اکثر تقریبات میں ویڈیو بنائی جاتی ہے جس میں غیر محرم مرد غیر محرم بیبیوں کی تصاویر اتارتے ہیں جو کہ شرعاً حرام ہے۔

جہاں ایسی اخلاق باختہ اور حیا سوز اشیاء موجود ہوں تو وہاں تقریبات منعقد کرنے سے گریز کیا جائے اور اگر مذکرہ قباحتیں موجود نہ ہوں اور نہ ہی کوئی اور غیر شرعی حرکت ہو وہاں پر ایسی تقریبات اگر منعقد کی جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ آج کل اکثر گھروں میں جگہ اتنی کم ہوتی ہے کہ دعوت ولیمہ پر بلائے گئے افراد کے لئے ناکام ثابت ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہوٹل وغیرہ کا انتظام لوگ کرتے ہیں۔ بہر کیف بوقت ضرورت ایسی اشیاء سے شرعی حدود میں رہتے ہوئے فائدہ اٹھانا بالکل صحیح اور درست ہے۔

ویڈیو اور موسیقی والی شادیوں میں شرکت

س: ایسی شادیاں جہاں پر موسیقی اور ویڈیو بنانے کا اہتمام ہو اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

ج: ایسی شادیوں میں شرکت کرنا درست نہیں اس لئے کہ موسیقی سننا اور بجانا شرعاً ناجائز وحرام ہے سورۃ بنی اسرائیل ۶۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''ان میں سے جس کو تو اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے پھسلا لے''۔ یعنی شیطان کو جب ڈھیل دی گی تو اسے یہ بھی چھٹی مل گئی کہ وہ انسانوں کو اپنی آواز کے ذریعے اگر پھسلا سکتا ہے تو اپنا کام کر کے دیکھے۔ اس آواز کے بارے کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا مزامیر اور ہر وہ آواز ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔ اسی طرح سورۃ لقمان میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق آیت نمبر ۶ میں لہو الحدیث سے مراد گانا بجانا ہے۔

لہٰذا گانا بجانا آلات موسیقی شرعی طور پر درست نہیں۔ تصویر اتارنا اور اتروانا بھی شرعاً حرام ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ مصورین کو قیامت والے دن سب سے سخت عذاب ہوگا۔ لہٰذا تصویر بنوانا بھی شرعاً درست نہیں اور وہ مجالس جہاں پر یہ خلاف شرع کام ہو رہے ہوں ان میں شرکت کرنا صحیح نہیں۔ سورۃ نساء آیت نمبر ۱۴۰ میں اللہ نے فرمایا اور اللہ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگ جائیں۔ ورنہ تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو بے شک اللہ تعالیٰ منافقین اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایسی مجالس جہاں پر احکام شرع کی خلاف ورزی ہو رہی ہو ان میں شرکت کرنا منع ہے اور شرکت کرنے والا بھی انہیں جیسا ہوگا۔ آپ کی ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے

دستر خوان پر ہرگز نہ بیٹھے جہاں شراب پیش کی جا رہی ہو۔ (مسند احمد ۱۲۶ اترمذی ۲۸۰۳)
اس صحیح حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جس دستر خوان پر شریعت کے خلاف کوئی چیز ہو وہاں شرکت کرنا درست نہیں۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''ہم ایسے ولیمے میں شریک نہیں ہوتے جس میں طبلے سارنگیاں ہوں۔''

(آداب الزفاف الشیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۶)

لہٰذا طبلے سارنگیوں' گانے بجانے اور ویڈیو وغیرہ منکرات پر مشتمل مجلس میں حاضر ہونے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

اہل کتاب کا کھانا درست ہے

س عیسائیوں کے ساتھ کھانا کس حد تک جائز ہے جبکہ قرآن میں ہے کہ مشرک نجس ہے کیا عیسائی مشرک نہیں ہیں؟

ج یہ بات بلا شبہ درست ہے کہ عیسائی مشرک ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں لیکن یہ اہل کتاب میں سے ہیں اہل کتاب کے بارے میں شریعت میں دو رخصتیں دی گئی ہیں۔

(۱) کتابیہ عورت اگر پاکدامن ہو' چھپی دوستی اس سے نہ ہو' اور ایمان کے ضیاع کا خطرہ نہ ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔

(۲) اسی طرح اہل کتاب کا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حلال ہے جس میں جانور کا گلہ کاٹ کر خون بہایا گیا ہو' جیسا کہ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر پانچ سے معلوم ہوتا ہے۔ جب کتابیہ عورت نکاح میں ہوگی تو ظاہر ہے کہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی استعمال ہوگا۔ معلوم ہوا کہ عیسائی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا درست ہے بس یہ لحاظ ضرور ہوگا کہ جو چیز استعمال کی جا رہی ہے وہ شریعت محمدی کی رو سے صحیح اور حلال ہو۔ نبی ﷺ نے خود یہودیہ عورت کی دعوت قبول کی تھی۔ اس نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا جیسا کہ کتب سیرت و تواریخ میں معروف ہے۔ البتہ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ آپ جب دعوت کیا کریں تو نیک اور پرہیزگار لوگوں کو کھانے پر بلایا کریں۔

کتاب الجامع

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بعثت بجوامع الکلم))

[صحیح البخاری ۲۹۷۷ – صحیح مسلم ۶/ ۵۲۳ – مشکوۃ ۵۷۴۹]

''میں جامع کلمات دے کر بھیجا گیا ہوں۔''

الکوحل والی ادویات کا استعمال

س: بھائی جان کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہومیو پیتھک طریقہ علاج اسلامی عقائد کی رو سے جائز نہیں کیونکہ اس میں الکوحل وغیرہ ایسی چیزیں استعمال ہوتی ہیں جو کہ اسلام میں قطعاً حرام ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ جائز ہیں کیونکہ الکوحل خالص حالت میں استعمال نہیں ہوتی آپ کے ہفت روزہ جہاد ٹائمز کی وساطت سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس طریقہ علاج کے ذریعے علاج کروانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

(اخت ابو مرصد ثناء اللہ ٹھیالی کلاں شیخوپورہ)

ج: یہ بات بالکل عیاں اور واضح ہے کہ ہومیو پیتھک کی دوائیوں میں الکوحل استعمال ہوتی ہے اور الکوحل شراب ہے اس کے استعمال کی اجازت نہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا رسول ﷺ سے شراب کے بارے میں سوال کیا گیا کیا اس کا سرکہ بنایا جا سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں اسے مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے بحوالہ بلوغ المرام باب ازالۃ النجاستہ و بیانھا۔ وائل حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے شراب کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اسے منع کیا تو اس نے کہا میں نے یہ دوائی کے لئے بنائی ہے آپ نے فرمایا: بلاشبہ یہ دواء نہیں ہے لیکن یہ بیماری ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

(بحوالہ مشکوۃ: ۳۶۴۲)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی یمن سے آیا اس نے نبی ﷺ سے ایسی شراب کے بارے میں پوچھا جسے وہ اپنی زمین میں مکئی سے بنا کر پیتے تھے اسے مزر کہا جاتا تھا نبی ﷺ نے فرمایا کیا وہ مسکر ہے؟ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ہر مسکر حرام ہے بے شک اللہ کا اس شخص کے لئے عہد ہے جو مسکر پیتا ہے کہ اسے طینۃ الخبال میں سے پلائے گا صحابہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول طینۃ الخبال کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: وہ جہنمیوں کا پسینہ وغیرہ ہے۔ (رواہ مسلم مشکوۃ ۳۶۳۹)

الغرض اس معنی کی بے شمار احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ الکوحل یعنی شراب پینا حرام ہے لہٰذا وہ دوا جس میں شراب ملائی گئی ہو خواہ وہ ہومیو کی ہو یا ایلو پیتھی کی یا دیسی اس کا استعمال حرام ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ استعمال کے وقت وہ موجود نہیں ہوتی تو گزارش یہ ہے کہ شراب کی بیع اور خریداری بھی منع ہے جب یہ دوا خریدی جاتی ہے تو اس میں الکوحل ہوتی ہے لہٰذا اس کا پینا حرام اور خریداری بھی۔

پیپسی وکوکا کولا مشروبات کا حکم

س: بعض افراد کہتے ہیں کہ کولا مشروبات میں الکحل شامل ہوتی ہے لہٰذا ان کا استعمال جائز نہیں اپنی تحقیق کے مطابق اس کی شرعی حیثیت بیان کریں۔

(سائل مذکورہ ڈسکہ)

ج: پیپسی وکوکا کولا مشروبات بعض افراد سے سنا گیا ہے کہ اس میں پیپسین ہوتی ہے جو سور سے بنتی ہے لیکن مجھے اس کے بارے کوئی قطعی بات معلوم نہیں۔ کسی چیز پر حرمت یا حلت کا حکم لگانے سے پہلے اس کی اچھی طرح چھان بین ضروری ہے میں اس کے بارے ابھی تک کوئی تحقیق نہیں کر سکا۔

ایلو پیتھک ادویات میں الکوحل

س: جہاد ٹائمز ۱۱ تا ۱۷ محرم میں آپ سے ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے بارے پوچھا گیا کہ اسلامی عقائد کی رو سے جائز ہے یا نہیں کیونکہ الکوحل وغیرہ استعمال ہوتی ہے جو کہ اسلام میں بالکل حرام ہے اب میں یہ سوال پوچھنا چاہتی ہوں کہ ایلو پیتھک ادویات میں بھی الکوحل استعمال ہوتی ہے ان کا استعمال کیسا ہے نیز ایام ماہواری میں قرآن چھونے کا کیا حکم ہے۔ (ایک سائلہ، فیصل آباد)

ج: آپ کے اس سوال کا جواب بھی بالکل واضح ہے اور پچھلے سوال کے ضمن میں

درج ہے اسے دوبارہ ملاحظہ کریں الکوحل ایلوپیتھی' ہومیوپیتھی یا دیسی طریقہ علاج میں الغرض جہاں بھی استعمال ہو اس کا پینا درست نہیں کیونکہ شراب کی حرمت پر نصوص کثیرہ صحیحہ موجود ہیں۔ آپ ڈاکٹر یا طبیب کو اپنا مرض بتا کر اسے کہیں کہ الکوحل کے یا دیگر حرام اشیاء کے بغیر ادویہ علاج کے لئے دے۔ حرام اشیاء کے بغیر بھی کثیر ادویہ موجود ہیں حکماء اور ڈاکٹرز کو چاہئے کہ وہ اسلامی طب کے مطابق علاج کریں۔ طب نبوی میں بے شمار دوائیں اور علاج موجود ہیں ان کی طرف توجہ دیں تاکہ اسلامی طب فروغ پائے۔ باقی ایام ماہواری میں عورت کے لئے بہتر ہے کہ قرآن پاک کو کپڑے وغیرہ کے ساتھ چھوئے تفصیل کے لئے ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' جلد اول ملاحظہ کریں راقم کی اس کتاب میں یہ مسئلہ کچھ شرح کے ساتھ موجود ہے۔

حلال جانور کے خون کے قطرات کا حکم

س اگر کوئی حلال جانور (مرغا) ذبح کیا جائے تو اس کے خون کے چھینٹے کپڑوں پر پڑ جائیں تو کیا کرنا چاہئے۔ (شیخ ثاقب' وہاڑی)

ج ایسی صورت میں کپڑوں کے جس حصہ پر خون لگ جائے اسے دھولیں اللہ تبارک وتعالیٰ دین حق کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

سودی کاروبار کرنے والے کے گھر سے کھانا

س کیا اس آدمی کے گھر سے کھانا کھانا یا اشیاء لینا جائز ہے جو سودی کاروبار کرتا ہے۔ (شیخ ثاقب رحیم وہاڑی)

ج جس شخص کے بارے یہ بات معلوم ہو کہ اس کا کاروبار سود پر مبنی ہے تو اس کی رقم سے خریدی ہوئی کوئی چیز بھی کھانی پینی جائز نہیں کیونکہ سود صریح حرام اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے مترادف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے' سود کھلانے والے' سود لکھنے والے اور سودی معاملے پر گواہی دینے والوں پر لعنت کی

ہے اور انہیں برابر کے لعنتی قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم)

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سود کے ستر حصے ہیں سب سے چھوٹا حصہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔

(ابن ماجہ، الترغیب والترہیب)

لہٰذا اتنے بڑے گناہ سے اجتناب کیا جائے اور ہر طرح کے سودی معاملے سے مکمل گریز کیا جائے تاکہ آخرت سنور جائے۔

قائدین یا علماء کے حفاظتی انتظامات کا جواز

(س) مختلف علماء کرام اور قائدین نے اپنے ساتھ جو باڈی گارڈز رکھے ہوئے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ اللہ پر توکل کے خلاف نہیں؟

(ج) دشمنان دین کی بڑھی ہوئی یلغاروں اور فسادات کے ہوتے ہوئے اپنی حفاظت کے لئے اسباب کو بروئے کار لانا توکل کے خلاف نہیں' جیسا کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا کیا میں اپنی اونٹنی چھوڑ دوں اور اللہ پر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کا گھٹنا باندھ اور توکل کر۔ (صحیح ابن حبان ۲۵۴۹' مستدرک حاکم ۶۲۳)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اسباب کو بروئے کار لانا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں لہٰذا علمائے کرام یا قائدین اسلام اگر دشمنان دین کی خفیہ چالوں سے محفوظ ہونے کے لئے حفاظتی ساز و سامان کا بندوبست کرتے ہیں تو یہ توکل علی اللہ کے خلاف نہیں۔

جہاد و قتال ایک ایسا فریضہ ہے جس میں اسلحہ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے جس سے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے اور جان و مال کی حفاظت شریعت اسلامی میں مطلوب ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں ایسے دلائل بکثرت موجود ہیں۔ جن میں اسباب اختیار کرنے کا صراحتاً حکم ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور ان کافروں کے لئے اپنی استطاعت کے مطابق قوت تیار رکھو۔''

(۶۰:۸)

اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے مقابلہ کے لئے تیاری کا حکم ہے۔اسی طرح فرمایا:

"اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان پکڑو پھر (پھر ان سے مقابلہ کے لئے) متفرق طور پر یا اکٹھے ہو کر نکلو۔" (۴/۷۱)

ایک مقام پر فرمایا:

"کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور اسباب و متاع سے غافل ہو جاؤ تا کہ وہ یکبارگی تم پر حملہ کر دیں۔" (۴/۱۰۲)

ان آیات بینات سے معلوم ہوا کہ مسلمان آدمی کو اپنی حفاظت کے لئے اسلحہ اور اسباب جمع رکھنے چاہئیں تا کہ وہ اپنی حفاظت کا بندوبست اچھے طریقے سے کر سکے۔ باڈی گارڈ بھی اسباب میں سے ایک سبب ہے جسے ضرورت کے تحت رکھا جا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مختلف مواقع پر حفاظتی پہرے کا بندوبست کیا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں ہے کہ ایک رات آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور فرمایا آج رات چوکیداری کون کرے گا؟ تو آپ کی بات پر لبیک کہہ کر ایک انصاری اور ایک مہاجر صحابی نے رات کو چوکیداری کی۔

(ابوداؤد ۱۹۸، حاکم ۱/۱۵۶ آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/۱۳۰)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ حفاظتی بندوبست کرتے ہوئے آپ نے پہرے داروں کا بندوبست کیا اور صحابہ نے رات کو آپ کی اور دیگر ساتھیوں کی حفاظت کے لئے چوکیداری کی۔ تاریخ مدینہ لابن شبہ ۱/۳۰۰ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حطیم میں نماز ادا کرتے تو عمر رضی اللہ عنہ تلوار سونت کر آپ کا پہرہ دیتے تھے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور وہ آپ کے پہلو میں تھیں، کہتی ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول آپ کو کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: کاش کہ میرا کوئی صالح صحابی آج رات میرا پہرہ دے۔ کہتی ہیں ہم اس طرح تھے کہ ہم نے اسلحہ کی آواز سنی آپ نے کہا کون ہے؟ تو اس آدمی نے کہا میں سعد بن مالک ابو وقاص ہوں آپ نے فرمایا تیری کیا حالت ہے؟ اس نے کہا

اے اللہ کے رسول میں آپ کے حراسہ کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ عائشہ فرماتی ہیں پھر رسول اللہ ﷺ سو گئے میں نے آپ کے خراٹوں کی آواز سنی۔

(تاریخ مدینہ منورہ ۱/۳۰۰ صحیح البخاری باب الحراسۃ ۱/۴۰۳)

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں مسائل کا استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دشمن سے بچاؤ کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کرنا صحیح ہے۔ (۲) لوگوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے سلطان و امیر کے قتل کے ڈر کی وجہ سے پہرہ دیں۔ (فتح الباری ۶/۶۱)

اسی طرح قیس بن سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بطور محافظ رہتے تھے۔ (صحیح البخاری ۲/۱۰۵۹)

صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ ۴۵۱٬۴۵۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں بھی اسلحہ لایا جا سکتا ہے مگر اس کا ادب یہ ہے کہ اس کے پھالے کو پکڑ کر رکھے تاکہ کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دے لہٰذا مساجد غیر مساجد میں اسلحہ اپنی حفاظت کے لئے لایا جا سکتا ہے اور اسباب کے تحت باڈی گارڈز، چوکیدار وغیرہ رکھنے درست ہیں۔

بینک کی چوکیداری

(س) بینک کی نوکری حرام ہے جو سود کے کام میں شامل ہے آپ یہ بتا دیں کہ بینک کی چوکیداری کی نوکری کیا جائز ہے؟ (ابو عثمان)

(ج) بینک میں کام کرنے والے منیجر وغیرہ چونکہ سودی کاروبار میں شریک ہونے کی وجہ سے لعنت کے حقدار بن جاتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، سود لکھنے والے اور سود کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور انہیں برابر قرار دیا ہے۔ (صحیح مسلم ۱۰۹۸)

اس میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ سود کھانے اور کھلانے پر لعنت کے ساتھ سود لکھنے والے اور گواہوں پر لعنت کیوں ہے؟ نہ انہوں نے سود لیا اور نہ ہی سود دیا، یاد رہے کہ اس پر لعنت سودی معاملے میں تعاون کی وجہ سے ہے اور گناہ پر تعاون حرام

ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ تعاونو علی البر والتقوی ولا تعاونو علی الاثم والعدوان ﴾

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو زیادتی اور گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔''

بینک کی چوکیداری کرنے والا شخص بھی سودی رقوم کا تحفظ کر کے گناہ پر تعاون کر رہا ہے اس لئے اس کی نوکری درست نہیں۔




دار العلوم
الندية للنشر والتوزيع
Dar-ul-Uloom